هداية المستفيد

الجزء الأول

طبع بأمر
رئاسة البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد
المملكة العربية السعودية

مكتبة الثقافة الإسلامية بمكة

وقف لله تعالىٰ

رئاسة إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد
(المملكة العربية السعودية)

مكتب الدعوة الإسلامية
باكستان

ترجمہ و تفہیم

عطاء اللہ ثاقب

باعادة النظر

للجنة المراجعة

الجزء الأول

مکتب الدعوۃ الاسلامیۃ پاکستان

الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله الكريم أما بعد:

فقد درج كل من أراد أن ينشر كتابا أو يعيد طبعه أن يكتب ما يتعلق به السبب الذي دعاه للنشر أو الإعادة.

وإننا إذ نعيد طباعة هذا الكتاب العظيم في علم التوحيد وإخلاص العمل المشفوعة لا لأننا طبعناه مرة أخرى بل لأننا نضعه في أيدي إخواننا المسلمين في ثوب جديد فنسأل الله تعالى أن يكون ضافيا لجميع معاني الخير.

وصاحب الخير بالخير يذكر. والإمام الشيخ محمد بن عبد الوهاب رحمه الله له الفضل الكبير على عامة نجد والجزيرة العربية بل وعامة من اتخذ فكرته التي لا تعني إلا دعوة المسلمين للعودة بهم إلى نهج السلف الصالح في السلوك والاعتقاد وتنقيته من كل ما يحوم حوله مما يؤدي بصاحبه إلى الشرك بالله مهما قل.

وكتاب التوحيد ثمرة من نتاج هذا الإمام العظيم فهو دستور يبين نهج السلوك الذي ينبغي أن يعتقد لله تعالى كما يبين بصدق كل ما من شأنه الصد عن الشرك بالله. ولذا فقد لقي العناية الكبرى من جلة من العلماء العارفين فاستقبلوه بالشرح بين مختصر ومطول إلا أن أفضل ما شرح به هذا الكتاب هو ذلك الشرح المسمى بفتح المجيد لفضيلة الشيخ عبد الرحمن بن حسن آل الشيخ رحمه الله الذي أبان به غوامض تلك التراجم الموجزة والأبواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ طبع ثانی

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم ، اما بعد!

ناشر جب کوئی کتاب شائع کرتا یا اس کے دُوسرے ایڈیشن کا اہتمام کرتا ہے تو اس پر ضرور روشنی ڈالتا ہے کہ اس کی اشاعت یا طبعِ ثانی کی اسے کیوں ضرورت پیش آئی۔

ہم توحید اور اخلاصِ عمل کے موضوع پر اس عظیم کتاب کو دوسری بار شائع کرتے ہُوئے فخر محسوس کر رہے ہیں۔ فخر ہمیں اس کی طبعِ ثانی پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ اب ہم اسے اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے نئے اسلوب میں پیش کر رہے ہیں، ہم بحضور اللہ العلمین دست بدُعا ہیں کہ یہ طبع اپنے اندر تمام مقاصدِ خیر کو سموئے ہُوئے ہو۔

یہاں اہلِ خیر کا ذکرِ خیر بھی ہونا چاہیے۔ امام محمد بن عبدالوہاب علیہ الرحمۃ کا نجد اور جزیرۃ العرب کے عوام بلکہ ان تمام لوگوں پر احسانِ عظیم ہے جنھوں نے ان کے افکار کو قبول کیا، جن کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دوبارہ سلف صالحین کے راہِ حق کی طرف دعوت دی جائے اور انھیں ایسی تمام آلائشوں سے صاف رکھا جائے جو بالآخر شرک کی طرف پہنچاتی ہیں، خواہ وُہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔
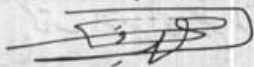
کتاب التوحید اسی عظیم المرتبت امام کی فکری کاوش کا نتیجہ ہے اور یہ ایسا دستور ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے بارے میں حقیقتاً جو عقیدہ ہونا چاہیے اسے واضح کر دیتا ہے اور ساتھ ہی ان تمام اُمور کو مبرہن کر دیتا ہے جن کی بدولت انسان شرک باللہ سے دُور رہ سکتا ہے۔ اِسی لیے کتاب التوحید کو دانشور علماء

والأحاديث المدونة سردًا كما وضح تلك المسائل المقتبسة بطريق الإشارة والإيماء فأصبح بذلك أفضل شرح وأجمل معنى بعبارة عن كتاب التوحيد فنفع الله به كثيرًا من ذوي العقول السليمة والأبصار المنيرة . ثم هيأ الله لهذا الشرح فضيلة الشيخ عطاء الله ثاقب قصوري لنقله إلى اللغة الأردية باسم هداية المستفيد فنال بذلك شرف السبق في هذا الميدان وطبعت هذه الترجمة إلا أنها نفدت جميع نسخها فتم الاتفاق بين مكتب الدعوة بباكستان وفضيلة المترجم على نقل جميع حقوق الطبع والترجمة للمكتب رجاء إعادة الطبع سريعًا إلا أن المكتب حينما أعاد النظر في الترجمة وجدها تحتاج إلى نظر لوجود أخطاء جسيمة بها وهذا من شأن كل تأليف فضلا عن كل مترجم فكلف المكتب عددًا من الدعاة الذين رأى فيهم الكفاية للنظر في هذه الترجمة وتقويم ما يحتاج إلى ذلك وترجمة ما لم يترجم وبعد جهد جهيد كلفهم كثيرًا من الوقت تمخضت هذه الطبعة التي نرجو من الله العلي القدير أن تكون في منتهى الدقة والصحة ومع ذلك فإننا نرجو من كل من اطلع على شيء من الأخطاء تدوينها وإرسالها إلى المكتب ليتم تلافيها في الطبعات القادمة بمشيئة الله تعالى وفي الختام نشكر كل من ساهم في هذه الطبعة سواء كان بالملاحظة أو بالإرشاد وما التوفيق إلا بالله العلي القدير وصلى الله على محمد وآله وصحبه وسلم .

كتبه : مدير مكتب الدعوة بالباكستان

عبد العزيز محمد بن عتيق

کی ایک بڑی تعداد کے ہاں نہایت اہمیت اور نظرِ عنایت سے شرفِ پذیرائی حاصل ہوا۔ کئی علماء نے مختصر اور مفصل شروح لکھ کر اسے سندِ قبولیت سے نوازا مگر ان میں سب سے شاندار شرح فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ رحمہ اللہ کی تالیف "فتح المجید" ہے۔ شارح موصوف نے مختصر عناوینِ ابواب اور مصنف کی ذکر کردہ آیات و احادیث کے دقیق مسائل کی گتھیاں سلجھائیں اور جن مسائلِ مستنبطہ کی مصنف مرحوم نے اشارۃً نشاندہی کی تھی، انھیں وضاحت سے بیان کیا۔ چنانچہ "فتح المجید" کتاب التوحید کی خوبصورت ترین تعبیر اور بہترین شرح قرار پائی اور اللہ تعالےٰ نے اسے بیشمار عقلِ سلیم اور چشمِ بینا سے بہرور لوگوں کیلئے نمونہ بنایا۔ اس کے اردو ترجمے کیلئے اللہ تعالےٰ نے فضیلۃ الشیخ عطاء اللہ ثاقب کو ہمت عنایت فرمائی، انہوں نے اسے ہدایۃ المستفید کے نام سے اردو کے قالب میں ڈھالا اور اس میدان میں گوئے سبقت لے گئے مگر جلد ہی اس کے تمام نسخے ختم ہو گئے۔ مکتب الدعوہ پاکستان اور مترجم موصوف کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا اور جملہ حقوق ترجمہ و طبع و اشاعت اِس امید کے ساتھ مکتب کو منتقل ہو گئے کہ اسے جلد دوبارہ شائع کیا جائے گا، مگر مکتب نے جب ترجمے پر نظر ڈالی تو اسے محتاجِ اصلاح پایا کیونکہ اِس میں زبردست غلطیاں تھیں، ترجمہ تو گُجا ہر تالیف کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔

چنانچہ مکتب الدعوۃ نے چند ایسے علماء کا انتخاب کیا جنھیں اِس ذِمّہ داری سے عہدہ برا ہونے کا اہل دیکھا اور انھیں یہ کام سونپا کہ ترجمے پر نظرِ ثانی کریں، جہاں ضرورت ہو اِصلاح کریں، جن عبارتوں کا ترجمہ طبع اوّل میں رہ گیا تھا اسے مکمل کریں، کافی وقت تک ان سب نے بھرپور محنت کی، جس کے نتیجے میں یہ طبع ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمیں اللہ ربّ العزّت سے امید ہے کہ یہ طبع انتہائی درجہ کی صحت و دِقّت کی حامل ہوگی اور اس کے ساتھ ہی ہم تمام قارئین کرام سے امید رکھتے ہیں کہ اگر وہ کچھ غلطیوں پر مطلع ہوں تو انھیں مرتّب کر کے مکتب کو ارسال

فرمائیں گے تاکہ آئندہ طبعات میں ان کی تلافی ہو سکے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

آخر میں ہم ان سب حضرات کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس طبع میں ہمارا ہاتھ بٹایا، خواہ وُہ کسی ملاحظہ کی صُورت میں ہو یا راہنمائی کے انداز میں۔ اور توفیق صرف اللہ رب العزّت کے ہاتھ میں ہے۔

وصلّی اللہ علی محمّد وآلہ وصحبہ وسلّم

(فضیلۃ الشیخ) عبدالعزیز محمد بن عتیق (حفظہ اللہ تعالیٰ)

مدیر مکتب الدعوۃ الاسلامیہ، پاکستان

ترجمہ حافظ عبدالرشید اظہر بن عبدالعزیز عفا اللہ عنہما

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طبع اول

تقدیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

وبعد

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام **محمد بن عبدالوہاب** رحمہ اللہ

نہ صرف نجد و حجاز کے بلکہ پورے عالمِ عرب کے مصلحِ اعظم تھے۔ انہوں نے بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اُس وقت علمِ توحید بلند کیا اور کتاب و سنت کی دعوت کا بیڑا اُٹھایا جب سرزمینِ عرب میں اسلام کی آواز ماند پڑ چکی تھی۔ گلستانِ توحید میں خزاں چھا رہی تھی، قرآن و حدیث کی صدائے حق میں ضعف و نقاہت کے آثار اُبھر آئے تھے، قال اللہ و قال الرسول کے دل نواز نغموں اور رُوح پرور زمزموں کی جگہ بدعات و منکرات کی مکروہ آوازیں پردۂ سماع سے ٹکرانے لگی تھیں، اور حق و صداقت کی لہراتی ہوئی کھیتی پر شرک و قبور پرستی کی بادِ سموم کے تباہ کن جھکڑ چلنے لگے تھے۔ **امام الدعوۃ** نے قلم، زبان، تلوار ہر طریق سے اِسلام کا دفاع کیا اور اِس محاذ کو جتنا مضبوط بنا سکتے تھے بنایا۔

آپ متعدد کتابوں کے مصنف اور نہایت پُر اثر اور زور دار مبلغِ اسلام تھے۔

آپ کی تصانیف میں سے "**کتاب التوحید**" کو خاص طور پر شہرت و اہمیت حاصل ہے اِس کتاب میں مسئلۂ توحید کے مختلف گوشوں کی وضاحت کی گئی ہے اور اِس بنیادی رُکنِ اسلام کو قرآن و سنت کی روشنی میں نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اہلِ علم نے اِس کی سات شرحیں سپردِ قلم کیں۔ ان میں سے ایک شرح "**فتح المجید**" ہے جو شیخ الاسلام کے پوتے امام الموحدین

العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ شیخ ممدوح اپنے جدِّ امجد شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ اور اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور نامور محدّث و فقیہہ تھے۔

اِس بندۂ عاجز کو ۱۹۷۲ء میں اللہ تعالیٰ نے حج بیتُ اللہ کی سعادت بخشی تو وہاں کے علماء و فضلاء کے بابِ عالی پر حاضری دینے کا بھی شرف حاصل ہُوا جِن میں سماحۃ العلامہ فضیلۃ الشیخ محمدؒ بن عبداللہ بن سبیل المحترم امام الحرم المکی بالخصوص قابلِ ذکر ہیں آپ کے علم و فضل کی وسعت اور اخلاقِ حسنہ سے اس درجہ مُتاثر ہوا کہ بار بار آپ سے ملاقات اور گفتگو کے مواقع مُیسّر آتے رہے۔ آپ پُروقار شخصیّت کے مالک اور سراپا خلوص ہیں آپ الرئاستہ العامتہ للاشراف الدینی میں نائب الرئیس اور بیت العتیق میں امامت و خطابت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں۔ منصب و عہدہ کی اس رفعت کے باوجود متواضع اور منکسر المزاج ہیں۔ مجھے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے جن نامور شیوخ سے حصولِ علم کیا ان میں سماحۃ الشیخ محمدؒ بن مقبل، فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن سبیل اور سماحۃ العلامہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن محمدؒ بن حمید الرئیس العام للاشراف الدینی حفظہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی لائقِ تذکرہ ہیں۔

ایک روز دورانِ گفتگو فتح المجید کے اُردو ترجمے کا ذِکر ہُوا تو بہت خوش ہوئے اور اس کی تکمیل کے لیے دُعا فرمائی۔

چنانچہ حرم بیتُ اللہ ہی میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس اہم خدمتِ دین کا آغاز کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مُسلسل دو سال کے عرصہ میں اسی مقدس گھر میں مکمّل ہوگیا۔

خوش قسمتی سے اِن دِنوں پاکستان کے نامور عالمِ دین۔ صاحبِ لوائے توحید، ناصر السُّنّۃ۔ قامع البدعۃ، العلامۃ الشیخ السید بدیع الدین الشاہ السندی الراشدی بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ نے ازراہِ کرم پُورا ترجمہ از اوّل تا آخر سُنا اور میری رہنمائی فرمائی۔ جزاہ اللہ عنّی وعن المسلمین خیرا۔ شیخ ممدوح نے اس پر ۴۸ صفحات پر مشتمل ایک طویل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو معزز قارئین کے لیے اضافۂ معلومات کا باعث ہوگا۔

اسی اثنا میں اس عاجز نے ترجمے کا ذکر سماحۃ المفتی الشیخ ابراہیم بن محمد سے کیا جو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اولاد سے ہیں اور اُن دِنوں رئیس دارالافتاء والدعوۃ والارشاد کے منصب بلند پر متعین تھے اور اب مملکتِ سعودیہ کے محکمہ عدلیہ میں خدماتِ دینی انجام دے رہے ہیں آپ بہت بڑے صاحبِ علم وفضل ہیں۔ الفتاویٰ الکبریٰ، امام (ابنِ تیمیہ) کی موجودہ ترتیب ان کے والدِ مکرم شیخ محمد رحمہ اللہ کی سعی ومحنت کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ان سے پورا علمی تعاون کیا اور یہ جلیل القدر فتاوی معرضِ وجود میں آیا میرے لیے شیخ موصوف کی دعائیں اس خدمتِ دین کیلئے انتہائی ممد ومعاون ثابت ہوئیں

علاوہ ازیں آل شیخ میں سے شیخ عبدالملک رئیس ہیئت امر بالمعروف

ونہی عن المنکر بھی جو حجاز کے جید علماء میں سے ہیں، ترجمہ کے بارے میں اطلاع پاکر انتہائی خوش ہوئے، مترجم عاجز کو دعائیں دیں اور بڑی حوصلہ افزائی کی اور اس کی اشاعت کے لیے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

سماحۃ العلامۃ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز جو اس زمانے میں مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور اب دارالافتاء والدعوۃ والارشاد کے رئیس ہیں، ترجمہ سے مطلع ہوئے تو بہت ہی خوش ہوئے اور ہر اعتبار سے تعاون کی پیش کش فرمائی۔ اللہ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مکہ مکرمہ میں یہ پورا ترجمہ شروع سے آخر تک الشیخ بدیع الدین الراشدی السندی نے تو ملاحظہ فرمایا ہی تھا، ان کے علاوہ الشیخ عبدالغفار حسن (پروفیسر مدینہ یونیورسٹی، مدینہ طیبہ) الشیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندی المدرس بمعہد الحرم المکی، الشیخ عبدالوکیل المدرس الحرم المکی، مولانا عطاء اللہ حنیف مدیر مسئول ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور جو ان دِنوں حج کے لیے تشریف لے گئے تھے، بھی اس پر طائرانہ نظر ڈال چکے تھے۔

ترجمہ کے اختتام پر اس کی طباعت واشاعت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو اس کا تذکرہ استاذی الکرم نے سماحۃ العلامۃ فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید الرئیس العام للاشراف الدینی سے کیا جو نجد وحجاز کے کبار علماء کی صف اوّل میں شمار ہوتے ہیں۔ پہلے مملکت سعودیہ میں

منصبِ قضا پر متعین تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر اصنافِ علوم پر کامل عبور رکھتے ہیں اور عالمِ اسلام میں نہایت عزت واحترام سے دیکھے جاتے ہیں۔

شیخ ممدوح نے میری اس کوشش کی بہت تعریف کی اور کمال مہربانی اور انتہائی شفقت سے اسے جلالۃ الملک المعظم **فیصل بن عبدالعزیز** رحمہ اللہ کے علم میں لائے۔ انہوں نے ازراہِ کرم اس طرف عنانِ توجہ مبذول فرمائی اور ایک مکتوبِ گرامی کے ذریعے جس کی ایک نقل اس عاجز کے پاس موجود ہے، اپنے ذاتی خرچ سے اس کی اشاعت کی منظوری عطا فرمائی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ، وادخلہ الجنۃ۔

پاکستان میں اس ترجمہ پر نظرثانی کے لئے میں نے ملک کی دو اہم علمی شخصیتوں کی طرف رجوع کیا اور مجھے نہایت خوشی ہے کہ انہوں نے میری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور اس کو اصل کتاب سے مقابلہ کر کے شروع سے آخر تک پورے غور و خوض سے دیکھا اور میرے ساتھ پورا پورا علمی تعاون فرمایا۔ وہ ہیں مولانا **محمد حنیف** صاحب ندوی، ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور اور مولانا **محمد اسحاق** صاحب بھٹی رفیق ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔

مولانا ندوی بہت بڑے عالم اور اسلامی فلسفہ و کلام سے متعلق متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ موصوف علوم و فنون کے مختلف گوشوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کا شمار برصغیر پاک و ہند کے جلیل القدر علما میں ہوتا ہے جو بیک وقت مشرقی و مغربی علوم و معارف میں مجتہدانہ دستگاہ رکھتے ہیں۔

مولانا **محمد اسحاق** صاحب بھٹی علمی اور ادبی دنیا میں ایک ممتاز درجہ کے مالک ہیں۔ آپ سولہ سال تک ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ آپ کے اداریوں میں کتاب و سنت کی آواز قیامت تک گونجتی رہے گی۔ اب ادارہ ثقافتِ اسلامیہ میں رفیق ادارہ کی حیثیت سے علمی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف کئی علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف اور نامور عالم ہیں۔

میں اُن تمام حضرات کا بدرجہ غایت شکرگزار ہوں جنہوں نے اس اہم علمی کام کے سلسلے میں کسی صورت میں بھی میرے ساتھ تعاون کیا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ ربِ کریم ہی انہیں جزائے خیر دے گا۔

فتح المجید کے ترجمے کا کام بہت اہم مشکل اور صبر آزما تھا۔ جو محض اللہ کی نصرت سے انجام کو پہنچا۔ میں نے اس کی کتابت وطباعت کو حتی الامکان معیاری بنانے کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں قدم قدم پر مجھے رکاوٹیں بھی پیش آئیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل خاص سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اب کتاب قارئین کرام کے پیشِ نگاہ ہے۔ اس سے میری مسلسل محنت اور پیہم تگ ودو کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے تاہم یہ ایک انسانی کوشش ہے، اگر اس میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو میں اربابِ نظر اور اصحابِ علم سے عرض کروں گا کہ وہ میرے کھاتے میں ڈال دیں اور مہربانی فرما کر مجھے اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔ لیکن اگر اس کو وہ بہتر پائیں اور ان کے نزدیک یہ خدمتِ دینی درجہ قبولیت حاصل کرنے کے لائق ہو تو اسے محض اللہ تعالےٰ کا فضل قرار دیں اور میرے لیے دعائے خیر فرمائیں۔

یہاں میں ایک اور بات بھی آپ کے علم میں لانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ میں نے صرف اللہ تعالےٰ کی نصرت کے سہارے مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی "کتاب التوحید" اور اس کی شرح "فتح المجید" کو انگریزی خواں طبقہ کے مطالعہ میں لانے کا بھی عزم کیا ہے۔ چنانچہ قارئین کرام یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ "کتاب التوحید" کا انگریزی ترجمہ بھی زیر طبع ہے جو کچھ عرصہ تک طباعت کی منزل سے گزر کر آپ کے سامنے آجائے گا۔ ان شاء اللہ

بحمد اللہ فتح المجید کے انگریزی ترجمہ کا بہت سا حصہ مکمل ہو چکا ہے اس سلسلے میں یہ عاجز آپ کی دعاؤں کا متمنی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

وصلی اللہ علی النبی وآلہ وصحبہ اجمعین

واللہ اسأل ان ینفعنی بہ ومن رام الانتفاع بہ من اخوانی، و ان یجعلہ من الاعمال التی لا تنقطع عنی نفعھا بعد ان ادرج فی اکفانی۔

عطاء اللہ ثاقب

۱۹ دسمبر ۱۹۷۵ء
بروز جمعۃ المبارک

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

مراجع

اس کتاب کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ و تفہیم میں

مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

- ابوداؤد
- الادب المفرد
- الاستیعاب
- اغاثۃ اللھفان
- اُردو دائرۃ المعارف
- الافصاح
- اقتضاء الصراط المستقیم
- الباعث فی انکار البدع والحوادث
- البحر الرائق شرح کنز الدقائق
- بدائع الفوائد
- تاریخ بغداد
- ترمذی
- تطہیر الاعتقاد
- تفسیر ابن عباس
- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر البحر المحیط
- تفسیر بقی بن مخلد
- تفسیر بیضاوی
- تفسیر قرطبی
- تفسیر معالم التنزیل
- تفسیر الطبری
- التوشیح (سیوطی)
- التہذیب
- تہذیب الکمال
- جامع العلوم والحکم
- جامع المسانید
- الحجۃ علی تارک المحجۃ
- حلیۃ الاولیاء
- خلاصۃ التہذیب
- دارقطنی
- الدرر السنیۃ فی مولد خیر البریۃ
- الدر المنثور

- دلائل النبوۃ
- الذہب الابریز
- الرد علی من ادعی ان للاولیاء التصرفات فی الحیات وبعد الممات علی سبیل الکرامۃ
- الرسالۃ السنیۃ
- سراج المریدین (صنع اللہ حنفی)
- سنن ابن ماجہ
- سنن دارمی
- سنن سعید بن منصور
- سنن نسائی
- شرح درر البحار
- شرح المنازل
- شرح المنہاج
- شرح المہذب
- الصارم المنکی فی الرد علی السبکی
- صحیح ابن حبان
- صحیح بخاری
- صحیح مسلم
- الطبقات
- عیون المسائل
- الصحیح للبرقانی
- کتاب الکبائر
- کتاب المسائل
- الفتاوے الکبری
- فتاوے بزازیہ
- الفصل فی الملل والنحل
- قرآن مجید
- قرۃ عیون الموحدین
- الکافی (ابن قدامہ)
- کافیہ شافیہ ابن قیم
- کامل ابن عدی
- کتاب الاستغاثہ
- کتاب الاصول (ابو عمر الطلمنکی)
- کتاب الاضداد
- کتاب الاطراف
- کتاب الانساب
- کتاب التوحید
- کتاب الرد علی الجہمیۃ
- کتاب الزہد (امام احمد بن حنبل)
- کتاب الزہد (بیہقی)
- کتاب العلو
- کتاب الغنیۃ عن الکلام واہلہ
- کتاب الفروع
- کتاب الصحیح (ابن خزیمہ)
- مسند ابی یعلی
- مسند امام احمد

- کتاب المغازی
- کتاب النجوم
- اللباب فی تہذیب الانساب
- المبسوط
- المختارۃ
- مدارج السالکین
- مستدرک حاکم
- مسند ابن ابی شیبہ
- مسند حارث بن ابی اسامہ
- مسند الخوارزمی
- مسند عبد بن حمید
- مسند الفردوس
- مفتاح دار السعادۃ
- موارد الظمآن
- النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر

فہرست

باب ماجاء ان الغلوّ فی قبور الصّالحین

باب ماجاء فی حمایۃ المصطفیٰ جناب التوحید وسدّہ کل طریق یوصل الی الشرک

تقریظ

سماحة العلامة الشيخ عبد القادر بن حبيب الله السندي -

المدرس بمعهد الحرم المكي - مكة المكرمة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على اشرف المرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين - اما بعد

فيقول العبد الضعيف احد طلبة العلم بالمسجد النبوي الشريف عبد القادر بن حبيب الله السندي - الحاصل على درجة الماجستير في الشريعة الاسلامية - والمدرس بمعهد الحرم المكي الاشراف الديني بالمسجد الحرام، مكة المكرمة،

اني قد اطلعت على جزء يسير على الترجمة المباركة التي قام بها الأخ الشيخ عطاء الله ثاقب رئيس انصار السنة المحمدية بلاهور لكتاب بارع عظيم فتح المجيد شرح كتاب التوحيد للعلامة الشيخ عبد الرحمن بن حسن آل الشيخ رحمه الله تعالى من اللغة العربية إلى اللغة الاردية - تلك اللغة التي يتكلم بها ملايين المسلمين في أنحاء العالم الإسلامي فضلا عن الهند والباكستان.

واعتبر هذا العمل الجليل عملا مباركا وحسنة كبيرة للأخ الشيخ عطاء الله ثاقب المذكور.

ولا شك أنها أول ترجمة للكتاب المذكور وقد بذل فيها المترجم جهدا مباركا

يشكر عليه لأنها تقع بأسلوب سهل مفيد لا تعمق فيها ولا تعقيد يستفيد منها كل مسلم له إلمام باللغة الأردية - ولأنها تخلو عن الفلسفة اليونانية التي أضاعت على هذه الأمة ما أضاعت من دينها الحق وعقيدتها الصافية النقية -

والشيء الجميل الذي لاحظت في هذه الترجمة أن المترجم وضع نصوص الكتاب التي تشتمل على الآيات القرآنية والأحاديث النبوية على الجانب الأيمن من الكتاب والترجمة عن يساره، ولهذا لا شك مما يعم به الفائدة الكبيرة للذين كتب ربنا جل وعلا لهم الاستفادة بهذه الترجمة المباركة - وللترجمة مزايا أخرى كثيرة -

وأرجو الله تعالى وأتضرع إليه سبحانه وتعالى أن تعم هذه الترجمة في أنحاء العالم الإسلامي والاستفادة منها - ويكتب للمترجم الأجر والثواب مع نية خالصة لوجهه تعالى - إنه جواد كريم وبر رؤوف - وصلى الله وسلم وبارك على عبده ورسوله محمد وعلى آله وصحبه أجمعين -

حرر بالمدينة المنورة في ٢ شهر رمضان المبارك لعام ١٣٩٣

المدرس بكلية الشريعة والدعوة [illegible] الإسلامية

بالجامعة [illegible]

عبد القادر حبيب الله السندي [illegible]

١٠/٩/١٣٩٣

سماحة العلامة فضيلة الأستاذ الشيخ محمد حنيف الندوي حفظه الله

بسم الله الرحمن الرحيم

التحيات والطيبات لله وحده والصلاة والسلام على الرسول الخاتم الذي لا نبي بعده۔

كانت الإنسانية قبل الإسلام في الدرك السافل والمستنقع الوبئ من الشرك والجهل حيث فقدت شرفها وكرامتها التي خولها الإسلام وكانت على شفا حفرة من النار۔ متخبطة في ظلمات وظنون ومتمسكة بكل زائف وباطل غير مستقرة على ثقة وإيمان۔

فلما ألقت عليها شمس الإسلام أضواءها وهاجة أشرقت الأرض وانكشفت سحائب الحلكة واتضح الطريق وتبين الرشد من الغي وازداد الإيمان بالله رونقا وبهجة وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا۔

وأصدق كلمة قام بها الإسلام وتصدى بها التنزيل كلمة التوحيد، التوحيد الخالص الكامل المجرد الشامل لا تشوبه لوثة الشرك والجهل۔ وهي كلمة الفصل في ذاته وصفاته وعلاقته بعباده۔

وليس التوحيد الإقرار باللسان والتصديق بالجنان بمفردانية فحسب - بل في الوقت ذاته وجهة نظر، ومنهاج عمل، وسلوك ومنوال للحياة المترامية الأطراف المختلفة النواحي والألوان - تسمو به الإنسانية وتتمكن من السيطرة على الكون ومن الكشف عن مخبآت لا حساب لها - ومن أجله

ومن بركة استطاع الإنسان أن يجدد مكانته المرموقة في الدنيا - ويحظى بشرفه الأصيل ومجده المفطور عليه وإن شئت فقل أن فكرة التوحيد هي التي تفتح أبواب التضامن والفلاح والأخوة الشاملة الرحيبة التي الإنسانية متطلعة إليها اليوم بصبواتها وأشواقها كلها - وهي حل لكل معضلة فردية كانت أو شعبية وزلفى من الله -

كذلك الشرك بالله لا يعتبر مجرد العقيدة الكامنة في طيات الأذهان والقلوب بل هو ضلال وزيغ وتجنب عن الجادة القويمة التي لها ارتباط وثيق بالحيوة مباشرة، بل هو فساد والتواء في الفكر والعمل، بل هو ازدراء بالإنسانية ومذلة وعار يرمي بالإنسان إلى حضيض ما فوقه حضيض تتخبطه طيور الغواية وتهوي به ريح الزهو والانزلاقه إلى مكان سحيق وما له من محيص.

وهذا وفضل إنشاء المجتمع الإسلامي على أساس التوحيد، يعود بلا ريب ودون شك إلى الإسلام فإنه الدين الوحيد، الذي ما اكتفى بنشر قيم المعنوية والمادية فقط بل على أنقاضه الباهرة بنى بناء حيا ضخما عاليا شامخا، وكون البنية الإسلامية بمعناها وأعد رجالا يحبون الله ويحبهم رجالا لا يعتزون إلا بالإسلام - يذكرون الله قياما وقعودا وتتجافى جنوبهم عن المضاجع وهم لله مخلصون وشاكرون:

ولكن يا للأسف! ما مرت فترة طويلة على ذلك المجتمع المتطلع إلى الله في جميع أحواله حتى تغيرت الظروف والموازين وغلبت على الأنفس الشهوات لعدم المبالاة وترك الاعتناء بمسئلة مهمة تتعلق بتربية الأمة وإصلاحها من جهة السلطات الدينية والعلماء المرشدين، فإذا ركدت عملية التطهير والصهر، وسكنت استجاشة الصدور للارتواء من معين الكتاب والسنة الصافي النقي، وتغشيها الجهل بدياجيره ومباذله النبيلة وأصبحت كأنها لا تمت بصلة إلى الإسلام نسيت ما ذكرت به من عقيدة التوحيد وما لها من خطورة في معترك الحيوة واتخذتها مهجورة وراء ظهورها أو بعبارة واضحة أشركت بالله وعبدت القبور والطواغيت

علانية من غير خوف ورهب -

فی هذا العصر الحافل بالخرافات والمحاط بالخزعبلات تحركت سنة الله سنة الاصلاح والتجديد ولن تجد لسنة الله تبديلا - فبعث الله رجلا حكيما ، باسلا شجاعا ، عبقريا ، ومصلحا عظيما ، قد أتيح ان يبذل جهودا ضخمة بكل طاقته وعظا وانشاء فی سبيل احياء الدين واذاعة عقيدة التوحيد - فكافح وجاهد ولقی فی تحقيق هدفه كل عنت وعدوان ، وواصل العمل وما وهن وما ونی - ووقف موقف المصلح فرفع معالم الدين واستجد رونقه وبهجته الأولى - الا وهو الامام الاوحد ، الحبر العلم المجتهد الحافظ النبيل ابو علی شيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب طيب الله ثراه وبرد مضجعه وجعله فی رحاب رحمته الواسعة -

وشخصية الامام كما يعرفه كل من له ادنى المام بالتاريخ الاسلامی شخصية بارزة عظيمة لم تظهر فی القرون الثلاثة الاخيرة مثله -

دعى دعوة إلى التمسك بعروة الدين المتين لا انفصام لها داعيا - بان الدين هو الاساس الوحيد الذی يبنی عليه الهيكل الإسلامی الحضاری العلمی و نبرته هذه طرقت كل اذن وزنت كل سمع تجاوزت حدود نطاق العرب وانتهت إلى اقصى العالم الإسلامی ولا نبالغ فی القول اذا نقول ان اليقظة الراهنة فی ارجاء العالم الإسلامی بحذافيره موكولة إلى جهود الامام الجبارة التی بذلها فی سبيل اعلاء كلمة الحق وتضحيات حملها - ومن حسن حظ النهضة انها من اول يوم نالت عون الدرعية وترعرعت فی احضان آل السعود ولا تزال تكسب منها عطفا ونصرا مؤزرا حكومة وشعبا ودبج يراعه كتبا عديدة رائعة ورسائل وفتاوى تدل على علمه الموفور ونظره الثاقب - منها

١ ـــــ مختصر صحيح البخاری

٢ ـــــ كتاب التوحيد - الذی هو حق الله على العبيد

٣ ـــــ كشف الشبهات

٤ ـــــ كتاب الكبائر

ومن اکبر کتب الإمام نفعا واوسعها برکة ونفوذا کتابہ الفذ کتاب التوحید الذی أثار العقول واثار الاذهان وغیر مجری التاریخ ولعب دورا هاما فی تاریخ الإصلاح والتجدید نصر فیہ السنة ودعم فیہ الطریقة السلفیة بأوضح الأدلة وابین الحجج یتلی فی العالم الإسلامی کلہ مشارقہ ومغاربہ بکل شوقہ وتقدیر

والف شرحہ فتح المجید الضافی الفضل حفیدہ الشیخ عبدالرحمن ابن حسن رحمہ اللہ - واودع فیہ درر المعانی المکنونة المبتکرة واخرجہ فی أسلوب قشیب جذاب حیث زاد اقبال الناس الیہ - فیہ من نصوص القرآن لامعة والحدیث واقوال السلف زاهرة مایضاعف الإیمان والثقة ویحطم اغلال الکفر والشرک ویهدم أصر البدعات والظنون ، بل فیہ مایشفی العلیل ویروی الغلیل ، ونور وهدایة وما تقربہ العیون وتلتذ بہ الأنفس - ومایکاد یقرأہ احد حتی تزیل عنہ زیوف الفکر وتتطرق إلی خلدہ انواء وهاجة واراء صافیة مبرأة من کل لوث لاغبش فیها ولا غبار -

وفی نهایة المطاف ننقل کلمات عن ترجمة فتح المجید شرح کتاب التوحید

المذكور آنفا ۔ قد حاول فضيلة الأستاذ الشيخ عطاء الله ثاقب " رئيس أنصار السنة المحمدية " بباكستان ترجمه من العربية إلى الأردوية وسماها : " هداية المستفيد " والترجمة سهلة عذبة ، دالة على قدرة المترجم على اللغتين أعني العربية والأردوية على السواء ، ولا نتعدى حدود الصدق إذا نهنئه على ذالك فإنه موفق مأجور : ونسئل الله العلي القدير أن يوفقه لمزيد ۔

محمد حنيف الأزدي

نائب مدير المؤسسة الثقافية الإسلامية

بلاهور - باكستان ،

سماحة العلامة فضيلة الشيخ عبدالغفار حسن

المدرس بجامعة الاسلامية - مدينة طيبة

بسم الله الرحمٰن الرحيم

ان الشيخ عطاء الله ثاقب قد بذل جهده فى نقل الكتاب ، فتح المجيد شرح كتاب التوحيد من العربية إلى الاُردية - لاشك ان هذا السعى سعى مشكور وعمل مبرور -

وقد درست بعض الابحاث المهمّة وقارنت بين اصل الكتاب وبين ترجمته فوجدت انه قد اصاب فى نقل مطالب الكتاب إلى الاردية بعبارة سهلة واسلوب مناسب -

• فهذه الترجمة جديرة بان توزع على الناطقين باللغة الأردية كى تستقيم عقيدتهم وتنشرح صدورهم بنور الايمان -

واخيرا ادعوا الله تعالى ان يرزق هذه الترجمة القبول لدى الناس كما رزق اصل الكتاب القبول -

والسلام

عبدالغفار حسن

المدرس بالجامعة الاسلامية

المدينة الطيبة

فضیلة الشیخ عطاء الله حنیف الفوجیانی

رئیس التحریر لمجلة الأسبوعیة "الاعتصام" لاهور

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی - اما بعد

فما لا شك فیه ان فتنة الشرك بالله تعالیٰ وعبادة القبور واتخاذها اوثانا وعبادتها من دون الله قد عمت وشاعت فی کثیر ممن یدعی الإسلام - ووالله ماهم بمسلمین حقا. ومما لا مریة فیه ان الترجمة الاردیة لکتاب التوحید الذی هو حق الله علی العبید قد انتفع بها آلاف ملایین من العامة والخاصة من أبناء القارة الهندیة -

ولقد سررت کثیرا حینما علمت ان اخانا الفاضل الشاب الشیخ عطاء الله ثاقب رئیس أنصار السنة المحمدیة بلاهور الباکستان قد قام بترجمة اجل الشروح علیه وهو الکتاب البارع النافع فتح المجید شرح کتاب التوحید للعلامة الشیخ عبدالرحمن بن حسن آل الشیخ رحمه الله إلی الاردیة وقد قمت بمراجعة بعض الفصول من هذه الترجمة، فوجدت ان الأخ المترجم قد وفق فی نقل الأصل إلی الاردیة بأسلوب سهل بسیط،

وانی اوافق ما کتبه فضیلة الشیخ عبدالغفار حسن الأستاذ بالجامعة الاسلامیة بالمدینة الطیبة من ضرورة طبع هذه الترجمة وتوزیعها فی انحاء العالم الاسلامی لیعم بها النفع ویهدی الله بها کثیرا إلی التوحید الخالص - وتجتث جذور الشرك

والبدعة -

والله اسأل ان يتقبله كما تقبل اصل الكتاب وشرحه - انه سميع مجيب

وانا العاجز الفقير

محمد عطاء الله حنيف الفوجياني

المدير العام للمكتبة السلفية، بلاهور

ورئيس التحرير لجريدة الاسبوعية "الاعتصام" بلاهور

ورئيس جمعية اهل الحديث بمنطقة لاهور - الباكستان

نزيل حالا بمكة المكرمة - ٢٤ ذوالقعدة سنة ١٣٩٢ هـ

تقریظ

مولانا محمد اسحٰق صاحب بھٹی

ادارۂ ثقافت اسلامیہ - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ عالم فکر و عمل کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ انھوں نے سرزمینِ نجد میں اس وقت علمِ توحید بلند کیا جب کہ نہ صرف عالمِ عرب مختلف قسم کی بدعات اور خلافِ شرع رسوم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، بلکہ پوری دنیا کے مسلمان اسلام کی صاف ستھری اور واضح تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے۔ ان کی تبلیغی مساعی کی رفتار اس درجہ تیز اور زود اثر تھی کہ اس نے بہت جلد مستقل جہاد کی صورت اختیار کر لی، جس نے کفر و شرک کے ایوانوں میں لرزہ بپا کر دیا۔ انھوں نے خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو جگایا، جو جاگ رہے تھے، ان کو جھنجھوڑا اور ان میں کتاب و سنت کی اطاعت، عمل بالحدیث اور اتباعِ توحید کی نئی روح پھونکی۔ غیر شرعی طاقتوں پر ان کا حملہ اس قدر زوردار اور مؤثر تھا کہ جو سامنے آیا اس نے منہ کی کھائی۔ وہ ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھے۔ علم و فضل کی نعمت سے پوری طرح بہرہ ور، قلم اور تلوار کے دھنی، قوتِ گویائی اور زورِ بیان میں بے نظیر، دلائل و براہین کے پیش کرنے میں عدیم المثال، کلمۂ حق کہنے میں جری مصلحِ وقت اور مجددِ دعوتِ سلامیہ تھے۔ علاوہ ازیں اشاعتِ اسلام کے لیے جس جرأت و دلیری، جوش و جذبہ اور قلبی و فکری بے داری کی ضرورت ہے اس سے مالا مال تھے اور حالات و واقعات کی رفتار سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہ تمام اوصاف ان کی ذات میں اللہ تعالےٰ نے اس انداز اور مقدار میں ودیعت کر دیے تھے

کہ وُہ بڑی سے بڑی غیر دینی طاقت سے ٹکر لینے اور خلافِ شرع رسُوم و عوائد سے برسرِ پیکار رہنے کے لیے اپنے آپ کو ہر آن آمادہ و تیار پاتے تھے۔

اُنھوں نے نجد و حجاز کے تپتے ہُوئے صحراؤں اور وسیع و عریض علاقوں کو جو اپنی تگ و دو کا مرکز ٹھہرایا تو اس کا مقصد فقط لتکون کلمة الله هی العلیا کی تکمیل تھا۔ ان کی زندگی کا مقصدِ وحید یہی تھا۔ ان کے پیشِ نظر نہ مال و دولت جمع کرنا تھا اور نہ دنیوی جاہ و جلال کا حصول ان کے سامنے تھا۔ ان کا مطمحِ نظر توحید کی نشر و اشاعت، اللہ اور اس کے رسُول ﷺ کے احکام کی ترویج اور دینِ حق کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنا تھا، اس کے لیے اُنھوں نے اپنی مساعی وقف کر دیں لوگوں کو اسلام کا بھُولا ہُوا سبق یاد دلایا اور اس میں وُہ بفضلہٖ کامیاب رہے۔

ان کی صدائے حق پر سعودی خاندان میں جس نے سب سے پہلے لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پھیلانے کا عہد کیا وہ موجودہ سعودی سلطنت کے ایک بزرگ امیر محمدؒ بن سعود تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپ نے باقاعدہ شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہابؒ کے حلقہ بیعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ امیر ممدوح نہایت نیک، بہادر، اُونچے درجے کے منتظم اور امورِ سیاسیہ کے نبض شناس تھے۔ دُور اندیشی، صالحیت، جرأت و دلیری، ذاتی وجاہت اور معاملہ فہمی میں اپنا کوئی حریف نہ رکھتے تھے۔ آپ نے دُشمن اور طاقتور حریفوں کا نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ عددی اعتبار سے قلت میں ہونے کے باوجود مضبوط اکثریت پر فتح پائی اور دُنیا نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے اس فرمان کی صداقت کا نظارہ دیکھا۔

کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله

امیر ممدوح کو اتباعِ حق کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ کئی قسم کی تکالیف سے دوچار ہُوئے، لیکن اس مردِ حق نے اپنے عہد پر قائم رہنے کا صحیح عزم کر رکھا تھا، اس لیے اس کے پائے استقلال میں کوئی جنبش آنا تھی نہ آئی۔ نہ اس کو کوئی دنیوی لالچ اپنی جگہ سے ہٹا سکا اور نہ کوئی تکلیف اس کے ارادے کو متزلزل کر سکی۔ اُنھوں نے شیخ سے جو پیماں باندھا اس پر نہ صرف وُہ ذاتی طور پر قائم رہے، بلکہ آج تک خاندانِ سعود اور آلِ شیخ اس پر

پُوری طرح عمل پیرا ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سعودی حکومت اسلام کی مستحکم بنیادوں پر استوار ہے اور لیل و نہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود اس میں شرائع اسلامی کی تنفیذ کا جذبہ اَب بھی اسی طرح موجزن ہے، جس طرح کہ پہلے تھا اور مستقبل سے روشنی کی لہریں اُٹھتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ دُعا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کو ہر اعتبار سے استحکام بخشے، نصرتِ الٰہی ہمیشہ اس کے شاملِ حال رہے اور سطحِ ارض پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کے احکام و اوامر کی ترویج و تنفیذ کے لیے یہ ابدالآباد تک مثالی مملکت کی حیثیت سے قائم رہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ زرخیز اور ہمہ گیر ذہن و فکر کے مالک تھے شرک کی سرحدوں تک پہنچتی ہوئی بدعات کی اس یلغار کے مقابلے میں جہاں وُہ توحید کے بُہت بڑے مبلغ اور پرجوش مجاہد فی سبیل اللہ تھے ، وہاں متعدد بُلند پایہ کتابوں کے مصنّف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں جس کتاب نے خصوصیّت کے ساتھ اپنی اثر انگیزیوں کے لحاظ سے بہت زیادہ شہرت حاصل کی ، وُہ کتاب التوحید ہے۔ اس کی مقبولیّت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اَب تک اس کی کئی شرحیں معرضِ تسوید میں آچکی ہیں، جن میں ایک شرح ان کے پوتے امام الموحدین الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن متوفی ۱۲۵۸ھ) نے فتح المجید کے نام سے لکھی۔ یہ شرح بڑی مفصّل اور جامع ہے۔ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اُردُو ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کی یہ دِلی خواہش تھی کہ اس کو اُردُو میں منتقل کیا جاتے۔ ہمارے معزز دوست مولانا عطاء اللہ ثاقب رئیس انصار السنۃ المحمدیہ پاکستان اہلِ شوق کے شکریّہ کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے حسن و خوبی سے یہ علمی خدمت انجام دی اور اس کتاب کو اُردُو کے قالب میں ڈھال کر اُردُو دان طبقے کو اس سے مستفید ہونے کا سامان فراہم کیا۔

جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیرا۔

مجھے اس ترجمہ کو اوّل سے آخر تک دیکھنے کا موقع ملا ہے اور میں نے اس کے ایک ایک لفظ کو بڑے غور سے پڑھا اور اس کا کتاب سے مقابلہ کیا ہے۔ ترجمہ اصل کتاب کے مطابق ، رواں دواں اور شستہ ہے۔ یہ ترجمہ اسلامی لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافے کی حیثیّت رکھتا ہے۔ توقع رکھنی چاہیے کہ اُردُو دان حضرات اس کو اپنے مطالعہ میں لائیں گے اور کتاب کے مضامین و مندرجات سے مستفید ہوں گے۔

مُقدّمَة

من

- ناصر السنة النبوية
- ناصر العقيدة السلفية
- قامع البدعة
- المجاهد لاعلاء كلمة الله
- الصلب في السنة
- الملازم للعبادة
- العالم الفاضل
- المحدث الفقيه
- رئيس المحققين
- العلامة الشيخ

السيّد بديع الدّين الشاه

السندی الراشدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین و لا عدوان الا علی الظّٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین و علی اٰلہ و اصحٰبہ اجمعین ـــ اما بعد!

توحید باری تعالیٰ ہی ایسا مسئلہ ہے جسے سمجھانے کے لئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوئی، جیسا کہ فرمایا:

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (النحل-۳۶)	ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسُول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اسی دعوت کو عام کرنے کے لئے کتب اور صحیفے نازل ہوئے اور سب سے آخری رسُول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری کتاب قرآن کریم نازل ہوا جس کا مقصدِ وحید بھی یہی تھا کہ دعوتِ توحید کو پھیلایا اور عام کیا جائے۔ ارشاد ہے:

ھذا بلاغ للناس ولینذروا بہ ولیعلموا انما ھو الٰہ واحد ولیذکر اولوا الالباب (ابراھیم ۵۲)	یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے اور یہ بھیجا گیا ہے اس لئے کہ ان کو اس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔

بلکہ قرآنِ کریم کی ہر آیت سے صراحۃً یا کنایۃً توحید ہی کا اثبات ہوتا ہے۔ یہی بات شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "کلمہ طیبہ" میں کہی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فصلت من لدن حکیم خبیر الا تعبدوا الا اللہ انی لکم منہ نذیر و بشیر ○ (ھود، ۱-۲)	یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں پختہ اور مفصّل ارشاد ہوئی ہیں، ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے کہ تم نہ بندگی کرو مگر صرف اللہ کی۔ مَیں اس کی طرف سے خبردار کرنے والا بھی ہوں اور بشارت دینے والا بھی۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی جو بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑا اس کا سبب بھی یہی دعوتِ توحید تھی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

كذلك ما اتى الذين من قبلهم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون ○ (الذاریات: ۵۲)

یونہی ہوتا رہا ہے ان سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انھوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون۔

انا كفينك المستهزءين ○ الذين يجعلون مع الله الها اخر فسوف يعلمون ط (الحجر: ۹۵-۹۶)

تمہاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لئے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائیگا۔

ومانقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد (البروج: ۸)

اور ان اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله ط (الحج: ۴۰)

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

وقال رجل مؤمن من ال فرعون يكتم ايمانه اتقتلون رجلا ان يقول ربي الله وقد جاءكم بالبينت من ربكم ط (المؤمن-۲۸)

اس موقع پر آل فرعون میں سے ایک مومن شخص جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا بول اٹھا، کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؛ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے آیا۔

یہی سلوک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روا رکھا گیا، ارشادِ خداوندی ہے

وقال الكفرون هذا سحر كذاب ○ اجعل الالهة الها واحدا ج ان هذا لشيء

منکرین کہنے لگے کہ یہ ساحر ہے۔ سخت جھوٹا ہے کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات

عجاب○ وانطلق الملأ منهم ان امشوا واصبروا علیٰ الھتکم ج ان ھذا لشیء یراد○ ما سمعنا بھذا فی الملۃ الاٰخرۃ ان ھذا الا اختلاق○ (ص، ۴،۵،۶،۷)
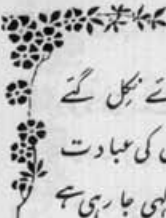
ہے اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر، یہ بات تو کسی اور غرض سے کہی جا رہی ہے یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملّت میں کسی سے نہیں سنی۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات"

رسول اللہ ﷺ کو مخالفین کی طرف سے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذًی کثیرا ط (آل عمران ۱۸۶)

مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے،

متعدد مقامات پر لڑائیاں ہوئیں، کم وبیش نو برس کے عرصہ میں چوبیس لڑائیوں میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے۔ بدر، احد، حنین اور تبوک وغیرہ معرکے توحید الٰہی کے قیام کے لئے ہوئے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ (الانفال، ۳۹)

اے ایمان لانے والو! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔

مکی دَور میں مشرکین کی طرف سے آنحضرت کو کئی قسم کی اذیتیں برداشت کرنا پڑیں۔ مثلاً بدزبانی، استہزاء، مارپیٹ اور ترکِ موالات، پھر شعب ابی طالب میں قید کے دن گزارنا۔ آخر مجبور ہو کر ہجرت کرنا پڑی اور مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا:

واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ

بخدا تو اللہ کی بہترین سرزمین ہے اور اللہ کی ہر سُو پھیلی ہوئی تمام زمین میں سے اس کی محبوب ترین

ولولا انی اخرجت منك ما خرجت (ترمذی ابن ماجہ)	زمین ہے اگر مجھے تجھ سے نکال نہ دیا جاتا تو میں بالکل نہ نکلتا۔

ان سب تکلیفوں کی محرکِ اوّل دعوت توحید تھی اور جب کبھی آپؐ نے کوئی مبلغ بھیجا تو اس کو بھی اسی مسئلہ کی طرف دعوت دینے کے لئے حکم فرمایا، چنانچہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت ارشاد فرماتے ہیں :

اول ما تدعوھم الیہ ان یوحدوا اللہ (بخاری)	تم ان کو سب سے پہلی دعوت یہ دو کہ وہ اللہ کی توحید کا اقرار کریں۔

کیونکہ تمام اعمال کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد یہی ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :

ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخسرین ○ (الزمر - ۶۵)	تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاءؑ کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہوگے

بلکہ توحید ہی سے عمل صالح کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک اللہ پر ایمان رکھنے سے دوسروں کا خوف دِل سے نکل جاتا ہے اور جن سے امیدیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ دو وجہیں رجا، خوف، عمل صالح کے لئے دل میں رغبت اور میلان پیدا کرتی ہیں اور جو لوگ اللہ تعالٰے کو صحیح طور پر نہیں جانتے جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اپنی شان بیان فرمائی ہے، وہ دراصل اللہ تعالٰے اور اس کے غیر میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کو مددگار یا مشکل کشا جاننے والے، یا ان کے توسل سے نجات یا حاجت روائی یا امراض سے شفا حاصل کرنے کا عقیدہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے بناوٹی معبودوں یا وسیلوں کا خیال رہتا ہے وہ ان ہی کی بددعا سے ڈرتے اور ان کی سفارش کے اُمیدوار رہتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لئے گناہوں اور برائیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور ان کے پاؤں راہِ حق سے پھسلتے رہتے ہیں۔ توحید ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی

بدولت ایک مومن نیکی، عملِ صالح، اخلاقِ حسنہ، ایمان داری اور راست بازی پر قائم رہ سکتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا (البقرۃ-۲۵۶)	اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔
ومن یسلم وجھہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ (لقمان-۲۲)	جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردے اور عملاً وہ نیک ہو۔ اس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا۔

بلکہ اسی توحید سے انسانیت کا نظام برقرار رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

امر الا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۰ (یوسف-۴۰)	اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیٹھ سیدھا طریقِ زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

اور اسی سے اُمت کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رہتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ (الشوریٰ-۱۳)	اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جسے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے

توحید ہی کی بدولت آپس میں بگڑے ہوئے دِل ملیں گے، بغض، حسد اور کینہ سے صاف ہوں گے جیسا کہ فرمایا:

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ	تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے

فی ابراھیم والذین معه اذ قالوا لقومهم انا برءآؤ منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء ابدا حتى تؤمنوا بالله وحده (ممتحنہ-۴)

ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا۔ ہم تم سے اور تمہارے اِن معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔
ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بَیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

توحید کی طرف دعوت دینا رسول اللہ ﷺ کے متبعین کا شیوہ ہے جو کہ دعوت و تبلیغ میں ان کے سچے جانشین ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني وسبحان الله وما انا من المشركين ○
(یوسف-۱۰۸)

آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

توحید کی حقانیت جب لوگوں کے دلوں میں بیٹھنے لگی تو ہر آنے والی مصیبت ان کے لئے سہل ہونے لگی۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا گرم پتھروں اور کوئلوں پر احد احد پکارنا، خبیب جہنی رضی اللہ عنہ کا شہادت سے قبل دو رکعت پڑھنے کی اجازت طلب کرنا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بوقت وفات شہادت کی حسرت میں رونا، حالانکہ ان کے جسم کا ہر حصّہ اللہ کی راہ میں دشمن کے وار کا نشانہ بن چکا تھا۔ اسی طرح غزوہ تبوک میں مالی و معاشی مشکلات پر صبر و استقامت سے رہنا۔ نیز صحابیات کا اپنے بیٹوں کی شہادت پر صبر کرنا بلکہ خوش ہونا اور اس قسم کے بے شمار واقعات جو تاریخِ اسلام کے شاہ کار ہیں سب اس حقیقت پر دلالت کناں ہیں کہ وہ توحید کو دل کی گہرائیوں سے جان چکے تھے اور اس کی عاقبت محمودہ پر ایمان رکھتے تھے۔ یہی وہ حلاوۃ الایمان ہے جس کا ذکر صحیحین کی روایات میں موجود ہے کہ وہی شخص ایمان کی لذت کو پا سکتا ہے جو تین صفات کا حامل ہو ان

میں سے ایک صفت یہ ہے :

وَيَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ	جب اللہ نے اس کو کفر کی حالت سے نکال دیا تو وہ اس میں دوبارہ جانے کو اسی طرح برا سمجھے جس طرح کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے ۔

زمانہ نبوت کے بعد خلفائے راشدین کے دَور میں بھی یہی حال رہا کہ توحید کو زبان، قلم اور تلوار سے دُور دُور تک پھیلایا ۔ مشرکین کی کئی ریاستیں فتح کیں اور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑ کر توحید الٰہی کو چمکایا ۔ اس وقت سے لے کر آج تک علمائے حق کا یہی طریقہ رہا ہے ۔

لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین)	میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہیگا جو انہیں ذلیل کرتے ہیں اور ان کی مخالفت کے درپے ہیں وہ انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے ۔ یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے فیصلہ کن وقت آجائے اور وہ اس پر قائم ہوں گے ۔

جہاں کہیں توحید کے دشمنوں نے سَر اٹھایا تو سینہ سپر ہو کر اس کا مقابلہ کیا توحید کے ایک ایک جز کی نگہداشت اور حفاظت کی ۔

فتنہ خلق قرآن توحید پر ایک زبردست وار تھا ۔ اُس وقت اس مسئلہ کو ایسا مشکل بنا کر پیش کیا گیا کہ کم علم والا اس کو سمجھ نہ سکے ، ان کا خلاصہ استدلال یہ تھا :

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ	اللہ ہر چیز کا خالق ہے ۔

(الزمر - ۶۲)

قرآن کی اس آیت کے بعد وہ یہ کہتے ہیں :

وَالْقُرْاٰنُ شَيْءٌ مِّنَ الْاَشْيَاءِ	قرآن باقی اشیاء میں سے ایک شے ہے ۔

پس ثابت ہوا کہ قرآن بھی مخلوق ہے (معاذ اللہ)

اس استدلال میں ایسی گہری تلبیس ہے جس کو معلوم کرنا ہر شخص کا کام نہیں اور کئی کم فہم لوگ اس کا شکار ہو گئے ۔ ان لوگوں نے اپنے مذعومہ دلائل کو فلسفہ یونان کا رنگ چڑھا کر مزید الجھا دیا ۔ کہنے لگے ، کلامُ اللہ کی صفت ہے اور صفت قائم بالموصوف

ہوتی ہے لہٰذا یہ صفت اللہ سے کیسے الگ ہو سکتی ہے اور جس کا نزول ہوا ہے وہ تو حروف ہیں جو بٹ کر معدوم ہو سکتے ہیں۔

وَمَا ثَبَتَ قِدَمُهُ اِسْتَحَالَ عَدَمُهُ — جس کا قدیم ہونا ثابت ہے، اس کا معدوم ہونا محال ہے۔

ان کی یہی بحث آج تک چلی آرہی ہے۔

کچھ دن ہوئے ایک مولوی صاحب نے جن کا تعلق اہل الرائے سے تھا۔ میرے ساتھ بحث کرتے ہوئے یہی دلیل پیش کی۔

علامہ ابن عابدین الشامی المتوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار حاشیہ الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۲۲ طبع دوم میں لکھتے ہیں:

اَنَّ غَيْرَ الْمَخْلُوْقِ هُوَ الْقُرْاٰنُ يَعْنِيْ كَلَامُ اللّٰهِ الصِّفَةُ النَّفْسِيَّةُ الْقَائِمَةُ بِهٖ تَعَالٰى لَا بِمَعْنَى الْحُرُوْفِ الْمَعْنَى الْمُنَزَّلَةِ — یقیناً قرآن ہی غیر مخلوق ہے۔ یعنی اللہ کی کلام جو کہ نفسانی صفت ہے۔ اس کے ساتھ استوار ہے معنی حروف میں نہیں۔ معنی منزلہ میں۔

قرون اولیٰ جو کہ مشہود لہم بالخیر ہے، کے لوگوں کا عقیدہ تھا جو امام سفیان ابن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ اَدْرَكْتُ النَّاسَ مُنْذُ سَبْعِيْنَ سَنَةً اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَمَنْ دُوْنَهُمْ يَقُوْلُوْنَ: اَللّٰهُ خَالِقٌ وَمَا سِوَاهُ مَخْلُوْقٌ اِلَّا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ مِنْهُ خَرَجَ وَاِلَيْهِ يَعُوْدُ — عمرو بن دینار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ستر سال سے لوگوں کو پایا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور ان کے علاوہ بھی یہی کہتے تھے، اللہ خالق ہے اور جو اس کے سوا ہے وہ مخلوق ہے۔ مگر قرآن مخلوق نہیں، وہ اللہ کا کلام ہے جو اسی سے نکلا ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔

(ذکرہ الذہبی فی کتاب العلو للعلی الغفار ص۱۱۵ طبع ثانیہ)

پس جس طرح اللہ کی ذات بے مثل ہے اور ہم اس پر بلا تکییف و تمثیل ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اس کی صفات سب بے مثل ہیں اور ان پر بھی بغیر کسی بحث عن الکیفیت والشبہہ کے ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح قرارت اور مقروء، تلاوت اور متلو میں فرق کرتے

ہیں ۔

اَلْفِعْلُ فِعْلُ الْقَارِیْ وَالْکَلَامُ کَلَامُ الْبَارِیْ فعل قاری کا فعل ہے اور کلام اللہ کا کلام ہے۔

اس فتنے کو روکنے کے لئے ائمہ دین میدان میں آئے چنانچہ عبد العزیز الکنانی رحمہ اللہ مع اپنے فرزند ارجمند کے سر پر کفن باندھ کر خلیفہ مامون الرشید کے دربار میں بشر مریسی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مناظرہ کے لئے بغداد جاتے ہیں اور مناظرہ شروع ہوتا ہے بالآخر بشر مریسی تنگ آکر کہتا ہے کہ عبد العزیز بار بار نصوص (آیات واحادیث) کو استدلال میں لاتا ہے اور مجھ سے بھی نص کا مطالبہ کرتا ہے اگر وہ قیاس ونظر کی رو سے بحث کرے تو ابھی وہ خلق قرآن کا قائل ہو جائے گا۔ بصورتِ دیگر میرا سر قلم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو مامون الرشید پر کہ اس نے بشر کو خطاب کر کے کہا :

تَقُوْلُ لِرَجُلٍ تُنَاظِرُ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ دَعْھُمَا وَتَعُجُّ اِلَی النَّظَرِ وَالْقِیَاسِ هٰذَا مَالَا یَجُوْزُ۔ تم ایسے شخص سے جو کتاب وسُنّت کی روشنی میں مناظرہ کرتا ہے کہتے ہو کہ ان کو چھوڑ دو، اور نظر وقیاس کے فقط نظر سے بات کرو، یہ بات صحیح نہیں ہے۔

(حاشیہ ۔ کتاب الحیدہ ص۱۲۵)

آخر میں عبد العزیز رحمہ اللہ نے قیاس ونظر کی روشنی میں گفتگو کی پھر بھی بموجب وعدہ الٰہی۔

وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے

(ابراھیم ۔ ۲۷)

مخالف کو زبردست شکست ہوئی۔

اسی طرح نعیم بن حماد رحمہ اللہ اور اس کے ساتھی قید خانے میں مار کھا کھا کر جاں بحق ہوئے اور ظالموں نے غسل وکفن اور جنازہ کے بغیر ان کو گڑھے میں ڈال کر دفن کر دیا۔

امام اہل السنۃ ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ کا جہاد اور قید وبند کی زندگی کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے کبھی کوڑے لگ رہے ہیں اور کبھی طمع اور لالچ دلائی جاتی ہے امام موصوف کی زبان پر یہی مطالبہ جاری ہے۔

أَعْطُونِي شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی أَقُولَ بِهٖ۔

تم میرے سامنے کتاب اللہ یا سُنّت رسُول اللہ سے کوئی چیز پیش کرو تاکہ میں بھی اسی کے مطابق جواب دوں۔

(مناقب امام احمد بن حنبل لابن جوزی صفحہ ۳۲۲)

اس اثنا میں کئی لوگ مارے گئے، جیل میں ٹھونسے گئے، سزائیں دی گئیں لیکن:

فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ

(آل عمران-۱۴۶)

اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دِل شکستہ نہیں ہوتے۔ انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوتے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔

اسی طرح دیگر صفاتِ الٰہیہ کا انکار پھر تشبیہ اور تاویل، ان سب کا مقابلہ اُمّت کے فحول ائمہ وعلماء نے کیا پھر اصنام تصاویر، قبروں اور مزاروں کی پوجا پاٹ اور ان پر نذر ونیاز اور عرس و میلے، غیر اللہ (یعنی انبیاء، صلحاء اور اولیاء) کو پکارنا، ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، ان کو دعا و مغفرت اور حاجت روائی کے لئے وسیلہ یا واسطہ بنانا، غرض کئی قسم کے شرک تھے، جن کی اہلِ علم نے تردید کی اور ان کو مٹانے کی کوشش کی، اس میں جان و مال خرچ کیے، کتابیں تصنیف کیں۔

امام سید جعفر الصادق بن محمد بن الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین الشہید بن علی بن ابی طالب سے کتاب التوحید المسمٰی بہ الادلۃ علی الحکمۃ والتدبیر والرد علی القائلین بالاہمال ومنکری العمل مروی ہے۔

صحیح بخاری میں جو کہ قرآن کریم کے بعد سب سے اوّلین صحیح ترین کتاب ہے امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے کتاب کے آخر میں مستقل عنوان کتاب التوحید والرد علی الجہمیہ وغیرہم ذکر فرمایا ہے جس میں کئی مسائل توحید مختلف ابواب کے تحت بیان کیے ہیں جن میں سے چند ایک درج ہیں:

باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ امتہ الی توحید اللہ تبارکت اسمائہ وتعالیٰ

باب قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ

باب قول اللہ عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا و ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔

باب السوال باسماء اللہ تعالیٰ والاستعاذۃ بہا۔

باب قول اللہ تعالیٰ کل شیء ہالک الا وجہہ

باب کان عرشہ علی الماء وہو رب العرش العظیم

باب قول اللہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ

باب قول اللہ تعالیٰ ان اللہ یمسک السموٰت والارض ان تزولا۔

باب ماجاء فی تخلیق السموٰت والارض وغیرہا من الخلائق وہو فعل الرب وامرہ فالرب بصفاتہ وفعلہ وامرہ وکلامہ ہو الخالق الکون غیر مخلوق وما کان بفعلہ وامرہ وتخلیقہ وتکوینہ فہو مفعول مخلوق مکون،

باب قول اللہ تعالیٰ قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربہ

باب المشیۃ والارادۃ

باب قولہ ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ حتیٰ اذا فزع عن قلوبہم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق وہو العلی الکبیر، ولم یقل ماذا خلق ربکم وقال من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ،

باب قولہ انزلہ بعلمہ والملٰئکۃ یشہدون،

باب قول اللہ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما،

باب ذکر اللہ بالامر وذکر العباد بالدعا والتضرع والرسالۃ والابلاغ،

باب قول اللہ فلا تجعلوا للہ اندادا،

باب قول اللہ کل یوم ہو فی شان

باب قول اللہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون انا کل شیء خلقناہ بقدر،

باب قول اللہ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ۔

وغیرہا من الابواب، جن میں توحید کے اہم مسائل بیان کرنے کے ساتھ امام ہمام فرق باطلہ کی اجمالاً تردید کر گئے ہیں۔ اسی طرح امام موصوف نے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی

جو خلق افعال العبادؒ کے نام سے معروف ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

قال ابو عبد اللہ والقرآن کلام اللہ غیر مخلوق لقول اللہ عزوجل اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ (الاعراف-۵۴)

ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رُو سے قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے، درحقیقت تمہارا ربّ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔

فبیّن ان الخلائق والطلب والحثیث والمسخرات بامرہ ثم شرح فقال اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

پس اس سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ جو چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں اور وہ جس خدمت پر مامور ہیں وہ سب اللہ کے حکم سے ہیں، پھر تشریح کی اور فرمایا، الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العلمین،

ایک مقام پر لکھتے ہیں :

باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستعیذ بکلمات اللہ لا بکلام غیرہ ولا بکلام الجن والانس والملٰئکۃ وفی ھذا دلیل ان کلام اللہ غیر مخلوق وما سواہ خلق ۔اھ

باب اس حقیقت کے بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے کلموں کے ساتھ پناہ مانگتے تھے نہ کہ کسی دوسرے کی کلام سے۔ نعیم کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نہ مخلوق سے پناہ طلب کرتے تھے نہ جنّ اور انسان کے کلام سے نہ فرشتوں سے یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ مخلوق ہے۔

اس طرح دوسرے آئمہ دین نے بھی اپنی اپنی تصنیفات میں توحید کو واضح فرمایا، امام الائمہ قدوۃ اہل السنۃ داعی الی الحق، قامع البدعۃ، الصابر فی المحنۃ، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المتوفی ۲۴۱ھ کی کتاب السنۃ اور کتاب الرد علی الجہمیۃ اکثر کتابوں کی ماخذ و منبع ہیں اور آپ ہی کی زبانی و قلمی محنت و جہاد سے عقیدہ اہل الحق اجاگر ہوا

اور حق و باطل میں تمیز ہوئی۔

امام اہل الحدیث علی بن المدینی شیخ البخاری کا قول مشہور ہے۔

ان اللہ عزوجل اعزّ الدین برجلین لیس لھما ثالث ابوبکر الصدیق یوم الردۃ واحمد بن حنبل یوم المحنۃ۔

اللہ عزوجل نے دو آدمیوں سے دین کو عزت بخشی، اس میں کوئی تیسرا شامل نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جنگ یمامہ کے دن جو اہل ردہ سے لڑی گئی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ان کے امتحان و آزمائش کے موقع پر جو خلق قرآن کے سلسلہ میں ہوا۔

امام اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لولا احمد بن حنبل وبذل نفسہ لما بذلھا لہ لذھب الاسلام۔

اگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نہ ہوتے اور اپنے آپ کو میدان میں نہ لے آتے جس طرح کہ لے آئے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔

مناقب احمد لابن جوزی صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۶

بلکہ امام موصوف کے ساتھ محبت و بغض ہی اہل السنۃ و اہل البدعۃ میں پہچان کا اصل پیمانہ ہے۔

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اذا رأیتم الرجل یحب احمد بن حنبل فاعلم انہ صاحب سنۃ

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے محبت رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ سُنّت کا شیدائی ہے۔

ابوجعفر الفلاس رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اذا رأیت الرجل یقع فی احمد بن حنبل فانہ مبتدع ضال

جب تو دیکھے کہ کوئی شخص امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر تنقید کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔

(تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل صفحہ ۳۰۸)

آپ کے بعد متعدد علمائے دین نے کتابیں تالیف فرمائیں آپ کے صاحبزادہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ المتوفی سنہ ۲۹۰ھ نے کتاب السنۃ لکھی جس میں اپنے والد بزرگوار کے علاوہ متقدمین و متاخرین ائمہ کے اقوال جمع کیے ہیں اور آیات، احادیث اور آثار سے توحید کے مسائل بیان کیے

ہیں۔ مشرکین اور اہل بدعت کی خوب تردید فرمائی ہے۔

نیز آپ کی دوسری کتاب الرّد علے الجھمیہ بھی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ نے کتاب القدر لکھی،

امام محمد بن نصر المروزی المتوفی ۲۹۴ھ نے کتاب السنۃ تصنیف فرمائی۔

امام ابوبکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی شیخ البخاری المتوفی ۲۱۹ھ نے رسالہ اصول السنۃ لکھا۔

امام عثمان بن سعید الدارمی المتوفی ۲۸۰ھ نے کتاب الرد علی الجھمیہ لکھی، مقدمہ میں صفاتِ الٰہیہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَهٰذَا الرَّبُّ نُؤْمِنُ بِهٖ وَاِيَّاهُ نَعْبُدُ وَلَهٗ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ فَمَنْ قَصَدَ بِعِبَادَتِهٖ اِلَى اللّٰهِ بِخِلَافِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فَاِنَّمَا يَعْبُدُ غَيْرَ اللّٰهِ وَلَيْسَ مَعْبُوْدُهٗ بِاِلٰهٍ كُفْرَانُهٗ لَا غُفْرَانَهٗ۔ اھ	پس یہی وہ پروردگار ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کے لیے نماز پڑھتے اور اسی کے حضور سربسجود ہو جاتے ہیں، جو شخص اس کے علاوہ کسی ایسی ہستی کی عبادت کرے جو ان صفات سے محروم ہو تو وہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کا معبود، اللہ نہیں ہے۔ وہ شخص کافر ہوا اس کی بخشش نہیں ہوگی۔

ان کی دوسری کتاب "الرد علی بشر المریسی" ہے یہ دونوں کتابیں ابواب وعناوین پر مشتمل ہیں۔

امام ابوبکر بن ابی عاصم احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی الاصبہانی المتوفی ۲۸۷ھ نے کتاب السنۃ ابواب وتراجم کی ترتیب سے جمع کی۔

امام المفسرین ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ نے کتاب السنۃ والرد علے الاھواء تصنیف فرمائی۔

امام ابوبکر ابن الاثرم احمد بن محمد بن ہانی الطائی الاسکافی المتوفی ۲۶۰ھ نے کتاب السنۃ لکھی۔

امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ محمد بن اسحاق السلمی النیسابوری المتوفی ۳۱۱ھ نے کتاب التوحید

مشتمل برابواب جمع کی، اوران میں آیات و احادیث کو جمع کیا اور اہلِ بدعت کی تفصیل سے تردید کی، ایک ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:

باب ذکر الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما اراد بالکبائر[1] فی ھذا الموضع ما ھو دون الشرک من الذنوب ۔ الخ

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

باب ذکر البیان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشفع للشاھد للہ بالتوحید الموحد للہ بلسانہ اذا کان مخلصًا مصدقًا بذلک بقلبہ لا لمن یکون شھادتہ بذلک منفردۃ عن تصدیق القلب ۔ الخ	باب اس تذکرہ کے سلسلہ میں کہ رسول اللہ ﷺ اس شخص کی شفاعت فرمائیں گے جو اخلاص کے ساتھ اور دل کی تصدیق کے ساتھ اللہ کی توحید کی شہادت دیتا اور زبان سے اللہ کو ایک قرار دیتا ہے۔ لیکن اس شخص کی شفاعت نہیں کریں گے جس کی شہادت تصدیق قلب سے خالی ہو۔

امام موصوف نے ایک اور چھوٹی سی کتاب تصنیف کی وہ بھی کتاب التوحید کے نام سے موسوم ہے۔ اس کتاب کے بارے میں مقدمہ میں لکھتے ہیں

لا یدرک طالب السنۃ والجماعۃ ھذا المذھب[2] الواحد حتی یتعلم ھذا الکتاب ویحفظہ حفظًا ۔ الخ	سنت و جماعت کا طلب گار اس وقت تک اس واحد و منفرد مذہب کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کتاب کا علم حاصل نہ کرلے اور اس کو ذہنی و فکری طور پر اچھی طرح حفظ نہ کرلے۔

اس کتاب میں خاص خاص عنوان یہ ہیں:

باب تفسیر التوحید

باب تفسیر الدین

---

[1] یعنی حدیث الشفاعۃ لاہل الکبائر۔

[2] یعنی فرقہ ناجیہ کا مذہب جو تہتر فرقوں میں سے ایک ہے۔

باب تفسیر الایمان

باب تفسیر الاسلام

باب تفسیر السنة والجماعة

باب تفسیر البدعة

باب تفسیر القدر

باب تفسیر الارجاء

باب تفسیر الاعتزال وصفة المعتزلة

باب تفسیر الرفض وصفة الروافض

باب تفسیر الجہم

باب تفسیر الزندقة

باب تفسیر المعرفة

باب اصل التوکل

باب اصل الشک

باب تفسیر العمل وصفة العاملین

باب تفسیر الذکر

باب اصل المعصیة

باب تفسیر الکفر

باب تفسیر النفاق

باب اصل الفسق

باب تفسیر التقوی

باب تفسیر الریاء

باب تفسیر الہواء۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے کتاب السنة تصنیف کی۔

امام ابوبکر ابن ابی شیبہ عبداللہ بن محمد بن ابراہیم العبسی والواسطی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ نے کتاب الایمان لکھی جس میں احادیث و آثار مع اسانید کے مروی ہیں۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام البغدادی المتوفی ۲۲۴ھ نے کتاب الایمان ومعالمہ وسننہ واستکمالہ ودرجاتہ مرتب کی جس کو احادیث و آثار کے علاوہ اپنے فاضلانہ کلام و تحقیق انیق سے مزین کیا۔

امام ابوحاتم بن محمد بن ادریس الرازی الحنظلی المتوفی ۲۷۷ھ نے بھی اس پر کتاب لکھی

امام ابوالشیخ ابومحمد بن حیات عبداللہ بن جعفر الاصبہانی المتوفی ۳۶۹ھ نے کتاب العظمۃ وکتاب السنۃ وغیرہ لکھیں۔

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل بن ابی بشر الاشعری المتوفی ۳۲۴ھ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ منجملہ ان کے کتاب الابانۃ فی اصول الدیانۃ اور اختلاف المضلین اور مقالات الاسلامیین فی اختلاف المصلین مشہور ہیں۔

امام ابوبکر بن ابی داؤد عبداللہ بن سلیمان السجستانی المتوفی ۳۱۰ھ کی کتاب البعث معروف ہے۔ عقیدہ کے بارے میں ان کا ایک قصیدہ بھی اہل علم کے ہاں متداول ہے۔

امام ابن قتیبہ ابومحمد عبداللہ بن مسلم الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ کی کتاب تاویل مختلف الحدیث قابل دید ہے ان کی ایک اور کتاب الاختلاف فی اللفظ والرد علی الجہمیۃ والمشبھۃ بھی ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن عثمان بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۹۷ھ نے کتاب العرش لکھی۔

امام ابوبکر الاسمٰعیلی احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل الجرجانی المتوفی ۳۷۰ھ نے اعتقاد اہل السنۃ لکھی۔

امام ابوالحسن علی بن مہدی الطبری المتکلم المتوفی ۳۵۵ھ نے مشکلات الآیات تصنیف کی

امام ابن مندہ ابوعبداللہ بن اسحاق ابن یحییٰ العبدی الاصبہانی المتوفی ۳۹۵ھ نے کتاب الایمان ابواب کے مطابق مرتب فرمائی۔ نیز ان کی تصنیفات کتاب التوحید اور کتاب الصفات مشہور و معروف ہیں۔

امام ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب الخطابی البستی المتوفی ۳۸۸ھ نے کتاب الغنیہ عن الکلام واہلہ تصنیف فرمائی۔

امام ابو احمد العسال محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان الاصبہانی المتوفی ۳۴۹ھ نے کتاب المعرفۃ فی السنۃ، کتاب الرؤیۃ، کتاب الصفات وغیرہ تصنیف کیں۔

امام الناقدین ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ کی تصنیفات کتاب الرؤیۃ اور کتاب الصفات معروف ہیں۔

امام ابن شاہین ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان ابن احمد البغدادی المتوفی ۳۸۵ھ نے کتاب السنۃ تالیف کی۔

امام ابو بکر محمد بن الحسین بن عبداللہ البغدادی الاجری المتوفی ۳۶۰ھ نے کتاب الشریعۃ ابواب پر مرتب کی۔

امام ابو الحسین محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن الملطی المتوفی ۳۷۷ھ نے کتاب التنبیہ والرد علی اہل الاہواء والبدع لکھی۔

پانچویں صدی ہجری

امام ابن فورک ابو بکر محمد بن الحسن المتوفی ۴۰۶ھ نے ایک سو کے قریب کتابیں تحریر کیں۔ جن میں کئی توحید اور عقائد پر مشتمل ہیں۔

امام ابن الباقلانی ابو بکر محمد بن طیب الطبری المتوفی ۴۰۳ھ نے الابانۃ کے نام سے کتاب لکھی۔

امام ابو القاسم اللالکائی ہبۃ اللہ بن الحسن الطبری المتوفی ۴۱۸ھ نے شرح اعتقاد اہل السنۃ کے نام سے ایک ضخیم کتاب رقم کی۔ جس میں روایات و اقوال اسانید کے ساتھ مروی ہیں۔

امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے کتاب الاعتقاد تالیف فرمائی۔

امام ابو زکریا یحییٰ بن عمار السجستانی الواعظ المتوفی ۴۲۲ھ نے بھی اس پر ایک رسالہ لکھا۔

امام ابو عمرو الطلمنکی احمد بن محمد بن عبداللہ الاندلسی المتوفی ۴۲۹ھ کی کتاب

"الوصول الیٰ معرفۃ الاصول" مشہور و معروف ہے۔

امام ابو نصر السجزی عبید اللہ بن سعید الوائلی المتوفی ۴۴۴ھ نے کتاب الابانۃ لکھی۔

امام ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی المتوفی ۴۴۴ھ نے کتاب الارجوزۃ فی عقود الدیانۃ تحریر کی۔

امام ابو عثمان الصابونی اسماعیل بن عبد الرحمان النیسابوری المتوفی ۴۴۹ھ کا رسالہ المعروف بہ "عقیدۃ السلف و اصحاب الحدیث" قابلِ قدر ہے۔ اس رسالے میں فرماتے ہیں:

اصحاب الحدیث حفظ اللہ احیاءھم ورحم امواتھم یشھدون للہ تعالیٰ بالوحدانیۃ و للرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ والنبوۃ و یعرفون ربھم بصفاتہ التی نطق بھا وحیہ و تنزیلہ اوشھدلہ بھا رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ما وردت الاخبار الصحاح بہ ونقلتہ العدول الثقات عنہ و یثبتون لہ جل جلالہ ما اثبت لنفسہ فی کتابہ وعلی لسان رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یعتقدون تشبیھا لصفاتہ بصفات خلقہ۔

محدثین کرام اللہ ان کے علماء کی حفاظت فرمائے اور ان پر رحم کرے وہ اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی شہادت دیتے ہیں وہ اپنے رب کی ان صفات کا اقرار کرتے ہیں جو وحی و تنزیل کا منطوق ہیں یا جن کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیثِ صحیحہ میں دی جو آپ سے عدول اور ثقات راویوں کے ذریعے مروی ہیں۔ وہ اس جل جلالہٗ کے لیے ان ہی صفات کا اقرار کرتے ہیں جو اس نے خود اپنے لیے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بیان فرمائی ہیں، وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ اس کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیں۔

امام ابو بکر البیہقی احمد بن الحسین بن علی الخسروجردی المتوفی ۴۵۸ھ کی (۱) کتاب الاسماء والصفات (۲) کتاب الاعتقاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ (۳) کتاب المعتقد شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

امام ابن حزم ابو محمد علی بن احمد بن سعید الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کی معرکۃ الآرا

کتاب "کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل" اہلِ علم سے مخفی نہیں ہے۔

امام ابو یعلیٰ محمد بن الحسین بن الفراء البغدادی المتوفی ۴۵۸ھ نے کتاب "ابطال التاویل" تالیف فرمائی۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الہروی المتوفی ۴۸۱ھ نے کتاب "ذم الکلام واہلہ" اور "کتاب الصفات" تحریر کیں۔

اس صدی میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ گزرے ہیں جنہوں نے عقائد کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں، وَمَا یعلم جنود ربک الا ہُو۔

چھٹی صدی ہجری

امام ابو الحسن الکرجی المتوفی ۵۳۲ھ گزرے ہیں جنہوں نے عقائد کو ایک قصیدہ میں جمع کیا ہے جو دو سو بیت سے زیادہ ہے۔

امام سید ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح الجیلانی المتوفی ۵۶۱ھ کی کتاب "غنیۃ الطالبین" مشہور کتاب ہے، آپ نے جا بجا توحید و عقائد کے مسائل بیان کیے ہیں اور مشرکین و مبتدعین کے فاسد عقائد کا سختی سے رد کیا ہے۔

امام ابو الفرج جمال الدین ابن الجوزی عبدالرحمٰن ابن ابی الحسن علی بن محمد القرشی التیمی البکری البغدادی المتوفی ۵۹۷ھ نے کئی کتابیں تصنیف کیں مثلاً "تلبیس ابلیس" "دفع شبہۃ التشبیہ" وغیرہ۔

امام قوام السنہ ابو القاسم اسماعیل بن محمد ابن فضل القرشی التیمی الطلحی الاصبہانی المتوفی ۵۳۵ھ نے کتاب السنۃ، اور سیرت السلف تصنیف فرمائی۔

امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الطوسی الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی کتاب الجام العوام عن علم الکلام، شرح اسماء الحسنیٰ، الرد علی الباطنیۃ، الاقتصاد فی الاعتقاد وغیرہ قابل مطالعہ ہیں۔

امام محدثِ شام ابن عساکر ابو القاسم علی بن حسن ابن ہبۃ اللہ الدمشقی المتوفی ۵۷۱ھ نے کئی کتابیں لکھیں، مثلاً تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری، بیان الوہم والتخلیط فیما اخرجہ ابو داود من حدیث الاطیط، مجلس فی نفی التشبیہ، مجلس فی التنزیہ، ذم الرافضۃ

الصفات وغیرہ،

قاضی ابوالحسن بن الفرا محمد بن ابی یعلی محمد ابن الحسین البغدادی المتوفی ۵۲۶ھ نے ایضاح الدلالۃ فی الرد علی الفرق الضالۃ المضلۃ اور الرد علی زائغی الاعتقادات فی منعھم من سماع الآیات لکھیں۔

شیخ ابن الزاغوانی ابوالحسن علی بن عبیداللہ ابن سعد بن السری المتوفی ۵۲۷ھ نے کتاب الایضاح فی اصول الدین لکھی۔

شیخ ابوالحسین الکرجی محمد بن عبدالملک بن محمد ابن عمر الفقیہ المتوفی ۵۳۲ھ نے کتاب "الفصول فی اعتقاد الائمۃ الفحول" تصنیف کی۔

شرف الاسلام شیخ عبدالوہاب بن ابی الفرج عبدالواحد بن محمد الانصاری الشیرازی الدمشقی المتوفی ۵۳۶ھ نے کتاب البرہان فی اصول الدین لکھی۔

شیخ ابوالخیر رضی الدین احمد بن اسماعیل ابن یوسف الطالقانی المتوفی ۵۹۰ھ نے حلولیہ اور جہمیہ کے رد میں کتاب "البیان فی مسائل القرآن" تصنیف فرمائی۔

علامہ شیخ ابوبکر محمد بن الولید بن محمد الطرطوسی المتوفی ۵۲۰ھ نے کتاب البدع والحوادث لکھی۔

ساتویں صدی ہجری

امام موفق الدین ابن قدامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد ابن محمد المقدسی الجماعیلی المتوفی ۶۲۰ھ نے کئی کتب تصنیف کیں مثلاً:

البرہان فی مسئلۃ القرآن

الاعتقاد

مسئلۃ العلو

ذم التاویل

کتاب القدر

تحریم النظر فی کتب اہل الکلام وغیرہ

امام الضیاء المقدسی ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد السعدی الصالحی المتوفی ۶۴۳ ہجری نے

کتاب الالہٰیات لکھی۔

امام ابوشامہ المقدسی ابوالقاسم شہاب الدین عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم المتوفی ۶۶۵ھ کی کتب ضوء الساری الی معرفۃ رؤیۃ الباری اور الباعث علی انکار البدع والحوادث معروف ہیں۔

امام فخرالدین الرازی ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین القرشی الطبرسانی المتوفی ۶۰۶ھ کی کتابیں اقسام الذات' الاربعین فی اصول الدین، کتاب الملل والنحل، کتاب المعالم فی اصول الدین' قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ کمال الدین ابوالحسن علی بن محمد بن محمد ابن وضاح البغدادی الفقیہ الزاہد المتوفی ۶۷۲ھ نے کتاب الدلیل الواضح اقتضاء نہج السلف الصالح اور کتاب الرد علی اہل الالحاد لکھی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی الانصاری المفسر المتوفی ۶۷۱ھ نے شرح اسماء اللہ الحسنیٰ لکھی۔

شیخ نجم الدین ابوعبداللہ احمد بن حمدان بن شبیب بن حمد النمیری الحرانی الفقیہ المتوفی ۶۹۵ھ نے مقدمہ فی اصول الدین لکھی۔

شیخ شرف الدین ابواحمد داؤد بن عبداللہ بن کوشیار البغدادی المتوفی ۶۹۹ھ نے تحریر الدلائل لکھی۔

آٹھویں صدی ہجری

ایک طرف جہاں اندھی تقلید کی وجہ سے علم کی کمی واقع ہوتی اور نصوصِ قرآن و حدیث سے لوگ دُور چلے گئے تھے تو دوسری طرف فلسفہ یونان نے اپنا تسلط جما رکھا تھا اور قرآن و حدیث کے بجائے منطق، رائے اور قیاس کا دور دورہ تھا۔ شہر بغداد جو علم کا مخزن اور گہوارہ تھا اور اس کا کوئی کوچہ محدث اور داعی الی اللہ سے خالی نہ تھا، اسی بنا پر مدینۃ السلام کے نام سے مشہور ہوا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے یونس بن عبدالاعلیٰ سے کہا:

تو کبھی بغداد شہر میں داخل ہوا ہے؟ اس نے کہا نہیں

آپ نے فرمایا تو:

ما رأیت الدنیا — تو نے ابھی تک دنیا نہیں دیکھی ۔

(تاریخ بغداد ج اوّل صفحہ ۴)

وہاں حنفیہ و شافعیہ کے اختلافات اور جا بجا مناظروں نے تاتاریوں کے لیے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے دروازہ کھول دیا۔ اس پُر آشوب اور کٹھن دَور میں اللہ تعالٰی نے مردِ مجاہد متقی صابر امام العلماء استاذ الاساتذہ مجدد القرن شیخ الاسلام مرجع الاعلام ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن عبد اللہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ کو پیدا کیا، آپ تمام صفاتِ حسنہ سے متصف تھے حتیٰ کہ شیخ تقی الدین سبکی جو ان کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے یہ اعتراف کرتے ہیں :

جمع اللہ لہ من الورع والزھادۃ والدیانۃ ونصرۃ الحق والقیام فیہ لا لغرض سواہ وجراہ علی سنن السلف ولخذہ من ذلك بالماخذ الاوفی و غرابۃ مثلہ فی ھذا الزمان بل من ازمان	اللہ نے ان میں ورع و تقوٰے، زہد، دیانت، نصرتِ حق اور اس پر قیام، پوری طرح جمع کر دیا تھا، اس کے علاوہ ان میں اور کوئی غرض نہ تھی، اللہ نے ان کو طریق سلف پر گام فرسا کیا اور ان سے بہترین کام لیا، اس زمانے میں ان کو انفرادیت بخشی بلکہ کہنا چاہیئے کہ تمام زمانوں میں انہیں منفرد کیا ۔

(القول الجلی لعماد الدین الواسطی ص ۴)

اسی طرح جمیع علوم دینیہ میں امام موصوف اپنی نظیر آپ تھے جس فن میں دیکھیے معلوم ہو گا شاید آپ کو اس کے علاوہ کسی دوسرے فن میں مہارت نہیں ہے حافظ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

الفقیہ من ادرك من العلوم حظا وکاد ان یستوعب السنن والآثار حفظا ان تکلم فی التفسیر فھو حامل رایتہ او افتی فی الفقہ فھو مدرك غایتہ	ایسے فقیہ جو دیگر علوم سے بھی بہرہ مند تھے اور جنہوں نے سنن و آثار کا احاطہ کر لیا تھا اور یہ سب علوم ان کو حفظ تھے اگر آپ ان سے تفسیر کے موضوع پر بات کریں تو وہ اس کا بھی پرچم اٹھاتے ہوئے دکھائی دیں گے اگر فقہ سے متعلق فتوے دیں گے تو اس کے بارے میں معلومات کی آخری سرحد پر کھڑے نظر آئیں گے، اگر علم

او ذاكر في الحديث فهو صاحب علمه و ذو روايته - او حاضر في الملل والنحل لم تر اوسع من علمه في ذلك ولا ارفع من درايته برز في كل فن على ابناء جنسه ولم ترعين من رآه مثله ولا رأت عينه مثل نفسه ، كان يتكلم في التفسير فيحضر مجلسه الجم الغفير ويردون من بحره العذب النمير ويرتعون من ربيع فضله في روضة غدير (الى اخر ما قال)

حدیث پر گفتگو ہو گی تو معلوم ہو گا کہ وہ اس پر بھی حاوی اور صاحب روایت ہیں۔ ملل ونحل کے بارے میں بات کی جاتے تو اس سلسلے میں بھی آپ عقل و درایت میں کسی کو ان سے بڑھا ہوا اور وسیع المعلومات نہیں پائینگے ہر فن اور ہر علم میں اپنے ابناءِ جنس سے ممتاز ہیں۔ کسی آنکھ نے ان کی مانند کسی دوسرے کو نہیں دیکھا اور نہ خود ان کی آنکھ نے اپنے جیسا کسی اَور کو دیکھا۔ تفسیر میں بات کرتے تو ان کی مجلس میں لوگوں کا جم غفیر جمع ہو جاتا اور ان کے علم کے شیریں اور خالص دریا سے اپنی پیاس بجھاتے اور ان کے بہار آسا باغ کی شمیم آرائیوں سے استفادہ کرتے تھے۔

مندرجہ بالا صفات کا حامل انسان ہی مجدد ہو سکتا ہے:

شیخ علامہ زملکانی جو سب سے زیادہ شیخ الاسلام کے ساتھ ضد اور تعصب رکھتے تھے وہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں:

لقد اعطى ابن تيمية اليد الطولى في حسن التصنيف وجودة العبارة والترتيب والتقسيم والتبيين وقد الان الله له العلوم كما الان لداؤد الحديد وكان اذا سئل عن فن من العلم ظن الرائي و السامع انه لا يعرف غير ذلك الفن و حكم ان احدا لا يعرفه مثله وكان

ابنِ تیمیہ کو اللہ کی طرف سے حُسنِ ترتیب، عبارت کی عمدگی و ترتیبِ موضوع کی تقسیم اور اپنے مدعا کی وضاحت میں یدِ طولٰی سے نوازا گیا تھا اللہ نے اسی طرح ان کے لیے علوم کو مسخر کر دیا تھا جس طرح کہ حضرت داؤد کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا جب ان سے علم کے کسی گوشے کے متعلق سوال کیا جاتا تو دیکھنے اور سننے والا یہی سمجھتا کہ اس فن کے سوا وہ اور کسی فن کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے اور یہ فیصلہ کرتا کہ ان کی طرح اَور کوئی شخص اس فن سے آگاہی نہیں رکھتا۔ ہر مکتبِ فکر کے فقہا جب ان کے پاس بیٹھتے تو اپنے مذاہب فقہیہ کے بارے میں ان سے استفادہ کرتے

الفقهاء من سائر الطوائف اذا جلسوا معه استفادوا في مذاهبهم منه مالم يكونوا عرفوه قبل ذلك ولا يعرف أنه ناظر احدا فانقطع معه ولا تكلم في علم من العلوم سواء كان من علوم الشرع او غيرها الا فاق فيه اهله والمنسوبين اليه - الخ

اور وہ کچھ حاصل کرتے جن سے وہ اس سے قبل آگاہ نہ تھے یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کبھی کسی سے مناظرہ کیا ہو اور پھر اس سے شکست کھا گئے ہوں' انہوں نے جب بھی کسی علم کے بارے میں وہ علم شرعی ہو یا غیر شرعی کسی عالم سے گفتگو کی' اس سے فوقیت لے گئے اور ان علوم کے ماہرین پر سبقت حاصل کی۔

انہوں نے زبان، قلم اور تلوار سے جہاد فی سبیل اللہ کیا اور کئی جگہ سے شرکیہ نشانات مٹائے، غیر اللہ کی پرستش کے اڈے گرائے اور توحید وعقائد پر کئی کتابیں تحریر فرمائیں۔ مثلاً

١- الواسطیہ

٢- التدمیریہ

٣- الحمویۃ

٤- الاصفہانیہ

٥- التوسل والوسیلہ

٦- کتاب الایمان

٧- کتاب النبوات

٨- الرد علی الاخنائی والبکری

٩- الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح

١٠- منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ ،

١١- الزیارۃ الشرعیۃ والبدعیۃ

جن سے اہلِ اسلام کو قوت ملی' اہلِ توحید اور سلفی عقائد کے لوگوں کی ہمتیں عود کر آئیں اہلِ بدعت کی ہمتیں پست ہوئیں' ان کی بنائی ہوئی عمارتیں بنیادوں سے اکھڑنے لگیں اور خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی اہلِ حق کے مرجع بنے۔ کئی مناظرے ہوئے، آپ کو کئی تکلیفیں دی گئیں اور بار بار جیل اور پابندی کی تکلیف برداشت کرنا پڑی، بالآخر جیل ہی سے آپ کی لاش مبارک

نکالی گئی، آپ ان سب تکلیفوں کو صبر و استقامت اور خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتے رہے۔ اپنے دینی معمولات اور دعوتِ فکر و عمل میں فرق نہ آنے دیا۔ آپ کے حلقۂ علمی سے کئی ایسی شخصیتیں وجود میں آئیں جن میں سے ہر ایک بذاتِ خود علم کا بحرِ بے کراں عمل کا کامل مجسمہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا مسلح سپاہی تھا۔ آپ کے خصوصی تلامذہ اور حلقہ نشینوں میں امام ابن قیم شمس الدین ابو عبداللہ، محمد بن ابی بکر ابن ایوب الزرعی الدمشقی المتوفی ۷۵۱ھ ہیں۔ جن کے قلم سیال نے وقت کے بڑے بڑے اہلِ قلم کو حیران کر دیا، عقائد میں ان کی کئی کتابیں معروف ہیں مثلاً

۱۔ الکافیۃ الشافیہ فی انتصار الفرقۃ الناجیہ جو قصیدہ نونیہ کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ الصواعق المرسلہ علی الفرقۃ الجہمیۃ المعطلہ

۳۔ اجتماع الجیوش الاسلامیہ

۴۔ شرح الاسماء الحسنیٰ

۵۔ اغاثۃ اللھفان فی مصائد الشیطان

۶۔ ہدایۃ الحیارے فی اجوبۃ الیہود والنصارےٰ

علم النقاد امام الجرح والتعدیل الذہبی ابو عبداللہ شمس الدین بن محمد بن احمد ابن عثمان الترکمانی الدمشقی المتوفی ۷۴۸ھ۔ انہوں نے بھی کئی کتب تحریر فرمائیں مثلاً

۱۔ کتاب العلو للعلی الغفار

۲۔ کتاب العرش

۳۔ احادیث الصفات

۴۔ مسئلۃ الغیب

۵۔ رؤیۃ الباری

۶۔ طرق احادیث النزول وغیرہ

امام مجتہد، رئیس الفقہاء ابن دقیق العید ابو الفتح محمد بن علی بن وہب بن مطیع القشیری المنفلوطی المتوفی ۷۰۲ھ نے کتاب الاقتراح فی اصول الدین تحریر کی۔

امام فقیہ اصولی شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسی المتوفی ۷۴۴ھ نے کتاب الصارم المنکی فی الرد علی السبکی تصنیف کی۔

امام المفسرین حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر بن ضوء القرشی البصری ثم الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ نے کتاب الفتن والملاحم المعروف بالنہایۃ تصنیف فرمائی۔ نیز ان کی دوسری کتاب فضائل القرآن بھی معروف ہے۔

یہ عظیم ہستیاں اسی بحرِ عظیم کے سرچشمے ہیں ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھی مصنف گزرے ہیں۔

اسی صدی میں اور بھی بے شمار کتابیں تصنیف ہوئیں۔ جیسے

علامہ صفی الدین محمد بن عبد الرحیم بن محمد الہندی الفقیہ المتوفی ۷۱۵ھ نے کتاب اعتقاد لکھی۔

شیخ ابن الحاج محمد بن محمد بن محمد العبدری الفارسی المتوفی ۷۳۷ھ نے کتاب المدخل لکھ کر اہلِ بدعت کے رسوم کی پوری طرح مذمت کی خاص کر قیام مروج اور میلاد اور صلوۃ الرغائب وغیرہ پر بحث کی ہے۔

امام ابو جعفر الاندلسی احمد بن ابراہیم بن الزبیر ابن محمد النحوی المتوفی ۷۰۸ھ نے کتاب ردع الجاہل عن اعتصاف المجاہل لکھی۔

علامہ شہاب الدین احمد بن یحییٰ بن ابی بکر بن عبد الواحد ابن ابی حجلہ التلمسانی المتوفی ۷۷۶ھ نے قصیدہ ابن فارض کے رد میں قصائدِ نبویہ لکھی۔

علامہ جلال الدین احمد بن یوسف التیزینی المتوفی ۷۹۳ھ کی مسئلہ الایمان یزید وینقص پر ایک تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

شیخ علاء الدین علی بن اسماعیل بن یوسف القونوی المتوفی ۷۲۹ھ نے اہلِ الحاد کے رد میں ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ ان کے علاوہ اسی صدی میں اور بھی کئی مصنف گزرے ہیں۔

نویں صدی ہجری

حافظ ابن حجر شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی تصانیف اس صدی کی یادگار ہیں۔ آپ نے ایک کتاب الشمس المنیرۃ لمعرفۃ الکبیرۃ لکھی، نیز تبیین العجب فی ما ورد فی فضل الرجب میں امام موصوف نے ماہ رجب کی بدعتوں پر کاری ضرب لگائی ہے۔

شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن نعیم البساطی المتوفی ۸۴۲ھ نے کتاب المقدمہ فی اصول الدین لکھی۔

شیخ منصور بن الحسین بن علی الکازرونی المتوفی ۸۶۰ھ نے کتاب حجۃ السفرۃ البررۃ علی المبتدعۃ الفجرۃ الکفرۃ لکھی۔

شیخ ابن الہائم ابوالعباس احمد بن محمد بن عماد بن علی القرافی المصری ثم المقدسی المتوفی ۸۱۵ھ نے کتاب العقد النضید فی تحقیق کلمۃ التوحید لکھی۔

امام تقی الدین احمد بن علی المقریزی المتوفی ۸۴۵ھ نے کتاب تجرید التوحید المفید تصنیف کی۔

شیخ سید ابن الوزیر محمد بن ابراہیم بن علی المرتضٰے الیمانی المتوفی ۸۴۰ھ نے

۱۔ ایثار الحق علی الخلق

۲۔ ترجیح اسالیب القرآن علی اسالیب الیونان، اور

۳۔ البرہان القاطع فی معرفۃ الصانع

وغیرہ کتابیں لکھیں۔

شیخ سید الہادی بن ابراہیم بن علی الوزیر المتوفی ۸۲۲ھ نے کفایۃ القانع فی معرفۃ الصانع اور السیوف المرہفات علی من الحد فی الصفات، وغیرہ تصنیف کیں۔

دسویں صدی ہجری

حافظ شمس الدین السخاوی ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر القاہری المتوفی ۹۰۲ھ نے المقاصد المبارکۃ فی ایضاح الفرق الہالکۃ یادگار چھوڑی ہے۔

حافظ جلال السیوطی ابوالفضل عبدالرحمان ابن ابی بکر بن محمد بن سلیمان المصری المتوفی ۹۱۱ھ نے

۱۔ تنزیہ الاعتقاد عن الحلول والاتحاد

۲۔ تنزیہ الانبیاء عن تسفیۃ الاغبیاء۔

۳۔ شرح الکوکب الوفاء فی الاعتقاد

وغیرہ رسائل لکھے،

شیخ جمال الدین عمر بن محمد بن المبارک بن عبداللہ الحمیری الحضرمی المتوفی ۹۳۰ھ نے کتاب عقد الدرر فی الایمان بالقضاء والقدر لکھی۔

شیخ زین الدین ابوحفص عمر بن احمد بن علی ابن محمود الشماع الحلبی المتوفی ۹۳۶ھ نے مورد الظمان فی شعب الایمان اور تنبیہ الوسنان الی شعب الایمان لکھیں۔

شیخ شمس الدین محمد الشامی المتوفی ۹۴۲ھ نے کتاب اعظم المنۃ فیما یغفر اللہ بہ الذنوب ویوجب بالجنۃ تحریر کی۔

شیخ عبدالعزیز بن عبدالواحد بن محمد موسیٰ المغربی المکناسی المتوفی ۹۶۷ھ نے کتاب منہج الوصول ومہیع السالک للاصول لکھی۔

شیخ ابراہیم بن محمد بن ابی بکر بن علی بن مسعود بن رضوان المقدسی القاہری المتوفی ۹۲۳ھ نے عقائد ابن دقیق العید پر شرح لکھی۔

شیخ بدرالدین محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ بدر الغزی المتوفی ۹۸۴ھ نے تفسیر آیۃ الکرسی لکھی۔ شیخ محمد بن ابی الوفا ابن المرتقع کمال الدین المتوفی ۹۰۳ھ نے کتاب التوضیح بمعانی اسماء اللہ الحسنٰے الواردۃ فی الجامع الصحیح، لکھی۔

گیارھویں صدی ہجری

الشیخ المحدث احمد بن عبدالرحمٰن بن محمد الوارثی المغربی المتوفی ۱۰۴۵ھ نے نظم میں عقائد کو بیان کیا۔

شیخ ابوالعباس المقری احمد بن محمد بن احمد بن یحیےٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی العیش التلمسانی القاہری المتوفی ۱۰۴۱ھ نے کتاب اضاءۃ الدجنۃ فی عقائد اہل السنۃ لکھی۔

علامہ ابوالوجاہۃ عبدالرحمٰن بن یحیےٰ بن مرشد العمری المرشدی المتوفی ۱۰۳۷ھ نے رسالہ الجواب المکین عن مسئلہ ان کان یعذب المشرکین لکھا۔ یہ رسالہ فتاویٰ قاضی خاں کے ایک مسئلہ کی تردید میں ہے، وہ یہ کہ:

لو قال ان کان اللہ یعذب المشرکین فامرأتی طالق قالوا انہا لا تطلق	اگر وہ کہے کہ اللہ نے مشرکوں کو عذاب میں ڈالا تو میری بیوی کو طلاق، اس لفظ سے اسے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لائق مصنف نے اس کی پُرزور تردید فرمائی اور ثابت کیا ہے کہ ایسی حالت میں طلاق واقع

ہو جائے گی کیونکہ شرک پر مرنے والے کے لئے عذاب حتمی اور یقینی ہے' یہ رسالہ اہل الشرک کے لئے قاصمۃ الظہر کی حیثیت رکھتا ہے۔

شیخ ابن عبد الہادی عبد القادر بن بہاؤ الدین بن بہانی العمری الدمشقی المتوفی ۱۰۱۱ھ نے شرح اضاءۃ الدجنۃ فی عقائد اہل السنۃ لکھی۔

شیخ ابو الحسن علی بن عبد الواحد بن محمد بن عبد اللہ الانصاری السجلمانی الجزائری المتوفی ۱۰۵۷ھ نے جامعۃ الاسرار فی قواعد الاسلام الخمس اور الیواقیت الثمینۃ فی العقائد وغیرہ کتب لکھیں

شیخ مرعی بن یوسف بن ابی بکر بن احمد المقدسی المتوفی ۱۰۳۳ھ نے چند رسائل تحریر فرمائے جیسے:

۱۔ ارشاد من کان قصدہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ'،

۲۔ اقاویل الثقات فی تاویل الاسماء والصفات والآیات المحکمات،

۳۔ تنبیہ الماہر علی غیر الماہر،

۴۔ ماہو المتبادر من الاحادیث الواردۃ فی الصفات

۵۔ توضیح البرہان فی الفرق بین الاسلام والایمان

۶۔ شفاء الصدور فی زیارۃ المشاہد والقبور،

بارھویں صدی ہجری

شیخ ابو الوقت برہان الدین اسماعیل بن حسن الکورانی الشہرزوری المتوفی ۱۱۱۱ھ نے

۱۔ قصد السبیل الی توحید الحق الوکیل

۲۔ العقیدۃ الصحیحہ

۳۔ بلغۃ المسیر الی توحید العلی الکبیر

۴۔ مسلک السداد الی مسئلۃ خلق افعال العباد

۵۔ اتحاف الخلف تحقیق مذہب السلف

تحریر فرمائے

علامہ سید زید بن محمد بن الحسن شیخ مشائخ صنعاء الیمن المتوفی ۱۱۲۳ھ نے رسالہ تبیین الوقۃ

الناجیۃ لکھا جس میں اسی فرقہ کو ناجیہ بتلایا ہے جو صحابہ کے طریقہ پر ہے۔

شیخ حسن بن عبد اللہ الخشنی المتوفی سنہ ۱۱۹۰ھ نے تحریر المقال فی خلق الافعال اور تنقیح الالباب فی حل عقود الآداب، وغیرہ لکھیں۔

شیخ خلیل ابو الفتوح الفیومی المتوفی سنہ ۱۱۶۰ھ نے فرقہ ضالہ اسمٰعیلیہ کے رد میں کتاب السطوۃ العدلیۃ بالفرقۃ الاسماعیلیۃ لکھی۔

شیخ امام محدث محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی الصنعانی المتوفی سنہ ۱۱۸۲ھ نے تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد لکھی۔

امام الہند شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم الدہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ نے البلاغ المبین لکھی، آپ کی دوسری کتاب تحفۃ الموحدین مشہور ہے۔

شیخ قاسم بن صلاح الدین الخانی الحلبی المتوفی سنہ ۱۱۰۹ھ نے کتاب الجزائریہ فی التوحید کی شرح لکھی؛

علامہ شیخ ابو العون شمس الدین محمد بن احمد بن سالم اسفارینی النابلسی المتوفی سنہ ۱۱۸۸ھ نے توحید کے موضوع پر کئی رسائل تحریر فرمائے، مثلاً

۱۔ نتائج الافکار فی شرح حدیث سید الاستغفار؛

۲۔ الدرۃ المضیئۃ فی عقائد الفرقۃ المرضیۃ

یہ رسالہ نظم میں ہے پھر اس منظوم رسالہ کی شرح لکھی جس کا نام

۳۔ سواطع الآثار الاثریۃ لشرح منظومتنا المسماۃ بالدرۃ المضیئۃ رکھا۔

نیز علامہ موصوف نے تہتر فرقوں کے بیان میں ایک مفصل رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا۔

امام محدث شیخ محمد حیات السندی المتوفی سنہ ۱۱۶۳ھ نے المقدمۃ فی العقائد لکھا۔

علامہ شیخ حسین بن مہدی النعمی المتوفی سنہ ۱۱۸۷ھ نے معارج الالباب فی مناہج الحق والصواب لکھی؛

تیرھویں صدی ہجری

قاضی احمد بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن حسین المجاہد الصنعانی المتوفی سنہ ۱۲۸۱ھ نے کتاب اصول الدین اور نیل المنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنٰی لکھیں۔

علامہ الشریف حسن بن خالد بن عز الدین الحازمی التہامی المتوفی سنہ ۱۲۳۴ھ نے قوۃ القلوب بمنفعۃ

توحید علام الغیوب لکھی، جس میں توحید کے دلائل بیان کیے اور مشرکین کی رسومات کا خوب رد فرمایا۔

مجتہد الوقت الامام المفسر المحدث الفقیہ الاصولی محمد بن علی بن محمد الشوکانی الخولانی الصنعانی المتوفی سنہ ۱۲۵۰ھ نے کئی کتابیں توحید و عقائد پر تصنیف فرمائیں مثلاً

۱۔ الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید

۲۔ التحف بمذاہب السلف

۳۔ شرح الصدور بتحریم رفع القبور

۴۔ البغیۃ فی مسئلۃ الرؤیۃ

ان کے رسائل اہلِ توحید کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا سرور ہیں۔ آپ نے ایسے براہینِ قاطعہ سے شرکیہ و بدعیہ امور کا رد فرمایا جنھوں نے اہلِ بدعت کے اندر زبردست زلزلہ پیدا کیا۔

نواب والاجاہ بھوپالی کے والد بزرگوار سید شریف ابو احمد حسن بن علی الحسینی البخاری القنوجی المتوفی سنہ ۱۲۵۳ھ نے کئی رسائل توحید کے اثبات و اہل شرک و اہلِ بدعت کی تردید میں تصنیف فرمائے جو اکثر اردو زبان میں ہیں بعض فارسی اور بعض عربی زبان میں بھی ہیں۔

شاہ والاجاہ محدثِ ہند امام ابن الامام سید عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ نے

۱۔ شرح میزان العقائد

۲۔ ہدایۃ المومنین

تصنیف فرمائیں

امام الحق، فرید العصر، وحید الدہر، المجاہد لاعلاء کلمۃ اللہ، والشہید فی سبیل اللہ السید اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ العمری الدہلوی المتوفی سنہ ۱۲۴۶ھ کی کتاب تقویۃ الایمان، خواص و عوام کے ہاں معروف ہے، جس کے عربی، سندھی اور دیگر زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں، اس کے علاوہ آپ نے

۱۔ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح

۲۔ رد الاشراک والبدع

تصنیف فرمائیں، اور بقول صاحب نزہۃ الخواطر تقویۃ الایمان آخر الذکر کتاب کے باب اول کا ترجمہ ہے۔

قاضی بشیر الدین القنوجی العثمانی المتوفی سنہ ۱۲۹۶ھ نے چند رسائل تصنیف فرمائے مثلاً:

۱- غایۃ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام ،

۲- احسن المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال ،

۳- بصارۃ العینین فی منع تقبیل الابہامین ،

مولانا خرم علی الملہواری المتوفی ۱۲۷۱ھ نے توحید و سنت کی نصرت میں رسالہ نصیحۃ المسلمین لکھا

مولانا شیخ عبداللہ الصدیقی المحمدی الالہ آبادی نے رسالہ اعتصام السنۃ وقامع البدعۃ لکھا ؎

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں پاسبان پاک ملت را

اسی صدی میں مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام علم الاعلام الداعی الی اللہ والمجاہد فی سبیل اللہ محدثِ دوراں مجددِ زماں الشیخ محمد بن عبدالوہاب النجدی الدرعی پیدا ہوئے، آپ اس وقت آئے جب کہ ہر طرف شرک کا دور دورہ تھا، قبر پرستی، تعزیہ پرستی، درختوں، بتوں اور پتھروں کی پوجا، مزاروں اور درگاہوں پر میلے اور عرس، بزرگوں اور ولیوں کو مشکل میں پکارنا، ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا، وسیلہ اور نجات کا ذریعہ جاننا، ان کے چلّے نکالنا، ان کے نام کے دن منانا، ان کے ہاں تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر و نیاز دینا، صدقات و خیرات کرنا، گویا کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ناامید نظر آتے تھے اور توحید سے بالکل دُور ہو چکے تھے اور اسی وجہ سے عمل میں بہت کوتاہی واقع ہوئی، لوگ بے عمل اور بُرے کاموں میں گرفتار ہونے لگے، خود نجد کا یہ حال تھا کہ پورا علاقہ عقائد فاسدہ، خرافات و بدعات اور بے دینی کا مرکز بن چکا تھا، جگہ جگہ مصنوعی قبریں اور درگاہیں تھیں۔

شیخ نے اپنی دعوت کو ہمت، صبر و استقلال سے چلایا اور مخالفین کی طرف سے مناظرے ہوئے اور طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں، بہتان و الزام تراشے گئے، لیکن شیخ نے ان سب تکلیفوں کو فراخ دلی سے برداشت کرتے ہوئے اپنی دعوت کو جاری رکھا، حلقہ بڑھتے بڑھتے دعوت کا اثر حجاز تک پہنچا اور ہر طرف توحید چمکنے لگی اور لوگ پھر سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے اسلام کو سمجھا، حق و باطل میں تمیز ہوئی۔

امام موصوف نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے اکثر میں توحید کی دعوت اور شرک کی تردید پر زور دیا ہے جن کا ذکر آپ کے حالات زندگی میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

ان سب میں آپ کی شہرہ آفاق وہ کتاب ہے جو سب سے پہلے آپ نے تصنیف فرمائی

یعنی کتاب التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبید؛ مصنف رحمہ اللہ نے اسے ابواب کی ترتیب پر لکھا اور توحید کے ہر مسئلہ کے لئے الگ باب قائم کیا جس میں آیات قرآنیہ، احادیث مرفوعہ اور پھر صحابہ کرام اور تابعین کے آثار جمع کئے۔ آخر میں ان دلائل سے جو مسائل مستنبط سمجھے ذکر فرمائے۔ امام الدعوت رحمہ اللہ نے توحید کی تینوں قسمیں بیان فرمائیں:

۱۔ توحیدِ ربوبیت

اس میں استغاثہ، استعاذہ، دعا، نذر، ذبح وغیرہ کا بیان ہے۔

۲۔ توحیدِ الوہیت

اِس میں توسل، شفاعت غیر شرعیہ کی تردید فرمائی۔

۳۔ توحید صفات

اِس میں جہمیہ، مشبہہ اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کی تردید فرمائی، لیکن مختصر اور قدرے جامع نیز سحر، جادو، ٹونہ، تعویذ گنڈہ، بدفالی، حلف بغیر اللہ جیسے امور شرکیہ کا بھی رد فرمایا:

امام موصوف نے شروع عنوان میں حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بطور مقدمہ پیش کیا ہے جس میں یہ بیان ہے۔

حق اللہ علی العباد ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئًا — اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک بہ شیئًا — اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ کسی شی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ اس کو (قبر و قیامت میں) عذاب میں نہ ڈالے۔

امام موصوف نے اسی حدیث سے کتاب کا نام اخذ کیا، گویا کتاب اسم بامسمیٰ ہے اس حدیث اور جو آیات اس سے قبل ذکر کی ہیں، ان سے چوبیس مسائل اخذ کیے ہیں جن سے مصنف کی وسعتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے ان میں سے بطور نمونہ کے دو مسئلے یہ ہیں:

۱۔ ان العبادۃ ہی التوحید

۲۔ ان عبادۃ اللہ لا تحصل الا بالکفر بالطاغوت

مقدمہ کے بعد چھیاسٹھ ابواب قائم کیے ہیں، ہر باب کئی مسائل کا حامل ہے گویا کہ یہ عقائد کی

ایک جامع مگر مختصر اور عام فہم کتاب ہے۔

پہلے چار ابواب میں توحید کی فضیلت و ضرورت بیان کی اور اس کی طرف دعوت کی ترغیب دی اور شرک سے ڈرایا گیا ہے اس کے بعد ایک باب توحید کی وضاحت اور تشریح کے لیے رکھا ہے۔ پھر شرک کے اقسام بیان کرنے کے لیے دس ابواب قائم کیے۔ پھر شفاعت اور اس کے لواحق کے لیے دو باب، اور غلو کی مذمت اور اس کے نتائج بد بیان کرنے کے لیے پانچ ابواب لکھے ہیں اس کے بعد سات ابواب میں کچھ رسوم شرکیہ بیان فرمائی ہیں۔ پھر ان امور کو بیان کیا ہے جن کا تعلق عقیدہ سے ہے مثلاً محبت، خوف، توکل، امید اور صبر، ان کو پانچ ابواب میں بیان فرمایا ہے۔

پھر دو باب اخلاص کی ترغیب اور ریا سے ترہیب کے لیے ذکر کیے، بعدہٗ دو باب تحاکم الی الطاغوت اور اطاعت غیر اللہ کی تردید میں لائے

پھر سترہ ابواب میں توحید کے صفات کو بیان کیا۔ پھر چار ابواب میں تقدیر کے احکام بیان کیے اور قدریوں کی تردید کی اور آخری سات ابواب میں اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور اس کے اعلیٰ وارفع ہونے کو بیان فرمایا۔

اس حسن ترتیب نے سلف صالحین کی تصنیف و تبویب کی یاد تازہ کر دی۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا وہ مقولہ جو انھوں نے اپنی کتاب "بلوغ المرام" کی شان میں فرمایا ہے وہ اس کتاب التوحید پر حرف بحرف صادق آتا ہے کہ

"یستغنی بہ الطالب المبتدی ولا یستغنی عنہ الراغب المنتہی"

اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الدرر البھیہ کے بارے میں فرمایا:

"نسبۃ ھذا المختصر الی المطولات من الکتب الفقھیۃ نسبۃ السبیکۃ الذھبیۃ الی التربۃ المعدنیۃ"

بعینہٖ یہ صفت اس کتاب کی بہ نسبت اِن مطولات کے نظر آتی ہے جو نویں صدی ہجری سے لے کر آج تک توحید پر لکھی گئی ہیں۔

اِس کتاب نے شرک کے مراکز اور اہلِ بدعت کے کارناموں پر ایٹم بم کا کام کیا۔ مشرکین لرزہ براندام ہوئے، مخالفین نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اہلِ ہند نے شہیدِ ملت اسماعیل رحمہ اللہ کی کتاب تقویۃ الایمان کے ساتھ کیا۔ مگر بموجب فرمانِ الٰہی:

والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ ۔ (الاعراف - ۵۸) | جو زمین اچھی ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے

جن خوش نصیب افراد کے اندر ایمان کی تمنا موجود تھی ان کو صحیح راستہ معلوم ہوا۔ پھر ارض نجد توحید سے منور ہوئی جس کے آثار آج تک موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ انشاء اللہ جن لوگوں کے اندر عملی تغیر کافی حد تک آ گیا تھا وہ توحید سے سرشار اور پیکر عمل نظر آنے لگے ۔

اس کتاب سے عرب وعجم کے کئی ملکوں کے افراد نے استفادہ کیا اور توحید کی راہ معلوم کر کے شرک وبدعت سے تائب ہوئے۔ خاص کر شیخ کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب المتوفی ۱۲۰۸ھ جو آپ کے سخت مخالف تھے بلکہ جنھوں نے ان کی تردید میں ایک رسالہ بنام

الصواعق الالٰہیۃ فی الرد علی الوہابیۃ

لکھا تھا، مگر چونکہ سلیم القلب تھے محض حسد وبغض اور عناد پر ان کی تردید مبنی تھی اس لیے بالآخر حق کو سمجھا اور اپنے غلط عقائد سے رجوع الی الحق ہوئے اور اپنے بھائی شیخ کے پاس تائب ہو کر آئے جیسا کہ علامہ حسین بن غنام احسائی المتوفی ۱۲۲۵ھ نے اپنی کتاب روضۃ الافکار کے صفحہ ۹۶ جلد اوّل طبع اوّل میں ۱۱۹۰ھ کے حوادث میں ذکر کیا ہے اور شیخ سلیمان بن سحمان نے اپنی کتاب الضیاء الشارق کے صفحہ ۶۰ میں ذکر کیا ہے۔

مثل مشہور ہے :

الاقارب کالعقارب | قریبی رشتے دار بچھوؤں کی مانند ہوتے ہیں -

بھائیوں کی رقابت بڑی خطرناک اور ناعاقبت اندیش ہوتی ہے۔ مگر یہ امام الدعوۃ کے حسن خلق، رواداری اور شیریں بیانی اور صحتِ استدلال وقوت معارضہ جیسے ہمہ گیر اوصاف سے متصف ہونے کی بیّن دلیل ہے کہ ان کے بھائی نے باوجود شدت مخالفت کے آخر حق کی طرف رجوع کیا اور اپنے بھائی کا ساتھ دیا، ایسی توفیق اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بخشے۔ آمین

کتاب التوحید کی اہل علم نے شرحیں بھی لکھیں جیسے علامہ احمد بن حسن نجدی نے الدر النضید لکھی، جو ۱۳۱۱ھ کو دہلی میں چھپی-

دوسری شرح شیخ کے پوتے محدث فقیہ شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے لکھی، آپ ۱۲۰۵ھ میں تولد ہوئے اور ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی۔

بڑے بڑے اساتذہ کے علاوہ امام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ سے بھی آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے کتاب التوحید کی شرح بنام تیسیر العزیز الحمید لکھی، لائق مصنف مقدمہ میں اس شرح کی ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وصنف رحمه الله تعالىٰ التصانيف في توحيد الانبياء والمرسلين والرد على من خالفه من المشركين ومن جملتها كتاب التوحيد وهو كتاب فرد في معناه لم يسبقه اليه سابق ولا لحقه لاحق، وهو الذي قصدت الكلام عليه ان شاء الله تعالىٰ وان كنت لست ممن يتصدى لهذا الشان لكن لما رأيت الكتاب لم يتعرض للكلام عليه احد بعد و رأيت تشوق الطلبة والاخوان الى شرح يعني ببعض ما فيه من المقاصد احببت ان اسعفهم بمرادهم حسب طاقتي۔ الخ (تيسير العزيز الحميد ص ٣)

مصنف رحمہ اللہ نے انبیاء و مرسلین کی بیان کردہ توحید کے موضوع سے متعلق اور مشرکین میں سے جنہوں نے اس توحید کی مخالفت کی ان کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک تصنیف کتاب التوحید ہے۔ جو اپنے موضوع میں منفرد حیثیت کی حامل ہے نہ اس اسلوب کی کتاب اس سے پہلے لکھی گئی نہ بعد میں، میں ان شاء اللہ اسی کتاب کے بارے میں معروضات پیش کروں گا۔ اگرچہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اس کے درپے ہوں۔ لیکن جب میں نے کتاب دیکھی اور یہ معلوم ہوا کہ اس پر کسی نے تعرض نہیں کیا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ طلبا اور برادران اہل علم اس کی شرح کے لیے ایک شوق اور تڑپ رکھتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کے خواہاں ہیں کہ یہ کن امور پر مشتمل ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی علمی بساط کے مطابق یہ خدمت سرانجام دوں۔

یہ شرح نہایت عمدہ اور علمی خزانے کا مجموعہ ہے اس میں خاص خوبی یہ ہے کہ شارح رحمہ اللہ نے تشریح متون، احادیث کے ساتھ احادیث پر محدثانہ کلام کیا ہے اور جو روایات اصل کتاب میں بغیر حوالہ منقول ہیں ان کی تخریج کی ہے کئی روایات کو بالاسانید ذکر کیا ہے اور جرح و تعدیل و اختلاف روایات اور زیادات وغیرہ کو بھی بیان کیا ہے، جن محدثین کی کتابوں سے حدیثیں نقل کی گئی ہیں، ان کے تراجم و حالات مختصر بیان کیے ہیں اور شیخ رحمہ اللہ کی اصطلاحات کو بھی اچھی طرح واضح کیا ہے مثلاً جہاں صرف الصحیح کا حوالہ ہے، واضح کر دیا ہے اس سے صرف صحیح بخاری مراد ہے یا مسلم یا دونوں

اور السنن والمسند کی بھی تعیین کی ہے کہ اس سے کون سی کتاب مراد ہے' ہمارے خیال میں کتاب التوحید کی احادیث سے استفادہ کرنے والوں کے لیے اس شرح کو سامنے رکھنا ضروری ہے کیونکہ شارح رحمہ اللہ نے صحیح وغیر صحیح کی نشاندہی بھی کی ہے اور جہاں متابعت وشواہد مل سکے ہیں ان کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

الغرض کوئی اہلحدیث اور خالص توحید کی معرفت حاصل کرنے والا اس کتاب سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہو سکتا، مگر افسوس کہ شارح رحمہ اللہ اس شرح کو پورا نہ کر سکے، باب ما جاء فی منکر القدر تک شرح کی، باقی آخری سات ابواب کی شرح علامہ ابوبکر زہیر شاویش نے فتح المجید سے مکمل کی، کما ذکرہ فی المقدمہ وفی حاشیۃ التیسیر ص ۶۹۱

یہ شرح دو مرتبہ شائع ہوئی ہے پہلی بار ۱۳۸۲ھ میں دوسری مرتبہ ۱۳۹۰ھ میں شیخ زہیر شاویش کی تحقیق سے شائع ہوئی۔

یہ سب سے پہلی شرح ہے اور باقی تمام شروح کا ماخذ ہے۔

اس کے بعد امام الدعوۃ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے دوسرے پوتے امام الموحدین علامہ شیخ عبد الرحمن بن حسن رحمہ اللہ نے فتح المجید کے نام سے کتاب التوحید کی شرح لکھی، جو دراصل تیسیر العزیز الحمید کا خلاصہ ہے۔ شارح رحمہ اللہ نے اسے حسن ترتیب اور مناسب تہذیب کے ساتھ پیش کیا ہے چنانچہ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ولما قرأت شرحه اطنب فی بعض مواضع وفی بعض تکرار یستغنی البعض منه عن الکل ولم یکمله فاخذت فی تهذیبه وتقریبه وتکمیله وربما ادخلت فیه بعض النقول المتحسنة تتمیما للفائدة	میں نے شرح پڑھی تو بعض مقامات بہت طوالت لیے ہوئے تھے اور بعض میں تکرار تھا، اگر کم الفاظ میں بھی بات بیان کر دی جاتی تو پوری بحث کو کفایت کر جاتی۔ مگر بایں ہمہ کتاب مکمل نہ تھی۔ چنانچہ میں نے اس کی تہذیب وتقریب اور تکمیل کا کام شروع کیا اور متعدد مقامات پر بعض ایسی چیزیں نقل کیں جو اس کو مفید بنانے کے لیے بہر طور ضروری تھیں

شارح رحمہ اللہ نے واقعی پورا حق ادا کیا اور لفظی ولغوی تحقیق کے ساتھ احکام ومسائل کو بسط وتفصیل کے ساتھ دل کش عبارت میں بیان کیا۔ اسی وجہ سے یہ کتاب خواص وعوام کا مرجع رہی ہے

ہر عالم کے گھر میں یہ کتاب ضرور ہوگی۔ کئی علمائے اس کو حفظ کر رکھا ہے اور تقریروں اور درسوں میں اس شرح کی پوری عبارتیں زبانی پڑھ کر سناتے ہیں، نجد وحجاز اور دوسرے عرب ممالک حتیٰ کہ ممالک عجم میں بھی جو توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، اس شرح کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اللہ اللہ یہ مقبولیت صرف توحید کی برکت سے ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اس شرح میں توحید اور شرک کے سب مسائل کو بیان کیا گیا ہے، گویا مسائل توحید کے لیے یہ کتاب دائرۃ المعارف یا انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ شرح کئی بار شائع ہوئی ہے اور ہر بار ہاتھوں ہاتھ نکل کر ختم ہوتی رہتی ہے۔

شارح رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ کتاب التوحید پر مختصر حاشیہ بھی لکھا ہے جو قرۃ عیون الموحدین فی توحید الانبیاء والمرسلین کے نام سے اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہے اور دو مرتبہ الجامع الفرید کے نام سے چھپ چکا ہے۔

ان کے علاوہ اور علما نے بھی شرحیں لکھیں، جیسے

علامہ شیخ حمد بن علی بن عتیق نے ابطال التندید باختصار شرح التوحید لکھی،

علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی نے "القول السدید" کے نام سے ایک تعلیق لکھی، یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

فتح المجید اس لائق ہے کہ اس کا تمام مروجہ زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جائے اس وقت توحید الٰہی کو اطراف الارض میں پھیلانے کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے اور اس طرح موجودہ اہل حق اپنے اسلاف کے نیک اور اچھے اخلاف بن سکتے ہیں اور اشاعت توحید اور تبلیغ و دعوت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

اس سُنّت حسنہ کا آغاز ہمارے معاصر دوست مولانا عطاء اللہ ثاقب رئیس انصار السنۃ المحمدیہ پاکستان نے کیا ہے آپ نے فتح المجید کا اردو ترجمہ لکھا ہے موصوف نے مکۃ المکرمہ حرم شریف میں بیٹھ کر یہ کام کیا اور راقم الحروف کو بیت اللہ شریف کے سامنے بیٹھ کر حرفاً حرفاً سناتے رہے اور جابجا مشورے بھی لیے، فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔

یہ واقعہ ۱۳۹۳ھ کا ہے۔ مترجم موصوف نے بڑی محنت کی ہے علمائے کرام خصوصاً شیوخ الحرمین الشریفین سے مشورے لیے اور تراجم وتفاسیر کا مطالعہ کیا اور اللہ کریم کی مدد خاص سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ترجمہ نہایت سلیس، عام فہم اور بامحاورہ ہے، مضامین میں ربط کا خاص خیال رکھا ہے، دور حاضر کی مروجہ اردو استعمال کرکے ترجمہ کو آسان بنادیا ہے اور متن وشرح دونوں کے الگ الگ ترجمہ کرنے سے حسن ترتیب میں اضافہ ہوا ہے جسے اہلِ قلم تحسین کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ عام اردو دان اس سے پورا فائدہ حاصل کریں گے، توحید باری تعالیٰ کو سمجھ کر اپنا عقیدہ درست کریں گے اور غلط عقائد (شرک وبدعت) سے توبہ کرکے راجع الی الحق ہونگے۔

لائق مترجم نے جس بوجھ کو اٹھایا تھا وہ جتنا بھاری تھا بحول اللہ وقوتہ اتنا ہی دشوار بھی مگر بموجب وعدۂ الٰہی

ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا (الطلاق - ۴)	اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے

آپ نے ہمت نہیں ہاری اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے کام شروع کیا اور اسی کی توفیقِ خاص سے کامیاب ہوئے۔

مترجم موصوف نے یہ حق ادا کرکے دُوسروں کے لیے ایک مثال قائم کی ہے اور اس حدیث مبارکہ کے مصداق بنے ہیں۔

من سن سنۃ حسنۃ یعل بھا بعدہ کان لہ اجرہ ومثل اجورھم من غیر ان ینقص من اجورھم شیئ۔ (ابن ماجہ)	جو ایسی سُنّتِ حسنہ قائم کرے جس کا اس کے بعد تتبع کیا جائے تو اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کے مطابق عمل کریں گے، ان کا اجر بھی ملے گا مگر ان کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی

اس کتاب کا پہلی بار ترجمہ کیا گیا ہے اور ایسے وقت میں کیا گیا ہے جبکہ اس کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ لائق مترجم نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے اور کم از کم امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اُن پر ضرور صادق آتا ہے، نعمت البدعۃ ھذہٖ

اُمید ہے دوسری زبانوں والے بھی اس طرح اپنی اپنی زبانوں میں اس شرح کے ترجم لکھ کر اپنا حق ادا کریں گے۔ واللہ الموفق

دعا ہے اللہ تعالیٰ مترجم کو اس سُنّتِ حسنہ کے بدلے نیک جزا بخشے، توحید پر عمل کرنے والوں کے اجرِ عظیم میں ان کو شریک فرمائے اور اس ترجمے کو مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائے۔ انہ تعالیٰ سمیعٌ قریب۔

حیاتِ امام الدّعوۃ

شیخ الاسلام والمسلمین، علم العلماء المجاہدین، امام الدعوۃ السلفیۃ، ناصر السنۃ السنیۃ، قامع البدعۃ الشنیعۃ، الصابر فی المحنۃ، اثابر علی العبادۃ، احد مجددی العصر، محدثِ زماں، فقیہِ دوراں محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن مشرف بن عمر بن معضاد بن ریس بن زاخر بن محمد بن علوی بن وہب التیمی ہیں۔ یہ نسبت نجد کبریٰ کے ایک قبیلہ کی طرف ہے۔

ولادت

آپ شہر عیینہ میں جو مملکت سعودیہ کے دارالسلطنت ریاض کے شمال کی طرف واقع ہے ۱۱۱۵ھ میں علم وفضل کے گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد الشیخ عبدالوہاب بن سلیمان رحمہ اللہ علم وفضل اور نیک خلق جیسی صفات حسنہ سے متصف تھے جو آپ کو آبائی ورثہ میں ملی تھیں آپ کے جدامجد شیخ سلیمان بن علی نجد کے رئیس العلماء تھے، علوم دینیہ میں علماء وقت کے مرجع تھے۔ تصنیف وتدریس اور افتا میں ماہر تھے۔ آپ نے مناسکِ حج پر ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی۔

تعلیم

امام صاحب نے اپنے پیدائشی شہر میں والدِ مکرم سے تربیت حاصل کی اور ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتب پڑھیں، آپ کو بچپن ہی سے سلف کی کتابوں کے مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ خاص طور پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تصانیف کا بڑے شوق سے خوب مطالعہ کیا۔

رحلات

پھر سفرِ حج کو نکلے، یہ فریضہ ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ سے تعلیم حاصل کی۔ جن میں خاص اور قابلِ ذکر ہستیاں یہ ہیں :

۱۔ شیخ عبداللہ بن یوسف نجدی۔
۲۔ شیخ عبداللہ بن ابراہیم۔
۳۔ شیخ محمد حیات السندی
۴۔ شیخ آفندی داغستانی
۵۔ شیخ اسماعیل عجلونی
۶۔ شیخ عبداللہ عفالقی احسائی
۷۔ شیخ محمد عفالقی احسائی

بصرہ میں ایک بڑی جماعت سے علم حاصل کیا جن میں شیخ محمد المجموعی کا اسم گرامی بھی شامل ہے اور شام میں شیخ عبداللہ بن عبداللطیف الشافعی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد نجد میں آکر مطالعہ میں منہمک ہو گئے

مزاج واخلاق

دوسری باتوں اور حکایتوں کے بجائے آپ کی تصانیف آپ کے صحت مزاجی اور نیک خلقی کی صحیح ترجمان ہیں۔ کتاب التوحید ہی کو لیجئے کہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کس طرح سنجیدگی اور متانت کے ساتھ مسائل بیان کیے ہیں تعصب وعناد کی بو تک نہیں ملتی۔ حاشاہ اللہ من ذلک

حافظے کا یہ عالم تھا کہ دس سال کی عمر سے پہلے قرآنِ کریم حفظ کر لیا۔ ان کی ذکاوت و ذہانت سے آپ کے والد مکرم اور دوسرے شیوخ بہت متاثر تھے آپ کے اخلاقِ حسنہ نے کئی ایک مخالفوں کو آپ کے سامنے پیش ہونے پر مجبور کر دیا۔

دعوت

امام صاحب رحمہ اللہ نے مسائلِ توحید پر اور جو اس وقت شرکیہ رسوم مروج تھیں، ان کے متعلق علمائے عصر سے مباحثے کیے اور کئی علماء آپ کے ہم خیال ہوتے۔ اسی طرح درس و تدریس اور

خطبات وتقاریر سے عوام کو مائل الی الحق کیا۔ تصانیف سے علمائے کرام کو جمود اور کاہلی کے اندھیرے سے باہر نکالا، کئی امراء وشیوخ اور بعض اقارب کو خطوط لکھے جن میں دعوت الی اللہ کی وضاحت فرمائی اور شرک وبدعت کی برائیاں بیان کیں۔ محض زبانی گفتگو اور زورِ کلام سے نہیں بلکہ دلائل وبراہین سے اور دل نشیں جوابات اور ایسی عبارات سے جو علم وحکمت سے پُر ہوں اور ادب وحلاوت کا نمونہ ہوں، آپ کی دعوت

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل ۱۲۵)	اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔

کی عملی تفسیر تھی، حاسدین اور معاندین کے علاوہ آپ کی دعوت سے کسی کو اختلاف نہ تھا

جہاد

عہدِ طفولیت سے ہی آپ پر امر بالمعروف ونہی المنکر کا جذبہ غالب تھا۔ اس مردِ مجاہد نے زبان وقلم اور پھر تلوار سے بھی جہاد کیا، جلا وطنی اور ہجرت جیسی تکلیفوں سے بھی نہ بچ سکے، شرک وبدعت کے بہت سے مراکز کو ختم کیا اور ان بعض درختوں کا استیصال بھی کیا جن کی پرستش ہوتی تھی!

امام موصوف بہت عزم وہمت کے مالک تھے چنانچہ زانیہ عورت کو رجم کی سزا دینے پر جب حاکم احساء وقطیف سلیمان بن محمد بن عبدالعزیز الحمید نے شیخ الاسلام کے خاص معاون امیر عیینہ عثمان بن معمر کو دھمکی دی اور وظیفہ وغیرہ اور امداد بند کرنے سے ڈرایا تو شیخ نے انہیں بایں الفاظ تسلی دی:

ان هذا الذي اقمت به ودعوت اليه كلمة لا اله الا الله واركان الاسلام والامر بالمعروف والنهي عن المنكر فان انت تمسكت ونصرته فان الله سبحانه يظهرك على اعدائك فلا يزعجك سليمان ولا يفزعك	جس چیز کو تم لے کر اٹھے ہو اور جس کی طرف دعوت دی ہے وہ یقیناً کلمہ لا الٰہ الا اللہ ارکانِ اسلام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اگر تم نے اس سے تمسک کیا اور اس کی نصرت کا بیڑا اٹھایا تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دشمنوں پر غالب کریگا اور سلیمان غم وتکلیف میں نہ ڈال سکے گا۔

ظاہر ہے یہ توکل اور پختگی اسی شخص کے اندر پائی جائے گی جس کے رگ و ریشے میں توحید سمائی ہوئی ہو۔ خوف کے ہر مقام میں صرف تقوائے الہٰی اس کے دل میں موجزن ہو، اور شرک و بدعت سے اس کا دم، لحم و شحم سب پاک ہو، جس پر اللہ کا خوف غالب ہو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ کسی دوسری شخصیت کی ہیبت اس پر طاری نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو، کیونکہ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ (احزاب-۴)	اللہ نے کسی شخص کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے؛

ایسے توکل کی مثال رسول اللہ ﷺ کا سچا محب اور صادق پیروکار ہی پیش کر سکتا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب فرعونی لشکر نے ان کا تعاقب کیا تو:

قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ	موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے
قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (الشعراء-۶۲-۶۱)	کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔

مقام غور ہے کہ سامنے دریا ہے اور پیچھے دشمن کی یلغار، پھر بھی یہ عزم رکھنا کہ دشمن ہرگز ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔

عملی توکل کی ایسی ہی مثال امام الدعوۃ نے پیش کی کہ ؎

دیکھ کر تجھ کو پھری آنکھوں میں صورت سلف کی

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے انصار و مددگار بھی پیدا کیے۔ امام شوکانی اپنی کتاب البدر الطالع جلد اول صفحہ ۲۶۲ میں امام سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود رحمہ اللہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وكان جده محمد شيخ القرية التي هو فيها فوصل اليه الشيخ العلامة محمد بن عبدالوهاب الداعي الى التوحيد المنكر على المعتقدين في الاموات فاجابه بنصره ومازال يجاهد	اس کے دادا محمد کے پاس جو اس نواح کا شیخ تھا، شیخ علامہ محمد بن عبدالوہاب گئے جو داعی توحید اور مُردوں کی اعانت کا عقیدہ رکھنے والوں کے مخالف تھے۔ اس نے شیخ کی اعانت و نصرت کا وعدہ کیا اور وہ ہمیشہ ان کے مخالفوں کے خلاف جہاد کرتا رہا یہ وہ شہر تھے اور یہ وہ علاقہ تھا، جہاں امورِ جاہلیہ

من يخالف وكانت تلك البلاد قد غلبت   غالب آ گئے تھے اور اسلام اجنبی ہو کر رہ گیا تھا۔
عليها امور الجاهلية وصار الاسلام
غريبا۔

امیر موصوف کے پورے خاندان نے شیخ کے ساتھ مل کر جہاد فی سبیل اللہ میں نمایاں حصہ لیا، اہل علم میں احمد بن سویلم اور اعیٰ بن قاسم خصوصیت سے مشہور ہیں، اہل اثر و رسوخ میں سے محمد الخزیمی، عبداللہ دغیثر، سلیمان بن اوشیقری، احمد بن حسین پیش پیش تھے۔

سیرت و معمولات

امام الدعوۃ، سنت کے حامی، بدعت کے ماحی، تفسیر و حدیث اور فقہ کے بہت بڑے عالم، علوم اور قواعد میں مہارت تامہ رکھنے والے تھے، علل و رجال پر وسیع نظر تھی۔ اصولی و فروعی مسائل کے متعلق معلومات میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی زندگی صلاح، نیک سیرت، اور طہارتِ باطنہ کی حامل تھی؛ ذکر و اذکار، عبادتِ الٰہی میں اکثر مشغول رہتے تھے۔ متواضع، رحم دل اور مہمان نواز تھے، دن میں کئی بار عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے درس اور مجالس منعقد ہوتی تھیں، صابر، حلیم، غصہ پر قابو پانے والے تھے مگر دین کے بارے میں سخت اور غیر متشدد تھے۔

عقیدہ و مذہب

آپ عقیدۃً اور عملاً سلفی تھے۔ خود ان کی تصانیف ان کے مذہب و عقیدہ کا تعارف کراتی ہیں، اسی کتاب التوحید کو دیکھئے وہ عقائد بیان کیے ہیں جن پر سلف صالحین، صحابہ کرام و تابعین گزرے ہیں۔ صحیح بخاری کی کتاب التوحید اور کتاب التوحید لابن خزیمہ اور کتاب الایمان لابن مندہ اور کتاب اعتقاد السلف للبیہقی وغیرہ کے ابواب کا خلاصہ اور امام عثمان دارمی اور امام عبداللہ بن الامام احمد وغیرہما کی کتابوں کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ آپ محقق تھے، جامد مقلد نہیں تھے۔ کتاب و سنت کے مقابلے میں کسی کا قول و فعل یا رائے اور قیاس کو حجت نہیں جانتے تھے بلکہ اس کے سخت خلاف تھے، کتاب کا ایک عنوان قائم کرتے ہیں کہ باب من اطاع العلماء والامراء فی تحریم ما احل اللہ او تحلیل ما حرم اللہ فقد اتخذہم اربابا من دون اللہ۔

اس کے بعد متصل دوسرا باب تحاکم الی الطاغوت کی مذمت میں ذکر کیا ہے۔ یہی شیخ کا مسلک تھا جسے ورثہ میں اپنی اولاد کے لیے چھوڑا۔ چنانچہ آپ کے خاندان کے ایک فرد شیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن بن شیخ محمد بن عبد الوہاب اپنا اور اپنا آبائی مسلک یوں بیان کرتے ہیں:

واذا بانت لنا سنة صحيحة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عملنا بها ولا نقدم عليها قول احد كائنا من كان بل نتلقها بالقبول والتسليم لان سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في صدورنا اجل واعظم من ان نقدم عليها قول احد فهذا الذي نعتقده وندين الله به۔ (الهدية السنية - ص۹۳)

ہمیں جب رسول اللہ ﷺ کی سنتِ صحیحہ مل جائے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں، اسی کو مانتے اور اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر کسی کے قول کو مقدم نہیں ٹھہراتے اس لیے کہ ہمارے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت انتہائی اہمیت و عظمت کی حامل ہے اس پر ہم کسی کے قول کو ترجیح نہیں دے سکتے یہی ہمارا عقیدہ اور یہی ہمارا دین ہے۔

مخالفت

ایسے مصلح و مجدد کی مخالفت کوئی نئی چیز نہیں،

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ (الذاريات - ۵۲)

یونہی ہوتا رہا ہے ان سے پہلی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون،

خود انبیائے کرام علیہم السلام کی بڑی شدت سے مخالفت ہوئی، شیخ الاسلام کے مخالفین نے بہتان تراشی اور افتراپردازی کو اپنا حربہ بنایا جس کی چند مثالیں پیش ہیں:

کسی نے کم علمی و کم فہمی کا الزام دیا سید انور شاہ کشمیری نے یوں کہا ہے:

اما محمد بن عبد الوهاب النجدي فكانه كان رجلا بليدا قليل العلم فكان يتسارع الى الحكم بالكفر۔ (فیض الباری جلد ۱ ص۱۷۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب بلید الذہن کم علم شخص تھے اور دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگانے میں بہت تیز تھے،

تعصب کا بُرا ہو۔ کیا شاہ صاحب نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کا مطالعہ نہیں کیا ہوگا یہی کتاب التوحید جو کسی چھوٹے بڑے عالم سے مخفی نہیں اس کے مؤلف کو قلتِ علم وغیرہ کی طرف منسوب کرنا سراسر تعصب اور ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے ؟

کسی نے تکفیر و قتل علماء کا الزام لگایا۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتا ہے :

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا قتل اهل السنة وقتل علمائهم۔	جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہوا۔ محمد بن عبدالوہاب کے متبعین کو دیکھیے کہ وہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب آگئے۔ وہ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمان صرف وہی ہیں اُن کے خلاف عقیدہ رکھنے والے مشرک ہیں، انہوں نے اہلِ سُنّت اور ان کے علماء کے قتل کو مباح قرار دیا ہے۔

(رد المحتار حاشیہ الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۲۶۲ طبع ثانیہ)

یہ الزام جتنا جھوٹ اور افترا ہے اتنا ہی بے معنیٰ، خود ان کی تصنیفات اس کی تکذیب کرتی ہیں۔

کتاب التوحید میں ان کاموں کو شرک بتایا ہے جن کا قرآن و حدیث اور آثار سلف سے شرک ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ شیخ اور ان کی جماعت کا کوئی نیا عقیدہ تھا جس کی مخالفت کرنے والے کو مشرک سمجھتے تھے چنانچہ ایک باب توحید کی تفسیر میں لا کر مسلم شریف کی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں، کہ :

من قال لا اله الا الله وکفر بما یعبد من دون الله حرم ماله ودمه وحسابه علی الله عزوجل	جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور جس چیز کی اللہ کے بغیر عبادت کی جاتی ہے اس سے کفر کیا اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ عزّ و جلّ کے سپرد ،

اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

هذا من اعظم ما یبین معنی لا اله الا الله فانه لم یجعل التلفظ بها عاصما للدم والمال بل ولا معرفة	یہ ایک بہت بڑی چیز ہے جو لا الٰہ الا اللہ کے معنیٰ و مفہوم کو واضح کرتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط اس لفظ کا زبان سے ادا کر دینا خون اور مال کی حفاظت کا ضامن

معناها مع لفظها بل ولا الاقرار بذلك بل ولا كونہ لا يدعو الا الله وحده لا شريك له ۔ بل ولا يحرم ماله ودمه حتی يضيف الی ذلك الكفر بما يعبد من دون الله فان شك او توقف لم يحرم ماله ولا دمه۔ فيالها من مسئلة ما اعظمها واجلها ويالها من بيان ما اوضحہ وحجۃ وما اقطعها للمنازع ۔ اھ	بن جاتا ہے بلکہ اس لفظ کے ساتھ ساتھ اس کے معنیٰ کی معرفت اور اس کا اقرار بھی اس کا ضامن نہیں ہو سکتا، اور زبان سے یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کے سوا کسی کو نہیں پکارے گا۔ اس کے دم و مال کو نہیں بچا سکتا۔ اس کو اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو ماننے سے انکار کر دے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے اگر وہ اس میں شک یا توقف کرے گا تو پھر بھی اس کا مال اور خون حرام نہیں ہو گا اندازہ کرو کہ یہ کس درجہ عظیم الشان اور جلیل القدر مسئلہ ہے اور اس کی تبیین و وضاحت، مخالف کے لئے کس درجہ اپنے اندر حجتِ قاطع لئے ہوئے ہے۔

- اس باب سے چند امور واضح ہوتے :
- جو شخص موحد ہے اس کا خون اور مال دوسروں پر حرام ہے۔
- توحید سے وہی مراد ہے جو قرآن و حدیث نے بیان کیا ہے۔

اور وہ صرف کلمہ پڑھ لینے یا ایک اللہ کو پکارنے پر کافی نہیں بلکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر اس چیز کا انکار کرے کہ ماسوی اللہ جس کی پرستش کی جاتی ہے اس صراحت کے بعد کون عقلمند ہو گا جو اس الزام کو باور کرے گا، جس کا ذکر ابن عابدین نے کیا ہے شیخ رحمہ اللہ نے تو وہی عقیدہ ذکر کیا ہے جو کتاب و سنت میں مذکور ہے اور جو شخص بموجب کتاب و سنت موحد ہے، اس کے خون بہانے یا مال لینے کو حرام بتاتے ہیں، شیخ الاسلام نے جو توحید کی تفسیر بیان کی ہے وہی حدیث بالا میں مذکور ہے۔

شیخ رحمہ اللہ کتاب "کشف الشبہات" میں فرماتے ہیں :

الرجل اذا اظهر الاسلام وجب الكف عنه ۔ اھ	انسان جب اپنے اسلام کا اظہار کر دے تو اس سے ہاتھ روک لینا ضروری ہے۔

اسلام وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا، اور جس پر صحابہ عامل تھے، یہی اہل سنت ہیں۔

مجدّد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالے میں اسلام کو یوں بیان کیا ہے۔

فاذا قیل لک ایش دینک؟ فقل دینی الاسلام۔ واصلہ وقاعدتہ امران۔ الاول الامر بعبادۃ اللہ وحدہ لاشریک لہ والتحریض علی ذلک والموالات فیہ وتکفیر من ترکہ والانذار عن الشرک فی عبادۃ اللہ والتغلیظ فی ذلک والمعاداۃ فیہ والتکفیر من فعلہ وھو مبنی علی خمسۃ ارکان شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ	جب تم سے پوچھا جائے کہ تیرا دین کیا ہے؟ تو تم کہو میرا دین اسلام ہے اور اس کی بنیاد اور اساس دو چیزیں ہیں: اول اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کا حکم دینا اس کی ترغیب دینا، اس کی بنیاد پر دوستی اور تعلقات قائم کرنا جو اس کو چھوڑ دے اس کو کافر قرار دینا، اللہ کی بندگی میں شرک کے ارتکاب سے ڈرانا، اس میں سختی سے کام لینا اور دشمنی کا اظہار کرنا، جو شخص پانچ ارکان اسلام سے انکار کرتا ہے، اس کی تکفیر کی جائے گی اور وہ ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت
واقام الصلوۃ	اقامتِ نماز
وایتاء الزکاۃ	ادائیگی زکوٰۃ
وصوم رمضان	رمضان کے روزے
وحج البیت مع الاستطاعۃ۔	اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ

ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ شیخ رحمہ اللہ کے نزدیک کون مسلمان ہے اور کون واجب القتل یا لائق عداوت ہے اس سے مخالفین کے تمام الزامات رفع ہو جاتے ہیں۔

شیخ سلیمان بن سحمان نجدی رحمہ اللہ نے کتاب الھدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ ان ہی الزامات کی تردید میں لکھی ہے جس کا مطالعہ کرکے شبہات کو دُور کیا جا سکتا ہے۔

اس میں رسالہ سوم شیخ کے فرزند ارجمند علامہ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب کا ہے۔ جس میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

ولا نکفر الا من بلغتہ دعوتنا الحق ووضحت لہ المحجۃ وقامت علیہ الحجۃ	ہم صرف اسی شخص کی تکفیر کرتے ہیں جس کو ہماری دعوت حق پہنچ گئی اس کے سامنے دلیل واضح اور حجت

واصر مستكبرا معاندا كغالب من نقاتلهم اليوم يصرون على ذلك الاشراك ويمتنعون من فعل الواجبات ويظاهرون بافعال الكبائر المحرمات
(الهدية السنية ص۳۲ مطبوعہ ۱۳۸۹ھ)

قائم ہو گئی ہے۔ لیکن وہ تکبر وعناد کی بنا پر کفر پر مصر ہے جیسا کہ ہم اس دور میں ان اکثر لوگوں سے قتال کرتے ہیں جو شرک پر اصرار کناں ہیں، واجبات و فرائض پر عمل پیرا ہونے سے گریزاں ہیں اور محرمات کبار کا برملا اظہار کرتے ہیں۔

اس صفائی کے بعد اب کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ والحمد للہ

کسی نے یہاں تک کہا :

الظاهر من حال محمد بن عبد الوهاب انه يدعي النبوة الا انه ما قدر على اظهار التصريح بذلك۔

محمد بن عبد الوہاب کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نبوت کا دعوے دار تھا مگر وہ بصراحت اس کے اظہار پر قادر نہ تھا۔

(رسالہ محمد بن عبد الوہاب مصنفہ علامہ مسعود عالم ندوی بحوالہ مصباح الانام ورق ص۵، ۶ وکلکتہ گزٹ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء ضمیمہ ص۴۵، ۴۳۷)

لیکن سچ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد، جب شیخ نے ظاہر ہی نہیں کیا تو پھر آپ کو معلوم کیسے ہوا؟ "ھل شققت عن قلبہ" علیم بذات الصدور تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

خود شیخ رحمہ اللہ اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں :

واومن بان نبينا محمدا صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين والمرسلين
"الدرر السنية جلد اول ص۲۹"

میں اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں :

وحق الانبياء الايمان بهم وبما جاؤا به ... وان محمدا صلى الله عليه وسلم خاتمهم وافضلهم۔
(الدرر السنية جلد ۲ ص۸۱)

انبیاء علیہم السلام کا ہم پر حق یہ ہے کہ ان پر اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لایا جائے ...... اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور سب سے افضل ہیں۔

شیخ محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنا اور اپنے اسلاف کا یہی عقیدہ بیان کرتے ہیں۔

ونؤمن ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین

ہم اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں۔

(الھدیۃ السنیہ۔ ص۹۱)

ان تصریحات کے بعد اب اس الزام کی حقیقت کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہیگی، کسی نے انکارِ حدیث کا الزام دیا جیسے احمد بن عبداللہ باعلوی مصنف مصباح الانام حالانکہ شیخ رحمہ اللہ کی سب کتابیں اور رسائل وخطوط احادیثِ نبویہ سے مشحون ہیں جگہ جگہ احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ باعلوی کے رد میں شیخ سلیمان بن سحمان نجدی نے مبسوط کتاب الاسنۃ الحدادنی ردشبہات علوی الحداد لکھ کر اس کے تمام الزامات وافتراءات کا کافی وشافی جواب دیا ہے۔

ایک اور عراقی شخص جمیل آفندی نے بھی کچھ الزامات اور بہتان جمع کیے اور شیخ سلیمان رحمہ اللہ نے ان کا بھی مدلل جواب بنام الضیاء الشارق فی ردشبہات الماذق المارق لکھا اور سب الزامات کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء،

تصنیفات

امام الدعوۃ رحمہ اللہ نے کئی رسائل وکتب تصنیف کیے جو سب کے سب دلائل قرآنیہ وبراہینِ حدیثیہ سے مزین وآراستہ ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی یہی کتاب التوحید معرکۃ الآراء ہے

۱۔ کتاب التوحید: الذی ھو حق اللہ علی العبید ہے۔ جس کا تعارف ہو چکا ہے۔

۲۔ کشف الشبہات: یہ کتاب التوحید کا تتمہ ہے۔ جس میں مخالفین کے شبہات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ کئی بار طبع ہو چکی ہے، ان دو کتابوں کے بعد بھی سلسلہ تصنیف وتالیف جاری رہا

۳۔ الاصول الثلاثۃ وادلتہا

اس رسالے میں تین اہم اصول بیان کیے ہیں۔

معرفۃ الرب

معرفۃ الدین

معرفۃ النبی

یہ سوال وجواب کی نوعیت پر بیان کیے گئے ہیں گویا کہ دعائے مسنون رضیت باللہ ربا، و بالاسلام دینا، و بمحمد نبیا،

کی تفسیر وتوضیح ہے اور قبر میں ہونے والے تین سوال، کہ

من ربک؟ تیرا رب کون ہے؟

ومن نبیک؟ تیرا نبی کون ہے؟

ومادینک؟ اور تیرا دین کیا ہے؟

کے صحیح جواب دینے والوں کا عقیدہ بیان کیا ہے یہ رسالہ بھی کئی بار چھپ چکا ہے

تفسیر کلمۃ التوحید

اس رسالہ میں لا الٰہ الا اللہ کی مختصر مگر جامع اور آسان تشریح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہی کلمہ کفر اور اسلام میں حدِ فاصل ہے اور کلمۃ التقوٰی، العروۃ الوثقیٰ بھی یہی ہے اور یہی وہ کلمہ باقیہ ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نسل کے لیے چھوڑا ہے۔

اربع قواعد من الدین تمیز بین المؤمن والمشرکین :

اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ شرک سے بالکل پاک ہے اس کی معرفت چار قواعد پر مبنی ہے۔

۱۔ اوّل یہ کہ جن کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو خالق رازق، محی، ممیت، نافع، ضار، اور مدبر الامور مانتے تھے مگر صرف اسی عقیدہ کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں سمجھا گیا۔

۲۔ دوم یہ کہ وہ خود اقرار کرتے تھے کہ ہم نے جن کو اللہ کا شریک بنایا وہ صرف اس لیے کہ ان کی معرفت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے حق میں شفاعت کریں گے۔

۳۔ سوم یہ کہ اس وقت مشرکین کئی قسم کی اشیا کی پرستش کرتے تھے۔ جاندار، بے جان شجر وحجر، شمس وقمر انبیاء، صلحاء اور ملائکہ وغیرہ کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے یکساں قتال کیا اور کوئی فرق نہیں کیا۔

۴۔ ہمارے دَور کے مشرک ان سے بڑھ کر ہیں وہ تکلیف اور غم میں دوسروں کو بھلا کر صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے اور آرام و خوشی کے وقت دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ اس کے برعکس اب کے لوگ ہر وقت شدّت و رخا میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

ان چار قواعد کو سمجھنے کے بغیر اقامت ملتِ حنیفیہ ممکن نہیں ہے۔

تلقین اصول العقیدۃ للعامۃ

اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس پر دلائل ذکر کیے ہیں۔ اور ایمان و اسلام کے اصول اور نبوت پر ایمان اور بعث بعد الموت پر یقین رکھنا بیان کیا گیا ہے۔

ثلاث مسائل

اس میں تین اہم مسئلے بیان کیے گئے ہیں :

۱۔ ہم بیکار پیدا نہیں ہوئے۔ شریعتِ اسلامیہ پر عمل سے جنت ملے گی اور شریعت کی مخالفت سے جہنم۔

۲۔ شریعتِ اسلامیہ میں سب سے بڑا اور مہتم بالشان کام توحید ہے۔

۳۔ موحد انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کے منکرین اور مخالفین کے ساتھ دوستی نہ رکھے۔

معنی الطاغوت ورؤوس انواعہ

اس میں طاغوت کی یہ تعریف کرتے ہیں :

الطاغوت عام لکل ما عبد من دون اللہ ورضی بالعبادۃ من معبود او متبوع او مطاع فی غیر طاعۃ اللہ ورسولہ فھو الطاغوت والطواغیت کثیرۃ۔

طاغوت عام ہے اور اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی اللہ کے سوا بندگی کی جائے اور کسی معبود کی عبادت پر رضامندی کا اظہار کیا جائے یا اللہ اور اُس کے رسول کے علاوہ کسی متبوع یا مطاع کی عبادت کی جائے یہ سب طاغوت میں شامل ہے، اور طواغیت بہت سے ہیں۔

اس کے بعد بڑے بڑے طواغیت کو شمار کیا ہے، جیسے شیطان، ظالم حاکم، شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والے، علم غیب کے مدعی، اپنی پرستش پر راضی رہنے والے افراد۔

الاصل الجامع لعبادۃ اللہ وحدہٗ

اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی بجاآوری اور نواہی سے اجتناب ایسا جامع اصول ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہو سکتی ہے۔

ستۃ مواضع من السیرۃ

اس میں سیرت و تاریخ کے وہ چھ ادوار ذکر کیے ہیں جن میں ایک داعی الی اللہ کے لیے رہنمائی ہے۔

انذار، دینِ اہلِ شرک کی تردید، غیر اللہ کو وسیلہ بنانے کی مذمت، قریب ترین اور عزیز چچا ابوطالب کے حق میں استغفار سے روکنا، واقعہ ردہ جس میں سب لوگ آپ کے منکر نہ تھے، تاہم سب کے ساتھ اہلِ اسلام نے جنگ کی۔

مسائل الجاہلیۃ

اس میں ان ۱۱۹ امور کا ذکر کیا گیا ہے جو قبل از اسلام دورِ جاہلیت میں مروّج تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت اور تردید کی جس سے اہلِ حق اور باطل میں تمیز ہوئی۔

نواقض الاسلام

اس میں وہ بارہ امور ذکر کیے ہیں جو اسلام کے منافی ہیں، یہ رسائل ایک مجموعہ کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں جس کا نام "الجامع الفریدۃ" ہے۔

فضل الاسلام

اس میں اسلام کے شرائط اور بدعت و شرک کی برائیوں کو واضح کیا گیا ہے۔

کتاب الکبائر

اس میں کبیرہ گناہوں کو ابواب کی صورت میں بیان کیا ہے۔

نصیحۃ المسلمین

اس میں اسلامی شعبوں کو ابواب کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

اصول الایمان

اس میں مختلف ابوابِ احادیثِ ایمان کی تشریح کی ہے

مذکورہ چار رسائل مجموعۃ الحدیث النجدیہ میں درج ہیں، یہ مجموعہ متعدد بار طبع ہوا ہے۔ آخری طبع ۱۳۸۹ھ میں ہوئی۔

تفسیر بعض سور القرآن

سورۃ فاتحہ کی عالمانہ لیکن مختصر تفسیر ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ محبت، خوف، امید اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ نیز اس میں باطل فرقوں کا رد بھی ہے، توحید ربوبیت توحید الوہیت اور توحید صفات کا مختصر خاکہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

احکام الصلوٰۃ

اس میں نماز کے شروط، ارکان، واجبات، مبطلات، وضو کے فرائض، شروط اور نواقض بیان کیے ہیں۔

مختصر سیرۃ الرسول ﷺ

یہ کتاب ۱۳۷۵ھ میں طبع ہوئی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا نسب، آخری زندگی تک کے واقعات، غزوات، اور سیرت کو بیان کیا ہے اور حسن رضی اللہ عنہ تک خلفاء کے حالات باختصار ذکر کیے ہیں۔

الهدی النبوی

علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب زاد المعاد کا اختصار ہے۔ یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

ان کے علاوہ شیخ رحمہ اللہ کے کئی خطوط اور متفرق مضامین ہیں جو الدرر السنیہ میں درج ہیں۔ سب میں توحید و سنت کی طرف دعوت ہے۔ ان میں آیات و احادیث مذکور ہیں۔ گویا علمی دریا بہہ رہا ہے یہی آثار شیخ رحمہ اللہ کی یادگار ہیں۔ علماء اور عوام سب نے استفادہ کیا اور اپنے سینوں کو ہدایت سے منور کیا۔

فائدہ

شیخ موصوف رحمہ اللہ راقم الحروف کے تین واسطوں سے استاذ ہیں۔ علامہ شیخ محدث ابو محمد عبد الحق بہاول پوری مہاجر مکی مدرس الحرم الشریف المتوفی ۱۳۹۲ھ نے جو اجازت روایت عطا فرمائی تھی، اس میں صحیح بخاری کی ایک سند یوں ذکر کرتے ہیں۔

اخبرنا احمد بن عبد الله بن سالم البغدادي عن عبد الرحمن بن

حن بن محمد بن عبدالوھاب عن جدہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوھاب النجدي الدرعی - اھ

وفات

آپ آخرِ وقت تک تبلیغ، درس، دعوت وارشاد میں منہمک رہے اور ماہ ذیقعدہ ۱۲۰۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر عالمِ بقا کو روانہ ہوگئے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ واسکنہ جنت الفردوس ورفع درجاتہ ورزقہ لذۃ النظر الی وجھہ الکریم

اولاد

وفات کے وقت شیخ رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے

۱۔ حسین : المتوفی ۱۲۲۴ھ یہ سب سے بڑے اور والد کے جانشین سمجھے جاتے تھے، درعیہ کے قاضی اور جامع مسجد کے پیشِ امام تھے، ان کے بیٹے علی، احمد، حسن، عبدالرحمٰن، عبدالملک سب عالم باعمل تھے۔

۲۔ عبداللہ المتوفی ۱۲۳۳ھ : یہ صاحبِ علم اور لائق مصنف تھے۔ حسین کے بعد آپ ہی ان کے جانشین ہوئے۔ بڑے مجاہد تھے۔ ۱۲۳۳ھ کے اواخر میں جیل میں شہادت پائی۔ آپ نے کتاب التوحید کی ایک شرح بھی لکھی تھی مگر نامکمل رہی۔ ان کی دوسری تصنیف "کتاب التوضیح عن توحید الخلاق" ہے جو ۱۳۱۹ھ میں طبع ہو چکی ہے، ان کے دو بیٹے سلیمان اور علی سقوط درعیہ کے وقت شہید ہوئے۔

۳۔ علی

یہ بھی علم، زہد اور تقویٰ میں ممتاز تھے، علومِ دینیہ پر کافی دسترس تھی، آپ کے لیے عہدۂ قضا پیش کیا گیا مگر تقویٰ نے اجازت نہ دی اور انکار فرمادیا، کم سنی میں فوت ہوئے آپ کے بیٹے محمد بن علی علم میں مشہور ومعروف تھے۔ لوگوں کی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے۔

۴۔ ابراہیم المتوفی ۱۲۲۴ھ

یہ بھی صاحبِ علم تھے۔ کتاب التوحید درساً پڑھاتے تھے۔ عہدہ قضاء سے الگ رہے۔

۱۲۲۴ھ میں وفات پائی۔

شیخ کا ایک اور بیٹا حسن بھی تھا جو آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔

ان کے بڑے صاحبزادے شیخ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ مصنف "فتح المجید" تھے، ان کا سوانحی خاکہ ملاحظہ فرمایئے:

امام الموحدین العلامۃ الشیخ عبدالرحمان بن حسن رحمہ اللہ

العالم الفاضل الورع الکامل المحدث الفقیہ العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب النجدی الدرعی۔

ولادت ونشأت

۱۱۹۳ھ میں اپنے آبائی شہر درعیہ میں پیدا ہوئے۔ اسی خاندانی گھر میں آپ کی پرورش اور تربیت ہوئی، اپنے دادا امام الدعوۃ سے کتاب التوحید ابواب السحر تک پڑھی، کتاب آداب المشی الی الصلوۃ کا کچھ حصہ بھی پڑھا۔ آپ کی مجالس علمیہ میں بیٹھ کر استفادہ کیا۔ جن میں صحیح بخاری، و دیگر کتب حدیث اور فقہ کے درس ہوئے تھے۔

شیوخ

آپ کے کئی اساتذہ ہیں، جن سے علم حاصل کیا جن میں سے چند قابل ذکر ہیں، اپنے جدِ امجد کے علاوہ اپنے اعمام عبداللہ، علی اور حسن سے حدیث و فقہ کے دروس حاصل کیے، نجد کے دوسرے علماء سے بھی کسب علم کیا، مثلاً

شیخ احمد بن ناصر سے مختصر الشرح اور مقنع پڑھی۔

شیخ عبداللہ بن فاضل سے السیرۃ النبویۃ پڑھی۔

شیخ عبدالرحمٰن بن خمیس سے شرح الشنشوری فی الفرائض کی تعلیم حاصل کی۔

شیخ احمد بن حسن بن رشید سے شرح الجزریہ پڑھی۔

شیخ ابوبکر حسین بن غنام سے شرح الفاکہی الیمیہ فی النحو پڑھی، آپ نے نجد کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی تعلیم حاصل کی۔

شیخ الحسن القویسنی المصری سے شرح جمع الجوامع فی الاصول للمحلی اور مختصر السعدی فی المعانی والبیان پڑھی، اور انہوں نے آپ کو اپنی جمیع مرویات کی اجازت دی اور شیخ عبداللہ بن سالم البصری کا ثبت اوائل الکتب عطا کیا۔

شیخ عبدالرحمان الجبرتی سے مسلسل بالاولیہ[1] بمع جمیع مرویات کی اجازت حاصل کی۔

شیخ عبداللہ بن سودان جو کہ مصر میں آپ کے سب سے بڑے استاد ہیں ان سے بھی تمام مرویات اور شیخ عبداللہ بن سالم کے ثبت کی اجازت حاصل کی۔

مفتی الجزائر محمد بن محمود الجزائری الاثری، جو ماہر علوم اور پختہ عقیدہ کے مالک تھے سے صحیحین کا کچھ حصہ من طریق ابن سعاد اور الاحکام الکبریٰ للامام عبدالحق الاشبیلی کا پڑھا اور ان سے بھی حدیث مسلسل باولیہ اور جمیع مرویات کی اجازت حاصل کی۔

شیخ القراء بمصر ابراہیم العبیدی جن کے پاس قراء سبعہ تک متصل سند تھی ان سے اول القرآن الکریم پڑھا۔

شیخ احمد بن سلمون حسن الحلی متواضع، ماہر علم القراءۃ کے پاس بھی قراء سبعہ تک اسانید متصلہ تھیں، شارح موصوف ان کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، ان سے قرآن کریم اور الشاطبیہ شرح الجزریہ پڑھی۔

شیخ یوسف الصاوی سے شرح الخلاصہ لابن عقیل کا اکثر حصہ پڑھا۔

شیخ ابراہیم البیجوری سے شرح الخلاصہ للاشمونی باب الاضافۃ تک پڑھا۔

شیخ محمد اللہ منہوری سے جامعہ ازہر میں الاستعارات الکافی فی علمی العروض والقوافی پڑھیں، رحمہم اللہ تعالیٰ،

---

[1] یعنی جس میں ہر راوی اپنے شیخ کے متعلق کہتا ہے کہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ، اور یہ حدیث معروف ہے جس کا متن یہ ہے:

"الراحمون یرحمہم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

اکثر علماء نے اس کو اپنے اثبات میں ذکر کیا ہے مثلاً عبداللہ بن سالم البصری، محمد عابد السندی الشوکانی النخلی اور السنبھلی وغیرہم۔

تلامذہ

آپ کے جدِ امجد کی طرح آپ سے بھی کئی لوگوں نے علم حاصل کیا، آپ کے فرزند شیخ عبداللطیف کے علاوہ آپ کے خاندان کے کئی افراد آپ کے تلامذہ ہیں۔ تین چچازاد بھائی۔

شیخ حسن بن حسین بن محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبدالملک بن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبدالرحمٰن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب
چچازاد بھائیوں کے لڑکے
شیخ حسن بن حمد بن حسین بن محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبدالعزیز بن محمد بن علی بن محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبداللہ بن حسن بن حسین بن محمد بن عبدالوہاب
کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح
شیخ عبدالعزیز بن عثمان بن عبدالجبار بن شبانہ
شیخ عبدالرحمٰن بن احمد النمیری
شیخ عبداللہ بن جبر
شیخ حمد بن عتیق
شیخ محمد بن سلطان
شیخ عبدالعزیز بن حسن بن یحییٰ
شیخ محمد بن ابراہیم بن عجلان
شیخ محمد بن عبدالعزیز
شیخ عبدالرحمٰن بن عدوان
شیخ محمد بن ابراہیم بن سیف
شیخ عبداللہ بن علی بن مرخان
شیخ علی بن عبداللہ بن عیسیٰ

شیخ عبد الرحمٰن بن محمد بن مانع
شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ
شیخ محمد بن عبد اللہ بن سلیم
شیخ محمد بن محمد بن سلیم

آپ کے تلامذہ کا شمار مشکل ہے کیونکہ آپ تا وفات درس و تدریس اور تعلیم میں مصروف رہے۔ تقبل اللہ منہ بقبول حسن،

عادات و اطوار

آپ علم پڑھنے اور پڑھانے کی رغبت کے ساتھ ساتھ دائم العمل، کثرتِ عبادت، خوش خلقی احسان، نیکی، نرمی، رحم دلی، سخاوت، کم گوئی، وقار اور سنجیدگی جیسی صفات حسنہ کی منہ بولتی تصویر تھے، آپ کا تعلیمی طریقہ اتنا سہل اور مؤثر ہوتا تھا کہ طلبہ تھوڑے ہی عرصہ میں اچھے علمی مقام فائز ہو جاتے تھے۔ علامہ ابن بشر مصنف عنوان المجد نے حوادث ۱۲۴۱ھ میں آپ کو ان القاب سے یاد کیا ہے

الشیخ العالم، البحر الزاخر الغزیر، مفید الطالبین، المحفوف بعنایۃ رب العالمین، جامع انواع العلوم الشرعیہ، ومحقق العلوم الدینیہ والاحادیث النبویہ، والآثار السلفیہ، وارث العلم کابراً عن کابر بالذی صارت الاصاغر بافادتہ شیوخا، اکابر قاضی قضاۃ الاسلام والمسلمین، مفتی فرقۃ الانام الموحدین، ناصر سنۃ سید المرسلین، الموفق للصواب فی الجواب۔ آہ

علامہ ابراہیم بن صالح نجدی مؤلف "عقد الدرر" یوں ذکر کرتے ہیں:

الشیخ الامام، العالم الفاضل القدوۃ، رئیس الموحدین، قامع الملحدین کان اماماً بارعاً، محدثاً فقیھاً ورعاً نقیاً تقیاً صالحاً لہ الید الطولیٰ فی جمیع العلوم الدینیہ۔ آہ

آپ کا ذکر خیر۔ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، لاسماعیل باشا البغدادی جلد ۲ صہ ۱۶۲ اور الاعلام للزرکلی جلد ۴ صہ ۵-۱۷۶، معجم المؤلفین لعمر رضا کحالہ جلد ۵ صہ ۱۳۵ اور فہرس المؤلفین بالظاہریۃ وغیرہ کتابوں میں بھی ملتا ہے۔

تصنیفات

سب سے زیادہ مشہور و معروف اور آپ کے علمی تبحر کی خبر دینے والی کتاب فتح المجید شرح کتاب التوحید جس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے اور جس کا ترجمہ ناظرین کرام کے ہاتھ میں ہے۔ نیز کتاب التوحید پر آپ کے حاشیہ قرۃ عیون الموحدین کا بھی ذکر ہوا۔ ان کے علاوہ آپ نے یہ کتابیں لکھیں۔

۳۔ کتاب الرد علی داؤد بن سلیمان بن جرجیس

۴۔ کتاب الایمان

۵۔ کتاب الرد علی اہل البدع

۶۔ کتاب الرد علی عثمان بن منصور

۷۔ مجموعہ رسائل

۸۔ فتاوی

فائدہ

آپ راقم الحروف کے دو واسطوں سے استاذ ہیں' جیسا کہ امام الدعوۃ رحمہ اللہ کے حال میں گزر چکا ہے فالحمد للہ تعالیٰ

وفات

آپ دینِ متین کی خدمت کرتے ہوئے مؤرخہ ۱۱ ذی القعدہ ۱۲۸۵ھ ہفتہ کی شام کو الوداع کر کے دار البقا کو روانہ ہوئے۔

تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ الواسعہ

چودھویں صدی ہجری

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے مناسب سمجھا کہ قرنِ حاضر کو بھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں بھی کئی ایسی شخصیتیں گزری ہیں جنہوں نے توحید کی قلمی خدمت کی ہے۔ جس سے اہلِ حق کی راہ ہموار ہوتی رہی ہے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ صدی رواں بالکل خالی گئی ہے۔

نالہ اگر کرے تو سمجھ بوجھ کر کرے!

بلبل سے کوئی کہدے کہ ہم بھی چمن میں ہیں

رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس صدی میں بھی علمائے دین اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں جس میں بعض سے ملاقاتیں بھی ہوئیں اور بعض سے علمی استفادہ بھی کیا۔

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں

کیسی کیسی صحبتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں

شیخ الکل، امام المتقین، سید المحدثین، تاج الفقہاء، علم العلماء، جامع العلوم النقلیہ والعقلیہ ناصر السنۃ النبویۃ، عمدۃ العاملین، زبدۃ الکاملین، حجۃ اللہ علی الخلق، مجدد القرن، الامام المحدث الفقیہ الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین بن جواد بن علی بن نعمۃ اللہ الحسینی الدہلوی الملقب بہ میاں صاحب المتوفی سنہ ۱۳۲۰ھ، نصف صدی سے اوپر خدمت کا یہ نتیجہ ہے کہ اس وقت سب اہلِ توحید کا سلسلہ تلمذ آپ سے جا ملتا ہے، کتاب

۱۔ ثبوت الحق الحقیق

۲۔ فلاح الولی باتباع النبی

۳۔ رسالہ فی ابطال عمل المولد

مندرجہ بالا تصانیف آپ نے یادگار چھوڑیں۔

ہمارے پردادا جناب الداعی الی اللہ، المجاہد فی سبیل اللہ حامی السنۃ ماحی البدعۃ، جامع العلوم صاحب فیوض وکمالات مجسمہ سنت، پیکر اخلاق، السید رشید الدین شاہ بن السید محمد یاسین شاہ بن السید محمد راشد شاہ الراشدی الحسینی المتوفی سنہ ۱۳۱۷ھ نے اپنی پوری عمر دین کی خدمت اور دعوت الی الحق میں صرف کر دی۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جماعت تیار کی اور ان سے بیعت لی، آپ نے سندھی زبان میں رسالہ بنام توحید نامہ لکھا۔ جس میں آیات واحادیث کا دریا بہا دیا ہے جس سے سندھ کے گوشے گوشے میں توحید پھیلنے لگی، کئی پوجاریوں اور بدعتیوں نے توبہ کی اور آپ کے حلقۂ اہلِ توحید

میں داخل ہوئے نیز آپ نے اسماء اللہ الحسنیٰ کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔

علامہ شیخ فتح محمد نظامانی نے تفسیر مفتاح رشد اللہ کے مقدمہ میں آپ کو مجدد القرن الرابع عشر شمار کیا ہے۔

جدِ امجد، عالمِ ربانی، محدثِ حقانی، حامی الشریعۃ، قامع البدعۃ، مرجع العلماء، زین الکملاء السید ابو تراب رشد اللہ شاہ الراشدی المتوفی ۱۳۴۰ھ، آپ کو علامہ مخدوم محمد عثمان نور نگ زادہ نے مقدمہ تفسیر تنویر الایمان میں ان القاب سے ذکر کیا ہے۔

فاضلِ اجل بے عدیل، مفسرِ آیاتِ قرآنی، محدثِ لاثانی فقیہِ ربانی، مجمع اشتات علوم نقلیہ منبع فہومِ عقلیہ، وارثِ علومِ رسول اللہ آیۃ من آیات اللہ، داعی الخلق الی اللہ

آپ کی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں۔ توحید باری تعالیٰ میں آپ کی مندرجہ ذیل کتب قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ الاقتناء بمسئلۃ الاستواء

اس میں ثابت کیا ہے کہ سلف کا مسلک اسلم واعلم اور احکم ہے اور ابن حجر ہیتمی نے جو کچھ مؤولین کی تائید میں لکھا ہے اس کی تردید کی ہے۔

۲۔ کشف الریب عن مسئلۃ علم الغیب،

اس میں کتاب وسنت اور اقوالِ فقہاء سے ثابت کیا ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ ہی کی صفت ہے جس میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں۔

۳۔ المعونۃ الصمدیۃ فی ردّ اوہام الہدیۃ الاسدیۃ

سید اسد اللہ شاہ ٹکھڑائی نے ایک رسالہ انبیاء اور اولیاء کو غیب دان ثابت کرنے کے لیے لکھا تھا۔ یہ کتاب اس کی تردید میں لکھی ہے۔

۴۔ الفارقۃ بین اہل اللہ والمارقۃ

اس کتاب میں مصنوعی پیروں کی تردید ہے۔ آپ کا چچا زاد بھائی سید نصر اللہ شاہ بن ہدایت اللہ شاہ بن سید محمد یٰس شاہ بن سید محمد راشد شاہ الراشدی وجودی اور ہمہ اوستی مسلک رکھتا تھا۔ جدِ امجد کا اس کے ساتھ چند سالوں تک تحریری مناظرہ ہوتا رہا اور سننے میں آیا ہے کہ سید موصوف بالآخر اس غلط عقیدہ سے توبہ کر کے صحیح عقیدہ سلفیہ کی طرف رجوع ہوئے۔ جدِ امجد نے اس کے ردّ میں جو

رسائل لکھے، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ردود عباد الوجود

سیدِ موصوف کے رسالہ مجمل العلوم کے جواب میں ہے۔

۲۔ المجاہدۃ فی رد المجاہدۃ

۳۔ فیض الودود اتم من نسیم الوجود،

یہ دونوں رسالے مشاہدۃ الوجود اور نسیم الوجود سید نصر اللہ شاہ نے لکھے تھے، آپ نے ان کا رد لکھا تھا۔

ہمارے والد ماجد الداعی الی السنۃ، الناہی عن البدعۃ المحدث النقاد، العارف بالعلل و الرجال، العابد الزاہد المتقی ابو محب اللہ احسان اللہ شاہ الراشدی المتوفی ۱۳۸۵ھ آپ کو شیخنا ابو محمد عبدالحق الہاشمی البہاولپوری المکی رحمہ اللہ فن اسماء الرجال میں امام الوقت مانتے تھے۔ آپ نے اپنی آبائی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے توحید و سنت کو سندھ کے چپہ چپہ میں پھیلایا اور کئی بار مناظرے ہوئے کسی طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں کی، ہر طمع ولالچ کو لات ماری اور باوجود حریفانِ وقت کی طرف سے طرح طرح کی مشکلات کے پھر بھی اشاعتِ سنت کی طرف قدم بڑھتا ہی رہا۔

مہر و وفا میں یار نے جب امتحاں لیا!
سب عاشقوں میں نمبرِ اوّل ہمیں رہے

سرزمینِ نجد و حجاز میں جب قبے اور غیر شرعی اونچے مزارات گرائے گئے تو اس وقت توحید کے مخالفین کا طیش میں آنا ناگزیر تھا۔ کاش جو حالت اس وقت سندھ کی تھی وہ قارئینِ کرام دیکھتے۔ اور تو اور فرضی نمازوں کے بعد ذکر و وظائف کے بجائے مبتدعین معاندین کا مشغلہ یہ تھا کہ امیر المومنین امام المسلمین ملک المملکۃ العربیۃ السعودیۃ عبدالعزیز بن عبدالرحمن و دیگر علماء، و حکام نجد کو گالیاں دیتے اور لعنت بھیجتے تھے ان کو ذکرِ الٰہی بھولا ہوا تھا۔ یہی ان کا ورد و وظیفہ تھا اور اس آیتِ کریمہ کا مصداق تھا

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي

(تم وہی لوگ تو ہو) کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار، ہم ایمان لائے۔ ہمیں معاف کر دے، ہم پر رحم کر تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے تو تم نے ان کا مذاق بنا لیا، یہاں تک کہ ان کی ضد

وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ ... نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان
تَضْحَكُوْنَ ... پر ہنستے رہے۔

(المؤمنون - ۱۰۹، ۱۱۰)

ایسے وقت میں والد ماجد نے سندھی زبان میں ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں آیات و احادیث کو جمع کیا اور اقوالِ سلف کو بھی ذکر کیا کہ جو کچھ امام المسلمین نے کیا ہے، وہی عین شریعت الٰہی اور عقیدہ سلف صالحین اور اہلِ حق کے موافق ہے پھر سندھ کے مختلف حصوں میں اپنے نمائندوں کے ہاتھ رسالہ تقسیم فرمایا اور پڑھ کر لوگوں کو سنایا، اس کے بعد یہ آگ ٹھنڈی ہوئی اور کافی لوگوں کے دِل سے جو انگریزوں نے وہابیت سے نفرت ڈالی تھی وہ کم ہوئی اور پھر سے وہ معدودے چند علماء جو توحید کے حامی تھے ان کے لیے توحید و سنت پر وعظ و ارشاد کرنے کا موقعہ فراہم ہوا۔

رئیس المفسرین، شیخ المحدثین، امام المناظرین ابن تیمیہ زماں شوکانی دوراں، سردار اہلِ حدیث فی الہند شیخنا الشیخ الامام المتقی النقی العالم العامل الورع الکامل محب السنۃ، محمود اہل البدعۃ، بقیۃ السلف عمدۃ الخلف مجدد القرن ابوالوفاء ثناء اللہ بن محمد خضر الکشمیری الاصل ثم الامرتسری المتوفی ۱۳۶۷ھ کی دینی خدمات کو اگر لکھنا شروع کردوں تو خود مجھے معلوم نہیں کہ قلم کہاں جا کر رکے گا۔

ع : اولئك اٰبائی فجئنی بمثلهم

آپ کی توحید پر بے شمار تصانیف ہیں۔ جن میں سے

۱۔ شمع توحید

۲۔ کلمہ طیبہ

۳۔ مسلک اہل الحدیث

معروف ہیں، جملہ باطل فرقوں آریہ، عیسائی، قادیانی اور چکڑالوی وغیرہ سے صرف مناظرے ہی نہیں کیے بلکہ ان کی تردید میں کئی کتابیں لکھیں۔ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک بلاناغہ ہفتہ وار اخبار بنام اہلحدیث نکالتے رہے جس میں توحید و سنت کی طرف دعوت اور شرک و بدعت کی مذمت کے ساتھ ساتھ فرقہ مبتدعہ و باطلہ کی پرزور تردید ہوتی رہی۔

نواب معلّی القاب مرجع العلماء وعمدۃ الکملاء، ومنبع الفیوض الرحمانیہ، ناشر السنۃ النبویہ المحدث الفقیہ العلامہ السید صدیق بن حسن بن علی الحسینی البخاری القنوجی البوفالی المتوفی ۱۳۰۷ھ کی شہرہ آفاق

ہستی نے ہر فن میں کتابیں لکھیں، عقائد اور توحید میں آپ کی کئی کتابیں معروف ہیں مثلاً عربی زبان میں
"الدین الخالص" جو پہلے پہل ہند میں پھر عرب میں چھپی ہے اور اکثر کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔

۲۔ الانتقاد الرجیع فی شرح الاعتقاد الصحیح

۳۔ مقتطف فی بیان عقیدۃ اہل الاثر

۴۔ قصد السبیل الی ذم الکلام والتاویل

۵۔ مسلک السعادۃ فی افراد اللہ بالعبادۃ

۶۔ اللواء المعقود لتوحید الرب المعبود

۷۔ المعتقد والمنتقد

۸۔ الجوائز والصلات فی جمیع الاسامی والصفات

فارسی زبان میں

۱۔ المقالۃ الفصیحۃ فی الوصیۃ والنصیحۃ

۲۔ ترجمہ شرعۃ الاسلام

اردو زبان میں

۱۔ الاحتواء علی مسئلۃ الاستواء

۲۔ النصح السدید لوجوب التوحید

۳۔ مراد المرید لاخلاص التوحید

۴۔ منہاج العبید الی معراج التوحید

۵۔ الانفکاک عن مراسم الاشراک

آپ کی تصانیف اہل علم کے ہاں بڑی قیمت رکھتی ہیں۔

شیخنا العلامۃ، بیہقی الوقت شیخ الحدیث الفقیہ النبیہ الادیب الاریب الشیخ ابوسعید شرف الدین بن امام الدین الدہلوی المتوفی ۱۳۸۱ھ نے شرکیہ دم جھاڑ کی تردید میں "کتاب الاکراہ" لکھی۔

نواب عالی جناب، عالم باعمل، فقیہ وقت، محب السنۃ وحید الزماں بن مسیح الزماں الدکنی المتوفی ۱۳۳۸ھ نے الانتہاء فی مسئلۃ الاستواء لکھی۔

علامۂ وقت شیخ مولا بخش گزدر بن یاسین جو جیروی المتوفی ۱۳۲۵ھ نے رسالہ التوحید لکھا۔

آپ کے فرزند علامہ ابوسعید عبدالغنی المتوفی ۱۳۴۱ھ نے بھی بدعت کے رد میں ایک کتاب لکھی۔

شیخنا العلامہ المحدث، استاذ العلماء، فضل الفضلاء الصابر الصائم، الشیخ الحافظ عبداللہ بن روشن دین الروپڑی الامرتسری اللاہوری المتوفی ۱۳۸۴ھ نے توحید پر کافی کتابیں لکھیں جن میں :

۱۔ توحید الرحمٰن بجواب استمداد از عباد الرحمٰن

۲۔ زیارت قبر نبوی ﷺ

۳۔ بکرا دیوی

۴۔ امامت مشرک

۵۔ کلمہ توحید

۶۔ وسیلہ بزرگاں

۷۔ شرکیہ دم جھاڑ میں فیصلہ کن بحث

۸۔ سماع موتیٰ

۹۔ ٹھیٹھ اسلام

مشہور ہیں۔ نیز آپ کا ہفتہ وار جریدہ تنظیم اہل حدیث سالہا سال سے توحید و سنت کی خدمت کر رہا ہے اس وقت آپ کے بھتیجے علامہ محترم حافظ عبدالقادر روپڑی اسے چلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ دیر تک اس پرچہ کو آباد و شاد رکھے۔ آمین

علامہ حافظ عبدالجبار بن بدرالدین عمرپوری المتوفی ۱۳۴۴ھ نے صمصام التوحید فی رد التقلید لکھی۔

سیف اللہ الباہر، واسد اللہ القاہر، خطیب اہل الحدیث معین الحق، مدحض الباطل، زین اہل القلم الشیخ العلامہ محمد بن ابراہیم بن محمد جوناگڑھی المتوفی ۱۳۶۰ھ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کی تصانیف پورے پاک و ہند میں زبان زد خاص و عام ہیں مسئلہ توحید پر آپ کی درج ذیل کتب قابل ذکر ہیں :

۱۔ توحید محمدی

۲۔ عقائد محمدی

۳۔ عقیدہ محمدی

۴۔ میلادِ محمدی

۵۔ قبروں پر پھول

۶۔ کتاب الاکراہ

آپ کا اخبار محمدی ایک طویل عرصہ تک توحید و سُنّت کی اشاعت کرتا رہا جس سے اہلِ شرک و بدعت کے مکر و دجل کے گریبان چاک ہوتے رہے مجھے یاد ہے کہ بچپن کا زمانہ تھا کہ والد بزرگوار کی طرف یہ اخبار میرے ہی نام پر آتا تھا۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیے کیا یاد آیا!

شیخ المشائخ، وحید الدہر، محدث العصر مجسم تقویٰ العالم الفاضل عامل کامل شیخ العلام محمد بشیر بن بدر الدین السہسوانی المتوفی ۱۳۲۶ھ نے کتاب:

صیانۃ الانسان عن وساوس الشیخ دحلان

لکھی جس نے اہلِ بدعت کے حلقوں میں تہلکہ مچا دیا، نیز حدیث شدّ الرحال کے بارے میں آپ کے تین رسائل مشہور ہیں:

۱۔ القول المحکم

۲۔ القول المنصور

۳۔ السعی المشکور

علامہ شیخ حمید اللہ بن محمد خلیل سراہ والے المتوفی ۱۳۳۰ھ نے کتاب خطبات توحید تحریر فرمائی۔

علامہ سید امیر احمد بن سید امیر حسن محدث فاضل المتوفی ۱۳۰۶ھ نے تقویۃ الایمان کی حمایت میں کتاب نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل لکھی

علامۃ الزمان، محدث الاوان، بطل الابطال، عدیم النظیر والمثال الشیخ ابو القاسم سیف البنارسی المتوفی ۱۳۶۹ھ نے

۱۔ رمی الجمرتین علی شاک کلمۃ الشہادتین،

۲۔ لواء الاسلام

لکھیں۔

علامہ محمد شکر اللہ میرٹھی الواعظی المتوفی ۱۳۱۵ھ نے تقویۃ الایمان کی تائید میں العجالۃ فی ازالۃ الازالۃ لکھی۔

فخر المحدثین، حافظ الوقت، عالم بے بدل، عامل بے مثل، الشیخ الکبیر ابو العلی عبد الرحمان بن الحافظ عبد الرحیم المبارکفوری المتوفی ۱۳۵۳ھ نے خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون تصنیف فرمائی۔

علامہ ابو المکارم محمد علی بن میاں حسام الدین المتوفی ۱۳۵۲ھ نے مولود و قیام کی تردید میں کتاب فراسۃ المومنین لکھی؛

شیخ محمد سعید بن صبغۃ اللہ المدراسی المتوفی ۱۳۰۶ھ نے عقائد میں کتاب التبنیہ علی التنزیہ لکھی۔

شیخ محمد المکی الہندی المتوفی ۱۳۳۴ھ نے کتاب فی معنی لا الٰہ الا اللہ لکھی۔

مناظر لاجواب، مقرر باصواب علامۃ الوقت محدث الامۃ المتقی الزاہد الشیخ عبد العزیز بن احمد الرحیم آبادی المتوفی ۱۳۳۰ھ نے صیانۃ المومنین عن شر المبتدعین تصنیف فرمائی آپ کی علمی قدر و منزلت کو اہل علم ہی جانتے ہیں۔

علامہ سید عبد الباری بن سراج الدین السہسوانی المتوفی ۱۳۰۳ھ نے اعلام الاخیار والاعلام ان الدین عند اللہ الاسلام اور ہدایۃ المبتدعین ترجمہ العقائد الی العقائد لکھیں، نیز نصاریٰ کے رد میں ایک مبسوط کتاب لکھی؛

مبلغ توحید و سنت، قائم بالامر بالمعروف والنہی عن المنکر، الملازم للعبادۃ الشیخ العلامۃ عبد الرحیم پچھمی المتوفی ۱۳۷۰ھ نے بھی توحید پر ایک کتاب لکھی۔

علامہ شیخ اہل اللہ، ناصر سنت رسول اللہ الحافظ المحدث سراج الدین بن اعظم المادھوپوری مہاجر کراچی المتوفی ۱۳۸۰ھ نے کتاب درس توحید لکھی، نیز آپ کی دوسری کتاب عقیدہ اہل حدیث ہے۔

استاذ العلماء معتمد الفقہاء۔ علامہ شیخ عبد الجبار کھنڈیلوی ثم اوکاڑوی المتوفی ۱۳۸۲ھ نے البیان فی زیادۃ الایمان والنقصان تالیف فرمائی۔

علامہ شیخ، ادیب سندھ، صاحب قلم سیال محدث وقت شیخ دین محمد وفائی المتوفی ۱۳۶۹ھ نے تقویۃ الایمان کا سندھی میں ترجمہ لکھا۔ نیز کئی سال تک ماہنامہ رسالہ التوحید نکالتے رہے جس میں توحید و سنت کے موضوع پر آپ کے اور دیگر علمائے عصر کے مضامین شائع ہوتے رہے جس سے سندھی عوام کو گھر بیٹھے توحید کا وعظ ہوتا رہتا تھا۔

شاعرِ سندھ، ادیبِ فاضل، مجاہدِ وقت، سیف اللہ علیٰ اعدائہٖ، فاتح لواری، علامہ الشیخ احمد الملاح البدینوی المتوفی ۱۳۸۹ھ نے سندھی زبان میں کتاب معرفۃ الالٰہ لکھی، جس میں اپنے عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں توحید کے ثبوت اور شرک کے بطلان میں آیات واحادیث اور اقوالِ سلف کو جمع کیا، آپ سندھ کے بڑے ممتاز شاعر تھے، آپ کے اشعار نے مشرکین کے حلقوں پر تلوار کی دھار سے زیادہ کام کیا، فتنہ لواری (مصنوعی حج) کو بند کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر تھا، آپ کے اشعار کے چند مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن میں :

۱۔ گلشن ہدایت

۲۔ فتح لواری

۳۔ ہیکڑائی حق

موحدین کے لیے خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

الشیخ الامام، علم الاعلام سلیمان بن سحمان النجدی المتوفی ۱۳۴۹ھ نے :

۱۔ الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ۔

۲۔ تنبیہ ذوی الالباب السلیمۃ عن الوقوع فی الالفاظ المبتدعۃ الوخیمۃ۔

۳۔ کتاب الاسنۃ الحداد فی ردِ شبہات علوی الحداد

۴۔ الضیاء الشارق فی رد شبہات الماذق المارق

۵۔ تبرئۃ الشیخین الامامین عن تزویر اہل الکذب والمین ،

تصنیف فرمائیں۔

الشیخ العالم، الصلب فی السنۃ، ناصر العقیدۃ السلفیۃ العلامۃ محمد خلیل ہراس المتوفی ۱۳۹۳ھ نے :

۱۔ دعوۃ التوحید

۲۔ شرح القصیدۃ النونیہ

۳۔ شرح الواسطیہ

۴۔ ہذہ ہی الصوفیہ

کتابیں تصنیف فرمائیں

الشیخ المجدد العلامۃ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ الشرقی المتوفی ۱۳۲۹ھ نے حافظ ابن قیمؒ کے قصیدہ نونیہ کی شرح توضیح المقاصد وتصحیح القائد اور الرد علی شبہات المستغیثین بغیر اللہ لکھیں ؛

عالم بے بدل، العلامۃ الفہامۃ محمد یوسف کلکتوی المتوفی ۱۳۹۰ھ نے کتاب دعوۃ حق لکھی۔

مفتی الدیار المصریۃ الاستاذ محمد عبدہٗ المتوفی ۱۳۲۳ھ نے رسالۃ التوحید لکھا

نادرۃ الزماں علامۃ الشیخ حسین الجسر ابو الاحوال الطرابلسی المتوفی ۱۳۲۷ھ نے

۱۔ الرسالۃ الحمیدیۃ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیۃ

۲۔ حقیقۃ الشریعۃ المحمدیۃ لکھیں ،

علامۃ الشیخ المجاہد ابو بکر محمد بن عارف بن عبد القادر بن محمد بن علی بن خوقیر المکی المتوفی ۱۳۴۹ھ نے

۱۔ فصل المقال وارشاد الضال فی توسل الجہال

۲۔ مالابد منہ فی امور الدین

۳۔ حسن الاتصال بفصل المقال فی الرد علی بابصیل وکمال ،

۴۔ التحقیق فی الطریق

وغیرہ کتب تحریر فرمائیں ؛

امام اہل مصر الشیخ الاستاذ رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ نے الایضاح لمسئلۃ المیتۃ لکھا

علامۃ الوقت الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی المتوفی ۱۳۷۶ھ نے

۱۔ القول السدید فی مقاصد التوحید

۲۔ الریاض الناضرۃ والحدائق النیرۃ الزاہرۃ فی العقائد والفنون المتنوعۃ الفاخرۃ

لکھیں ؛

العلامۃ السلفی الشہیر الشیخ آغا محمد منیر الدمشقی القاہری المتوفی ۱۳۶۹ھ نے الحاشیۃ علی الاصول الثلاثۃ وادلتہا لکھی۔

الشیخ العلامۃ المحقق محمد الطیب بن اسحاق الانصاری المدنی المتوفی ۱۳۶۳ھ نے

۱۔ تسہیل الاصول الثلاثۃ وادلتہا

۲۔ عقیدۃ السلف الصالح لکھا۔

رئیس المحققین، مناظر اسلام العلامۃ الشیخ احمد الدین گکھڑوی نے کتاب برہان الحق لکھی۔

الشیخ العلامۃ الحافظ محمد اکرم الانصاری الہالائی السندی المتوفی ۱۳۷۷ھ نے کتاب کشف الغطاء والحجاب عن منع الصلاۃ الی القبور والقباب لکھی۔

الشیخ علامۃ الشہیر ابو المعالی محمود شکری الالوسی المتوفی ۱۳۴۲ھ نے کتاب

۱۔ غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی

۲۔ فصل الخطاب فی شرح مسائل الجاہلیۃ للشیخ محمد بن عبدالوہاب لکھیں۔

علامۃ الوقت الشیخ ابو محمد عبدالستار بن الشیخ عبدالوہاب الدہلوی المتوفی ۱۳۸۶ھ نے

۱۔ حقیقۃ التوسل والوسیلۃ

۲۔ حکم رب الانام فی ابطال عمل المولد والقیام،

۳۔ حکم النبی بکفر من لا یصلی

تصنیف فرمائیں۔

الشیخ السید ابن الآلوسی المفسر العلامۃ الواعظ الباحث الفقیہ نعمان خیر الدین بن محمود شہاب الدین المتوفی ۱۳۱۷ھ نے

۱۔ جلاء العینین فی المحاکمۃ بین الاحمدین

۲۔ الجواب الفسیح لما لفقہ عبدالمسیح

تحریر فرمائیں۔

ان کے علاوہ اور بھی توحید پر لکھنے والے کئی علماء گزرے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے

موجودین اخوان معاصرین میں بھی کئی علماء و فضلاء ہیں جو توحید و عقائد حقہ کو واضح اور عام کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور اس پر کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں اور کئی لکھ رہے ہیں۔ حجاز، نجد، مصر، شام اور عراق کے علاوہ دیگر عرب ریاستوں میں پاک و ہند اور دیگر ممالک میں کئی ایسے حامیانِ توحید ہیں جو سلف کی دعوت کو تازہ کر رہے ہیں۔

ساری دنیا ہے تری سارا زمانہ تیرا،
جس کو سنتا ہوں وہ کہتا ہے فسانہ تیرا

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس سلسلہ کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس باغ کو سرسبز وبارونق اور شاداں رکھے اور موحدین کے دل کو شاد وآباد رکھے اور تا ابدالآباد توحید کی طرف دعوت کا چرچہ باقی رہے۔

دل شاد بامراد رہیں مہربان میرے

آباد حشر تک رہیں سب قدردان میرے

ابو محمد بدیع الدین شاہ

الراشدی السندی

بسم الله الرحمن الرحيم
هداية المستفيد
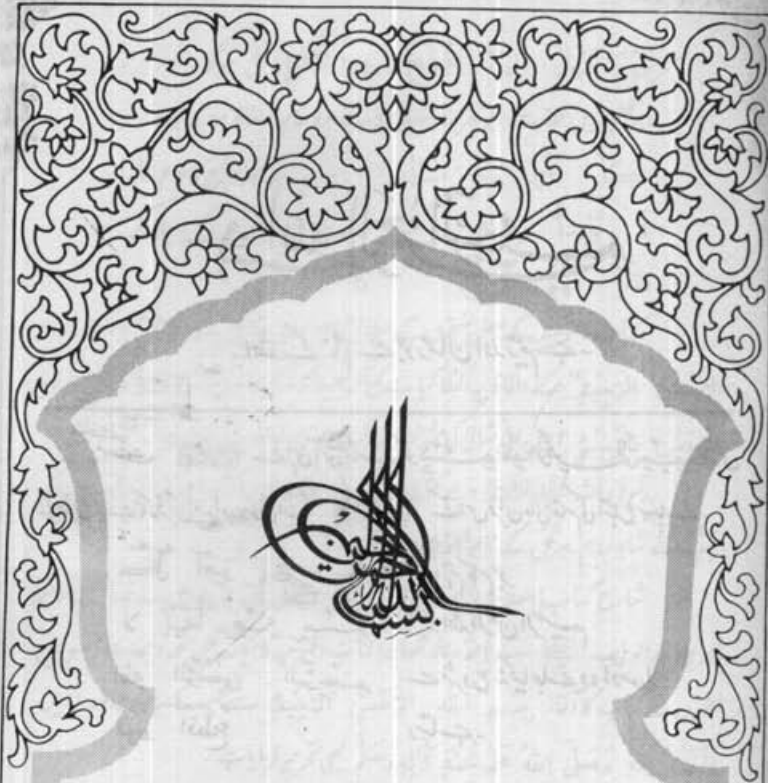
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کو بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ سے اس لیے شروع کیا ہے تاکہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی مقام کی اتباع ہو جائے۔

كُلُّ اَمۡرٍ ذِىۡ بَالٍ لَا يُبۡدَأُ فِيۡهِ بِبِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ فَهُوَ اَقۡطَعُ

ہر اہم کام جو لبسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے۔

ابنِ حبان نے اِس حدیث کو دو طریق سے بیان کیا ہے۔

ابن الصلاح نے اِس کو حسن کہا ہے۔

ابو داؤدؒ اور ابنِ ماجہؒ نے اس کو اِس طرح روایت کیا ہے۔

كُلُّ اَمۡرٍ ذِىۡ بَالٍ لَا يُبۡدَأُ فِيۡهِ بِالۡحَمۡدِ لِلّٰهِ اَوۡ[1] بِالۡحَمۡدِ فَهُوَ اَقۡطَعُ

ہر اہم کام جو الحمد للہ یا الحمد سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے

مسند امام احمدؒ میں یہ الفاظ ہیں:

كُلُّ اَمۡرٍ ذِىۡ بَالٍ لَا يُفۡتَتَحُ بِذِكۡرِ اللّٰهِ

ہر وُہ اہم اور بڑا کام جس کا آغاز اللہ کے ذکر کے ساتھ نہ کیا جائے

[1] راوی کو شک ہے کہ حدیث میں الحمد للہ کے لفظ ہیں یا صرف الحمد۔ (مترجم)

فَهُوَ اَبْتَرُ اَوْ[1] اَقْطَعُ وہ ابتر یا اقطع ہوگا۔

دارقطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ الفاظ مروی ہیں۔

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ ہر وہ اہم اور وقیع کام جو اللہ
لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِذِكْرِ کے ذکر سے شروع نہ کیا جائے
اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ وہ مقطوع ہوگا۔

کتاب التوحید کے بعض نسخوں کے مطابق مصنف رحمہ اللہ نے صرف "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے الفاظ پر اکتفا کیا ہے کیونکہ جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ذکر بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکتوبات میں ان ہی الفاظ پر اکتفا فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ آپؐ نے شاہِ روم۔ ہرقل کے نام مکتوب میں لکھا تھا[2]

شارح کتاب العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے خود شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا کتاب التوحید کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے، جس میں انھوں نے کتاب کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کیا ہے، علاوہ ازیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بھی تحریر فرمایا ہے۔

اس بنا پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے آغاز کرنا حقیقی ہے اور الحمد للہ سے نسبتی اضافی ہے یعنی اس نسبت سے جو الحمد کے بعد ہوتی ہے، جس سے کہ کتاب کا آغاز کیا گیا ہے۔

بسم اللہ کی بٔ متعلق ہے فعل محذوف کے، اکثر متاخرین کے نزدیک اس کے فعل خاص کا متاخر ہونا پسندیدہ ہے۔

> درحقیقت افعال ہی عمل کرتے ہیں اس لیے کہا عمل دراصل افعال کا کام ہے اور عمل خاص اس لیے کہ ہر مبتدی بسم اللہ پڑھتے وقت جس کام کی ابتدا کرنا چاہتا ہے، اس کی نیت کر لیتا ہے، اس فعل محذوف کو متاخر اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ اختصاص پر دلالت کرے اور

---

[1] اس میں راوی کو شک ہے کہ حدیث میں لفظ اَبْتَرُ ہے یا اَقْطَعُ۔ مفہوم دونوں کا ایک ہے۔
[2] اس کے لیے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کتاب بدء الوحی۔ از روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما: طویل حدیث جس میں ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان طویل مکالمہ بیان ہوا ہے۔

خدا کی زیادہ تعظیم ہو سکے اور وجود پیدا ہونے کی زیادہ توفیق ملے اور اس لیے بھی کہ اہم چیز جس کا تذکرہ ہوتا ہے، وہ ذکر الٰہی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"بسم اللہ کی ابتدا میں عامل کے حذف سے کئی فوائد مرتب ہوتے ہیں۔

○ ایک یہ کہ ابتدا ایسا مقام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی چیز کو مقدم نہیں ہونا چاہیے۔

○ دوسرے یہ کہ جب فعل محذوف ہو تو ہر عمل، ہر قول اور ہر حرکت کی ابتدا بسم اللہ ہی کے الفاظ سے کرنا صحیح ہے۔ پس یہاں حذف عام ہوگا۔" بسم اللہ کی "ب" کی حیثیت یہاں کیا ہے؟

○ بعض کے نزدیک مصاحبت کے لیے ہے۔ ○ بعض کا خیال ہے کہ استعانت کے لیے ہے۔ استعانت کی صورت میں کلام یوں مقدر ہوگا۔

بِسْمِ اللهِ أُؤَلِّفُ حَالَ كَوْنِيْ مُسْتَعِيْنًا بِذِكْرِهٖ مُتَبَرِّكًا بِهٖ

میں شروع کرتا ہوں اس کتاب کی تصنیف کا سلسلہ، اللہ کے ذکر سے مدد چاہتے ہوئے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہوئے

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور بِسْمِ اللهِ مَجْرٖىهَا میں فعل کا ظہور کیوں ہوا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام اظہارِ فعل ہی کا تقاضا کرتا ہے، جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

لفظِ "اِسْم"، "سُمُوّ" سے مشتق ہے، جس کے معنی علوّ اور بلندی کے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِسْم، وَسْم سے مشتق ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں۔

اس لیے کہ ہر وہ شے جو موسوم ہوگی، وہ اپنے نام اور علامت سے پہچانی جائے گی۔

قولہٗ : اَللّٰہ :

لفظ "اللہ" کے بارے میں کسائی اور فرّاء کا کہنا ہے کہ اس کا اصل الالٰہ تھا۔ ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور لام کو لام میں مدغم کر دیا گیا چنانچہ دونوں لام ایک مُشدّد و مُفخّم لام کی صورت میں پڑھے جانے لگے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس کا اصل "الالٰہ" ہے جیسا کہ سیبویہ

اور اس کے جمہور اصحاب کا کہنا ہے۔ صرف چند آدمی اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

لفظ "اللہ" تمام اسمائے حسنیٰ کے معانی اور صفاتِ عُلیا کو جامع ہے۔

جو لوگ اس کے اشتقاق کے قائل ہیں، انکا نقطۂ نظر یہ ہے کہ لفظ اللہ اس کی ایک صفت پر دلالت کرتا ہے جس کو الالٰہیہ یا الوہیت کہتے ہیں، جیسا کہ باقی ماندہ اسمائے الٰہی سے بھی (وہ صفت ہی معلوم ہوتی ہے (جس سے مشتق ہوتا ہے) کیونکہ یہ تمام اسماء بلاشبہ اپنے مصادر سے مشتق ہیں (اور قدیم ہیں اور اشتقاق سے ہماری مراد یہ ہے کہ) لفظاً و معنیً اپنے مصادر سے انکا الحاق ہے۔

اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ اسماء اپنے مصادر سے متولد ہیں جس طرح فرع اپنے اصل سے متولد ہوتی ہے اور اہلِ نحو جو ان کو مصدر اور مشتق منہ سے تعبیر کرتے ہیں تو یہ اصل اور فرع کے اعتبار سے ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے متولد ہے، یہ تو صرف اس اعتبار سے ہے کہ ان میں کا ایک دوسرے کو متضمن (بھی) ہے (اور کچھ زیادہ بھی)

ابنِ جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں

لفظ اللہ کا اصل "الالٰہ" تھا۔ وہ ہمزہ جو اسم (کے فا کلمہ) کی طرف واقع ہے گرا دیا گیا، پھر وہ لام جو عین اسم ہے اور وہ زائد لام جو ساکن ہے جمع ہو گئے تو پہلے لام کو دوسرے میں مدغم کر دیا گیا۔ اِس طرح یہ دونوں لام ایک مشدد لام ہی پڑھے جانے لگے۔"

رہا لفظ "اللہ" کا مطلب، تو یہ اُن معنوں میں مستعمل ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِي يَأْلَهُهُ كُلُّ شَيْءٍ وَيَعْبُدُهُ كُلُّ خَلْقٍ	اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے جس کو ہر شے الٰہ مانتی ہے اور جس کی تمام مخلوق عبادت کرتی ہے۔

ضحاک، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا

أَللّٰهُ ذُو الْأُلُوهِيَّةِ وَ	اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر الوہیت

الْعُبُوْدِيَّةِ عَلٰى خَلْقِهٖ اَجْمَعِيْنَ اور عبودیت کا مالک ہے۔

سوال — اگر کوئی ہم کو یہ کہے کہ اِس پر کیا شے دلالت کرتی ہے کہ درحقیقت الوہیت ہی عبادت ہے۔ اور 'الٰہ' کا اِطلاق معبود ہی پر ہوتا ہے اور یہ کہ یہ درحقیقت فعل تفعیل کے وزن پر ہے اور رؤبہ بن عجاج کا یہ شعر پڑھے۔

لله در الغانیات المده سبحن واسترجعن من تالهی

جواب: بلاشبہ تالّہ تفعل کے وزن پر ہے اور یہ اَلَهَ یَاْلَهُ سے ہے۔ جب لفظ "الٰہ" بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں عَبَدَاللّٰہ یعنی اُس نے اللہ کی عبادت کی۔ اِس کا مصدر بھی آتا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہلِ عرب اِس کو صرف فعل تفعیل تک بولتے ہیں اس سے زیادہ نہیں اس کی دلیل وُہ ہے جو حضرت سفیان بن وکیع رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے بیان کی ہے۔ اُنھوں نے اِس کو اِس طرح پڑھا۔ "وَيَذَرَكَ[1] وَ الاهتك" وَ قَالَ عِبَادَتُكَ وَيَقُوْلُ اِنَّهٗ كَانَ يُعْبَدُ وَلَا يَعْبُدُ

ترجمہ: تاکہ یہ (موسیٰ) تم (فرعون) کو اور تمھارے الٰہ کو چھوڑ دے۔ بات یہ ہے کہ فرعون کی عبادت کی جاتی تھی، وہ خود کسی کی عبادت نہیں کرتا تھا۔

ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اِس طرح مروی ہے :۔

وَيَذَرَكَ وَاِلٰهَتَكَ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ فِرْعَوْنُ يُعْبَدُ وَ لَا يَعْبُدُ — اُس (موسیٰ) نے تم کو اور تمھارے الٰہ کو چھوڑ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ فرعون کی تو عبادت کی جاتی تھی، وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا تھا

مجاہد رحمہ اللہ سے بھی اِسی طرح منقول ہے۔

پھر سفیان بن وکیع رحمہ اللہ نے کہا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ اَلَهَ کے معنی "عَبَدَ" ہیں اور "اِلَاهَة" اِسکا مصدر ہے۔ انھوں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

---

[1] یہ سُورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۷ ہے۔ اِس کے الفاظ یہ ہیں وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ۔ ترجمہ :۔ فرعون سے اس کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ کیا تُو موسیٰ اور اُسکی قوم کو یونہی چھوڑ دیگا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور وُہ تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی چھوڑ بیٹھے؟

اِنَّ عِیْسٰی اَسْلَمَتْهُ اُمُّهٗ اِلَی الْکُتَّابِ لِیُعَلِّمَهٗ فَقَالَ لَهُ الْمُعَلِّمُ اُکْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ فَقَالَ عِیْسٰی اَتَدْرِیْ مَا اللّٰهُ؟ اَللّٰهُ اِلٰهُ الْاٰلِهَةِ

حضرت عیسیٰ کو اُن کی ماں نے حصولِ علم کی غرض سے ایک معلم کے سپرد کیا معلّم نے اُن سے کہا بسم اللہ لکھو۔ حضرت عیسیٰ نے کہا معلوم ہے اللہ کیا ہے؟ اللہ تمام معبودوں کا معبود ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اسم الجلالۃ کے دس لفظی خصائص ذکر کرنے کے بعد اس کے معنوی خصائص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ معلم کائنات ﷺ نے فرمایا۔

لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ

اے اللہ! میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تُو اسی طرح ہے جس طرح تُو نے خود اپنی ثنا بیان کی۔

ہم اُس اسم کے خصائص کا کس طرح احاطہ کر سکتے ہیں جس کے مسمّٰی کے لیے تمام تر کمال ہی کمال ہے۔ اور ہر مدح، ہر حمد، ہر ثنا، ہر مجد، ہر جلال، ہر کمال، ہر عزت، ہر جمال؛ ہر خیر، ہر احسان، ہر جود، ہر فضل اور نیکی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف سے ہے

- اللہ کے نام کا ذکر اگر تھوڑی چیز پر کیا جائے تو اس کو زیادہ کر دیتا ہے۔
- اگر یہ اسم خوف کے وقت پڑھا جائے تو اس کو دُور کر دیتا ہے۔
- اگر تکلیف کے وقت پڑھا جائے تو اس کو رفع کر دیتا ہے۔
- اگر تنگی کے وقت پڑھا جائے تو تنگی سے نجات دِلا کر وُسعت پیدا کر دیتا ہے۔
- اگر غم کے وقت پڑھا جائے تو آسانی پیدا کر دیتا ہے۔
- اگر کمزور انسان اس کے ساتھ متعلق ہو جائے تو اسے قوت بخشتا ہے
- اگر رُسوائی کے عالم میں پڑھا جائے تو معزز بنا دیتا ہے۔
- اگر فقیر اور مسکین شخص اس کو پڑھے تو مال دار ہو جاتا ہے۔
- اگر گھبرایا ہوا انسان پڑھے تو اس کی گھبراہٹ ختم ہو جاتی ہے۔
- اگر مغلوب اور شکست خوردہ پڑھے تو اُسے غلبہ اور فتح نصیب ہو جاتی ہے۔

- اگر مجبور و مضطر پڑھے تو اُس سے اِضطراب و مجبوری رفع ہو جاتی ہے۔
- اگر بھاگا ہوا انسان اِس کا وِرد کرے تو اُسے پناہ مل جائے گی۔
- یہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے مصائب اور آزمائشیں دُور ہو جاتی ہیں اور جس سے نزولِ برکات کی تمنا کی جاتی ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، بُرائیاں رفع کر دی جاتی ہیں اور نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔
- یہی وہ اِسم مبارک ہے جس کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں۔
- اِسی سے کتبِ سماوی نازل کی گئیں۔
- اِسی کی وجہ سے انبیاء و رُسل مبعوث فرمائے گئے۔
- اِسی کی بنا پر شرائع اور احکام قائم کیے گئے اور حدود کا تقرر عمل میں لایا گیا۔
- اِسی کی خاطر سلسلہ جہاد فرض کیا گیا ہے۔
- اِسی اِسمِ اعظم کی وجہ سے مخلوقات کی دو قسمیں ہوئیں ایک نیک دُوسری شقی
- اِسی کی وجہ سے حق ثابت ہُوا۔
- اسی کی بدولت قیامت قائم ہوگی (اور واقع ہونے والی واقع ہوگی) اور
- انصاف کا ترازو رکھا جائے گا اور اسی کے نام سے پُل صراط سے گزرا جائیگا۔
- اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی جنت اور دوزخ کا بازار لگے گا۔
- اسی نام کی برکت سے ربّ العالمین کی عبادت کی گئی اور اس کی حمد و ثناء کے سلسلے کا آغاز ہوا۔
- اسی کے حق کو محفوظ کرنے کے لیے انبیاکرام کی بعثت ہوئی اور اسی کی نسبت قبر اور میدان محشر میں سوال ہوگا اور جب کہ اعمال نامہ کھولا جائے گا۔
- اسی کی مدد سے جھگڑا جاتا ہے۔
- اسی کے سامنے فیصلے ہوں گے۔
- اسی کے نام پر دوستی اور دشمنی کی حدیں مقرر کی جاتی ہیں۔
- اسی کی وجہ سے وہ شخص سعادت مند ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت

حاصل کرلی اور اس کا حق پورا کیا۔

- اسی کی وجہ سے وہ شخص شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہوا جس نے اس کو بھلا دیا اور اس کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کی۔
- یہی خلق و امر کا راز ہے۔
- اسی کے نام سے خلق و امر قائم اور ثابت ہیں اور اسی کی طرف انکا مرجع ہے
- خلق اسی کی مدد سے ہے، اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی وجہ سے ہے۔
- جو خلق، جو فیصلے، جو ثواب اور جو عتاب موجود ہے، اس کا آغاز اسی کی طرف سے ہوا ہے، اس کی انتہا بھی وہی ہے اور یہ ہے اِسکا موجب اور مقتضا ہے کہ

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران - ۱۹۱)

اے پروردگار! یہ سب کچھ تُو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اِس سے کہ عبث کام کرے، پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

قولہ : اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :

ابنِ جریر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سری بن یحییٰ نے بیان کیا، اُن سے عثمان بن زفر نے بیان کیا کہ انھوں نے عورمی سے سُنا کہ (اللہ تعالیٰ کی صفت) "الرحمٰن" کا تعلق تمام مخلوقِ خدا سے ہے (وہ جنّ ہو یا انسان، مسلمان ہو یا کافر۔ کوئی بھی ہو، ہر قسم کی مخلوق پر اس کی صفتِ رحمانیت کا وسیع تر شامیانہ ہر آن سایہ فگن ہے) رہی اس کی صفت "الرحیم" تو یہ مومنوں کے لیے خاص ہے۔

ابنِ جریر رحمۃ اللہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث بیان کرتے ہیں جس میں آپ ؐ نے فرمایا:-

إِنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ قَالَ الرَّحْمٰنُ رَحْمٰنُ

حضرت عیسیٰ ؑ ابنِ مریم کہتے ہیں، رحمان وہ ہے جو دُنیا اور آخرت میں اِنتہائی رحم

اَلْاٰخِـرَةِ وَالـدُّنْـیَـا وَالرَّحِیْمُ کرنے والا ہو اور رحیم وہ ہے جو آخرت
رَحِیْـمُ الْاٰخِـرَةِ میں مہربان ہوگا۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ (اپنی کتاب "مدارج السالکین" (جلد ۱ صفحہ ۱۸) میں) رقمطراز ہیں۔

"ربِّ کریم کا نام "اَللّٰہُ" اس کے معبود اور لائقِ پرستش ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ تمام مخلوق محبت و تعظیم اور خضوع کے جذبے سے اس کی عبادت کرتی ہے اور اپنی حوائج و ضروریات کے لیے اُسی سے التجا کناں ہے۔ یہ چیز اُس کے کمالِ ربُوبیت اور اس کی رحمت کو مستلزم ہے جو کہ اسکے کمالِ مِلک اور کمالِ حمد کو متضمن ہے اور اس کی الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، مِلک اور اُس کے تمام صفاتِ کمال کو مستلزم ہے جبکہ اس کا ثبوت اُس شخص کیلئے ناممکن اور محال ہے جو نہ تو حیّ ہے، نہ سمیع ہے، نہ بصیر ہے، نہ قادر ہے، نہ متکلّم ہے، نہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے اور نہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔

پس جلال و جمال کی صفات "اللہ" کے نام کے ساتھ (زیادہ) خاص ہیں اور صفات فعل و قدرت اور نفع و نقصان، عطاء و منع، نفوذِ مشیت و کمالِ قوت اور مخلوق کے تدبیرِ امور میں تفرد کا تعلق خاص طور پر اسم "ربّ" سے ہے اور وہ اکیلا ان سب امور پر اختیار رکھتا ہے۔

صفاتِ احسان، جُود، نیکی، حنّانیت، منّت، رأفت اور لُطف و کرم خاص اس کے اِسم "رحمٰن" کے ساتھ مخصوص ہیں"۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ

"الرحمٰن" اللہ کی اس صفت پر دال ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور "الرحیم" اس کے مرحوم (جس پر رحم کیا جائے) کے تعلق پر دلالت کرتی ہے، اگر تم اِس کو مزید سمجھنا چاہو تو اللہ تعالےٰ کے اِس فرمان پر غور کرو

وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ○ (الاحزاب - ۴۳) وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور درود وسلام رسول اللہ ﷺ پر اور آپؐ کی آل پر۔

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿التوبۃ - ۱۱۷﴾ بیشک اُس کا معاملہ اِن لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے۔

یاد رہے ایسے مواقع پر کبھی "رحمٰن بہم" یعنی انکے ساتھ رحمٰن ہے کا لفظ نہیں آئیگا۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ کے نام، اسماء بھی ہیں اور نعوت بھی۔ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال پر دلالت کرتے ہیں، اِن میں عَلَمیت اور وصفیت میں کوئی منافات اور تناقض نہیں ہے۔ رحمٰن ہی کو لیجئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور اس کا وصف بھی ہے، پس یہ صفت کی حیثیت سے تو (قرآن مجید میں) اَللّٰہ کے اِسم کے تابع ہوگا اور اِسم کی حیثیت سے تابع نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿طٰہٰ﴾ وہ رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہے

اِس مقام پر باعتبار عَلَم اور اسم کے قرآن میں وارد ہے۔

قولہٗ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ :

اِس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے اختیار خوبی کی بنا پر دل اور زبان سے اس کی ثناء اور تعریف کرنا

شُکر کا اظہار زبان، جوارح اور ارکان کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ باعتبار تعلق کے حمد سے عام اور باعتبار سبب کے اس سے خاص ہوتا ہے۔ اِس لیے کہ اس کا اطلاق نعمت کے مقابلے میں ہوتا ہے۔

رہی حمد، تو وہ عام ہوتی ہے سبب کے لحاظ سے اور خاص ہوتی ہے تعلق کے لحاظ سے اس لیے کہ وہ نعمت کے مقابلے میں ہوتی ہے اور دیگر امُور کے مقابلے میں بھی۔ پس اِن دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ یہ دونوں ایک مادہ میں مجتمع بھی ہیں اور ایک میں ایک دُوسرے سے منفرد بھی۔

قولہٗ : صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَسَلَّمَ :

صَلٰوةُ اللّٰهِ عَلٰی عَبْدِهٖ کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر وُہ ہے جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ابُو العالیہ رحمہ اللہ سے ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

صَلٰوةُ اللّٰهِ عَلٰی عَبْدِهٖ ثَنَاؤُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلَآئِكَةِ — اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب ہے کہ وُہ ملائکہ میں انکی تعریف کرتا ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے بھی اِسی نقطۂ نظر کو صحیح قرار دیا ہے اور وُہ اپنی تصنیفات "جلاء الافہام"[1] اور "بدائع الفوائد" میں اسی کی تائید کرتے ہیں۔

(شارح کتاب التوحید) العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

صلوٰۃ کا مطلب کبھی دُعا بھی ہوتا ہے : جیسا کہ "مسند امام احمد" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَلَآئِكَةُ تُصَلِّیْ عَلٰی اَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ — تم میں سے جب تک کوئی اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کیلئے یہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! اِسکی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اسکی بخشش فرما۔

قولہٗ : وَعَلٰی اٰلِهٖ :

اس سے دینِ اسلام میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متبعین مراد ہیں۔ اس موقعہ پر امام احمد بن

---

[1] تفصیل کے لیے علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف "جلاء الافہام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام" ملاحظہ فرمائیے، اُنہوں نے اس کتاب میں اس موضوع سے متعلق تمام مذاہب کے افکار و خیالات کی وضاحت کی ہے، اور حق بات بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ "آل" سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وُہ اتباع مراد ہیں جو آپؐ پر ایمان لائے۔

توحید کی کتاب

حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تصریح ہے اور ان کے شاگردوں کا بھی یہی موقف ہے اگر اس نقطۂ نظر کو صحیح مان لیا جائے تو پھر صحابہ کرام اور تمام اہلِ ایمان "آلہ" میں شامل ہو جاتے ہیں۔

قولہٗ : كِتَابُ التَّوْحِيْدِ :

لفظ کِتَاب مصدر ہے باب كَتَبَ يَكْتُبُ كِتَابًا وَكِتَابَةً وَكَتْبًا کا اس کے مادے کا دارومدار معنیٰ جمع پر ہے ۔ تَكَتَّبَ بَنُو فُلَانٍ اُس وقت بولا جاتا ہے جب بہت سے لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ كَتِيْبَة گھوڑوں کے اکٹھ کو کہا جاتا ہے اور كِتَابَتْ بِالْقَلَمِ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد کلمات وحروف کا اجتماع ہے۔ کتاب کو کتاب اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جو چیز بیان کی گئی ہے وہ اِس میں جمع کر دی جاتی ہے۔ توحید کی دو قسمیں ہیں :۔

۱ ـــــ توحید در معرفت و اثبات

یہ توحید ربوبیّت و اسماء اور صفات ہے۔

۲ ـــــ توحید در طلب وقصد۔

یہ توحید الوہیّت وعبادت سے موسوم ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :۔

"وہ توحید جس کی طرف انبیائے کرام علیہم السلام نے لوگوں کو دعوت دی اور اس کے بارے میں کتابیں نازل کی گئیں اس کی دو قسمیں ہیں:

۱ ـــ توحيد فى المعرفة والاثبات۔

۲ ـــ توحيد فى الطلب و القصد۔

پہلی یہ ہے کہ

○ اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت۔

○ اس کی صفات۔

- اس کے افعال اور اس کے اسماء کا اثبات
- اپنی کتب کے ذریعہ اس کا تکلم۔
- اپنے بندوں میں سے جس سے چاہے اس سے (کلام کرنا)
- اس کی قضاؤ قدر اور حکمت کا اثباتِ عمومی۔

قرآنِ کریم نے توحید کی اِس نوع کو نہایت ہی وضاحت سے بیان فرمایا ہے، مثلاً دیکھیے :-

- سورۃ الحدید کے آغاز میں۔
- سورۃ طٰہٰ میں۔
- سورۃ الحشر کے آخر میں۔
- سورۃ تنزیل السجدہ کے شروع میں۔
- سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات میں۔
- اور پُوری سورۃ اخلاص میں۔

اور اس کے علاوہ دیگر مقامات میں۔

توحید کی دوسری قسم یعنی توحیدِ الوہیت و توحیدِ عبادت کا حکم قرآنِ مجید سورۃ الکافرون میں مذکور ہے :

نیز دیکھیے :-

قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ !	کہو "اے اہلِ کتاب! آؤ ایک
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ	ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے
بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا	درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا
نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا	کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا	شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ
يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے"۔
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اِس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا	موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ○ (آل عمران-۶۴) تو مسلم ہیں۔

- ○ سورۂ زمر کی ابتدائی اور آخری آیات۔
- ○ سورۃ المؤمن کی اِبتدائی، آخری اور درمیانی آیات۔
- ○ سورۂ اعراف کا شروع اور آخری حصّہ۔
- ○ سورۂ انعام پوری۔
- ○ قرآنِ کریم کی اکثر سُورتیں بلکہ قرآن کریم کی ہر سورت توحید کی دونوں قسموں کو متضمن ہے اور ان کی شاہد اور ان کی داعی ہے۔

قرآنِ کریم یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

- ○ واقعات و اخبار۔
- ○ اس کی صفات۔
- ○ اس کے افعال و اقوال پر مشتمل ہے

تو اِس کو توحیدِ علمی خبری کہتے ہیں۔

یا قرآنِ کریم اِس دعوت پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ اپنی عبادت کی طرف دیتا ہے اور اللہ کی عبادت کے سوا دوسروں کی عبادت سے روکتا ہے تو یہ توحیدِ ارادی طلبی ہے۔

یا اِس کے مضامین امر و نہی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے امر و نہی کے لزوم پر مشتمل ہیں تو یہ حقوق توحید اور اِس کے مکملات ہیں۔

یا اِس کے مضامین اہلِ توحید کی عزّت و تکریم کے واقعات اور دنیا میں ان کا جس قسم کا اِعزاز اور آخرت میں جو ان کی عزّت ہوگی اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں تو یہ ان کے عمل علی التوحید کی جزا ہے۔

یا اس میں مشرکین کے واقعات اور دُنیا میں ان کو جس قسم کے عذاب و سزا سے دوچار کیا گیا اس کی تفصیل و کیفیت اور آخرت میں ان کے ساتھ جو کچھ بیتے گی اس کے بارے میں معلومات ہیں۔ یہ اس گروہ یا اس شخص کا بدلہ ہے جو دائرۂ توحید سے باہر نکلا۔

بہر حال قرآنِ مجید میں تمام تر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

- توحید، احکامِ توحید، اس کے حقوق اور اس کی جزا۔
- کیفیتِ شرک، اہلِ شرک اور ان کا بدلہ۔"

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"وہ توحید جو انبیائے کرام علیہم السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے، وہ اللہ تعالیٰ کے اثباتِ الوہیت کو متضمن ہے اور وہ ہے "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ

صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔

اُسی پر توکل کیا جائے۔

اُسی کی رضا کے لیے دوستی کی جائے۔

اُسی کے لیے دشمنی کے پیمانے مقرر کیے جائیں۔

اُسی کی طرف رجوع کیا جائے۔)

صرف اُسی کی وجہ سے عمل کی دیواریں استوار کی جائیں۔

یہ سب صرف اِس لیے ہے کہ اُسی سے ان اسماء وصفات کا اثبات ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت کیے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ (البقرہ - ۱۶۳)

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور اللہ نہیں ہے۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المؤمنون - ۱۱۷)

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اِس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ○ (الزخرف - ۴۵)	تم سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے اُن سب سے پوچھ دیکھو کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟

اللہ نے انبیاء میں سے ہر پیغمبر کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (ممتحنہ - ۴)	تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور اُسکے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے اِن معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔"

مشرکین کے بارے میں فرمایا کہ

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ (الصّٰفّٰت — ۳۵ - ۳۶)	یہ وہ لوگ تھے کہ جب اُن سے کہا جاتا کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں" تو یہ گھمنڈ میں آجاتے اور کہتے تھے۔ "کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟"

توحید سے، مجرد توحید ربوبیت مراد نہیں ہے (جس سے مراد یہ) اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تخلیقِ عالم کی ہے، جیسا کہ اہلِ کلام اور اہلِ تصوف کا نظریہ ہے اور

خیال کرتے ہیں کہ جب (وہ یہ چیز ادلہ سے ثابت کر دیں گے، یعنی جب وہ توحید کی انتہا ثابت کر دیں گے، اس کا مشاہدہ کر لیں گے اور اس میں فنا ہو جائیں گے، تو اس غایت توحید میں فنا ہو جائینگے کیونکہ جب انسان ان صفات کا اقرار کر لیتا ہے، جن کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے اور اس کی تنزیہہ ثابت کرتا ہے اور اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ وہی اکیلا ہر شے کا خالق ہے تو اس سے وہ موحد نہیں ہو جاتا جب تک کہ لاالٰہ اِلاّ اللہ کی شہادت نہ دے اور ساتھ ہی اس بات کا اقرار نہ کرے کہ وہی الٰہ ہے جو عبادت کا مستحق ہے اور یہ کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت اور عدم شراکتِ غیر کا التزام نہ کرے۔

الالٰہ وہ معبود و مالوہ ہے جو مستحق عبادت ہے۔ الٰہ کا مطلب محض یہ نہیں ہے کہ وہ اختراع و تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ جب مفسر "الالٰہ" کی یہ تفسیر بیان کرے کہ وہ قادر علی الاختراع ہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہی وہ معنیٰ ہے جو کہ الٰہ کا وصف اخص ہے اور اسی کا ثبوت غایت توحید قرار دے، جیسا کہ صفاتِ المتیہ میں تاویلات کرنے والے کیا کرتے ہیں اور یہی بات ابو الحسن اشعریؒ اور انکے اتباع سے نقل کرتے ہیں تو یاد رکھیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس حقیقی توحید کو نہیں پہچانا جس کی تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ یہ تو مشرکین عرب بھی کہتے تھے اور اس بات کے مقر تھے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے مگر اس کے باوجود وہ مشرک تھے، جیسا کہ قرآنِ کریم کہتا ہے:-

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (یوسف - ۱۰۶)	ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

سلفِ امت کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ

تسألهم: من خلق السّمٰوٰت وَ الارض؟ فيقولون الله.	اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو فوراً جواب دیں گے کہ صرف اللہ تعالیٰ نے۔

وهم مع هذا يعبدون غيره [1] — اور اس اقرار کے باوجود غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں اللہ کا فرمان ہے :-

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ — ان سے کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کی۔ کہو پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ — ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ — ان سے کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کیلئے ہے۔ کہو پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟

(المؤمنون-۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۸۹)

تو یہ ضروری نہیں کہ جو شخص یہ اقرار کرلے کہ

- ○ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور پروردگار ہے
- ○ وہ اس بات سے غیر کی عبادت چھوڑ کر خدا کی عبادت کرنے والا بن جاتا ہو۔

---

[1] علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس اثر کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، شعبی، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے۔

- غیروں کو چھوڑ کر صرف اسی سے دُعا مانگنے والا ہو۔
- خدا کے ماسوا کسی دُوسرے سے امیدوار اور خوف زدہ نہ ہو۔
- اُسی کے لیے دوستی اور دشمنی رکھتا ہو۔
- اُس کے پیغمبروں کی اتباع کرتا ہو۔
- جس چیز کا اللہ حکم دے اس کی تبلیغ کرتا ہو۔
- اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے روکا، اس سے روکنے والا بن جاتا ہو۔

کیونکہ اکثر مشرکین کو یہ اقرار تھا کہ یُوں تو اللہ تعالیٰ ہی ہر شئے کا خالق ہے مگر وہ اپنے شرکا کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی مانتے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور ند قرار دیتے تھے، ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ	کیا اُس خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دُوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے ؟
قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ○	ان سے کہو کیا وہ شفاعت کریں گے خواہ اُن کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وُہ سمجھتے بھی نہ ہوں۔
قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ (الزمر۔ ۴۴،۴۳)	کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔
وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ	یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کر رہے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔
قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ	اے محمد! ان سے کہو "کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں، پاک

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (یونس - ۱۸)	ہے وُہ اور بالا و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ (الانعام - ۹۴)	(اور اللہ فرمائے گا) لو اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے تمھیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا - جو کچھ ہم نے تمھیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ساتھ تمھارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں ان کا بھی کچھ حصّہ ہے۔ تمھارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گُم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط (البقرہ - ۱۶۵)	کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِ مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مشرکین میں سے ایسے افراد بھی تھے جو سُورج، چاند اور ستاروں کو سجدہ کرتے تھے اُن کو مصائب و مشکلات کے وقت پکارتے تھے، ان کے نام کے روزے رکھتے تھے اور انکے نام سے جانور ذبح کر کے تقرب حاصل کرتے تھے۔

اِن مُشرکانہ اعمال کے باوجود وُہ کہتے تھے کہ یہ شرک نہیں ہے، شرک تو یہ ہے کہ جب میں یہ خیال کروں کہ میری تدبیر کرنے والے وُہ ہیں، لیکن اگر ہم انکو صرف ذریعہ اور وسیلہ سمجھیں گے تو مَیں مشرک نہیں ٹھہروں گا، اور یہ چیز دین میں بدیہی طور پر معلوم ہے کہ یہ شرک ہے (انتہی کلامہ)

وقول اللہ تعالیٰ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت : ٥٦)

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

قولہٗ: وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى :

لفظ "قَوْلُ" کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں اور مرفوع بھی۔ جر کی صورت میں لفظ توحید پر عطف ہوگا اور رفع کی صورت میں مبتدا سمجھا جائے گا۔

قولہٗ: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ :

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو جو حکم دیا ہے اس کے مطابق اللہ کی اطاعت کرنے کو عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی وضاحت کے سلسلے میں یہ بھی کہتے ہیں۔

اَلْعِبَادَةُ اِسْمٌ جَامِعٌ لِكُلِّ مَا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَيَرْضَاهُ مِنَ الْاَقْوَالِ وَ الْاَعْمَالِ الظَّاهِرَةِ وَ الْبَاطِنَةِ

عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جس سے وہ تمام ظاہری اور باطنی اقوال و اعمال مراد ہیں جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور جن پر وہ راضی ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"عبادت کا دارومدار پندرہ قاعدوں پر ہے۔ جس نے ان کو مکمل کر لیا اُس نے مراتب عبودیت کی تکمیل کر لی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادت قلب، زبان اور جوارح پر منقسم ہے اور احکام عبودیت پانچ ہیں۔ (۱) واجب، (۲) مستحب (۳) حرام (۴) مکروہ اور (۵) مباح۔ ان میں سے ہر ایک کا تعلق قلب، زبان اور جوارح سے ہے۔"

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ عبادت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"اَصْلُ الْعِبَادَۃِ التَّذَلُّلُ وَالْخُضُوْعُ" اصل عبادت، اللہ کے حضور اپنے آپ کو عاجز و درماندہ کر لینا ہے۔

اِنسان کو جن اُمور کے بجا لانے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے ان کو عبادات سے موسُوم کیا جاتا ہے کیونکہ انسان اِن کی ادائیگی میں اِنتہائی خشوع وخضوع اور حد درجہ عجز و انکساری کا اظہار کرتا ہے اور اُنھیں پورے اہتمام سے سرانجام دیتا ہے۔"

اس طرح (زیرِنظر) آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیئے پیدا فرمایا ہے اور ان کی پیدائش میں یہی حکمت ہے شارح کتاب الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حکمتِ شرعیہ دینیہ ہے۔
علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"جن اُمور کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے اُن پر عمل پیرا ہونا اور جن سے روکا گیا ہے اُن کو ترک کر دینے کا نام عبادت ہے۔ یہی دینِ اِسلام کا جوہر ہے کیونکہ اِسلام کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا جائے جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اِنسان انتہائی درجے کا تابعِ فرمان، عاجز اور مطیع ہے۔"

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا ہی اِس لیے کیا کہ وہ صرف اُسی ایک خدا کی عبادت کرے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ جو اس کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے پورا پورا بدلہ اور اجرِ عظیم عطا فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اس کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو مطلع کرتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ساری مخلوق اپنے تمام معاملات میں اس کی ہی محتاج ہے۔ وہی ان سب کا خالق اور رازق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اِس آیت کا مطلب بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:-

اِلَّا لِاٰمُرَھُمْ اَنْ یَّعْبُدُوْنِیْ وَاَدْعُوْھُمْ (مَیں نے لوگوں کو صرف اسلیے پیدا کیا ہے کہ) ان کو حکم دوں کہ وہ میری ہی عبادت

اِلٰی عِبَادَتِیْ — کریں اور میں اُن کو اپنی ہی عبادت کی طرف بلاتا ہوں۔

مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ

اِلَّا لِاٰمُرَھُمْ وَ اَنْھَاھُمْ — (میں نے اِن لوگوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ) اِن کو کچھ چیزوں کا حکم دُوں اور کچھ اعمال سے روکوں

الزجاج اور شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اِسی مفہوم کو پسند فرمایا ہے۔ نیز شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِسی مفہوم کو درجِ ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ○ — کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اُسے شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے گا۔

(القیمۃ - ۳۶)

امام شافعی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

لَا یُؤْمَرُ وَ لَا یُنْھٰی — انسان کو نہ کسی بات کا حکم دیا جائے، نہ کسی سے روکا جائے

اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ پر فرمایا:

اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ — اپنے رب کی بندگی کرو۔

اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ — اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اِسی مقصد کی طرف رہنمائی کی ہے جس عظیم مقصد کیلئے جنات اور بنی نوع انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور جس کی تکمیل کے لیے انبیائے کرامؑ کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اِسی مقصدِ عظیم کی طرف اللہ تعالیٰ نے زیرِ بحث آیت میں انسانیت کی رہنمائی فرمائی ہے اور اِسی معنی کو جمہور مسلمانوں نے سمجھا ہے اور اسی آیت سے وہ دلیل اخذ کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت شریف اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے:۔

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (النساء - ۶۴) — ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اسکی اطاعت کی جائے

اِس کے باوجود رسُول کی اطاعت بھی ہوتی ہے اور نافرمانی بھی اسی طرح، اللہ تعالیٰ نے

تو انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور عبادت ترک بھی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ اُس نے پہلا کام یعنی خلقت اور پیدا کرنے کا کام اس لیے کیا ہے کہ وُہ تمام لوگوں سے دُوسرا کام کرائیگا کہ وُہ سب کے سب اُنکی عبادت کرنے لگیں گے، بلکہ یہ فرمایا کہ اُس نے پہلا کام اس لیے کیا ہے کہ لوگ خود ہی دُوسرا کام کریں یعنی اس کی عبادت کریں۔ اگر عبادت کریں گے، تو سعادت مند ٹھہریں گے اور بارگاہِ خداوندی میں انعام و کرام سے نوازے جائیں گے۔

اِس مطلب کی بہت سی احادیث کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہادیٔ برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالیٰ	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں میں سے
لِاَھْوَنِ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا	ہلکے عذاب میں مبتلا شخص سے کہے گا کہ اگر
لَوْ کَانَتْ لَکَ الدُّنْیَا	تیرے قبضے میں دنیا و ما فیہا اور اس کے مثل
وَ مَا فِیْھَا وَ مِثْلُھَا مَعَھَا	مال و دولت ہوتی تو کیا تو آج وُہ سب کچھ اس
اَکُنْتَ مُفْتَدِیًا بِھَا ؟	عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے فدیے میں دے
فَیَقُوْلُ : نَعَمْ	دیتا؟ وہ کہے گا کہ "ہاں"۔
فَیَقُوْلُ : قَدْ اَرَدْتُ مِنْکَ	اللہ فرمائے گا (تو جھوٹا ہے) مَیں نے تو تجھ سے
اَھْوَنَ مِنْ ھٰذَا وَ اَنْتَ	اِس سے بھی آسان تر چیز مانگی تھی جب کہ
فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ : اَنْ لَّا	تُو ابھی پُشتِ آدم میں تھا وُہ یہ کہ میرے
تُشْرِکَ اَحْسِبُ قَالَ : وَ لَا	ساتھ شرک نہ کرنا ورنہ تمھیں جہنم میں داخل
اُدْخِلُکَ النَّارَ فَاَبَیْتَ اِلَّا الشِّرْکَ[1]	کروں گا مگر تُو نہ مانا اور شرک ہی کیا۔

پس اِن مُشرکین نے، جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، اُس کی مخالفت کی۔ اللہ تعالےٰ تو یہ چاہتا تھا کہ یہ توحید کی پابندی کریں اور شرک کے مرتکب نہ ہوں لیکن یہ لوگ بالالتزام اللہ کے احکام کی مخالفت کرتے اور شرک میں مبتلا ہے۔ (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے)

[1] مسند احمد۔ صحیح بخاری۔

قوله تعالی وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل: ٣٦)

ہم نے ہر اُمت میں ایک رسُول بھیج دیا اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔"

یہاں ارادہ خداوندی سے مراد ارادہ شرعیہ دینیہ ہے نہ کہ ارادہ تکوینیہ، ارادہ شرعیہ دینیہ اور ارادہ کونیہ قدریہ میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ مخلص مطیع کے حق میں یہ مجتمع ہو جاتے ہیں اور عاصی و گنہگار کے حق میں ارادہ کونیہ قدریہ منفرد ہو جاتا ہے۔

یہاں متکلمین اور ان کے ہم نواؤں کے نتائج جہالت کو سمجھ لینا چاہیے۔

قولهٗ : اَلطَّاغُوْتُ

طُغیان سے مشتق ہے۔ اِس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

أَلطَّاغُوْتُ الشَّيْطَانُ [1] طاغوت کا اطلاق شیطان پر ہوتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

---

[1] علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، حسان بن قائد عبسی عن عمر نقل کرتے ہیں کہ:

"جبت سے جادو اور طاغوت سے شیطان مراد ہے۔"

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"طاغوت کے معنی شیطان زیادہ صحیح ہے کیونکہ دورِ جاہلیت میں جتنا بھی شر وفساد تھا اُس کا اصل مرکز و محور شیاطین ہی تو تھے کیونکہ

○ لوگ شیاطین سے مدد طلب کرتے تھے،

○ انہی کے ہاں سے فیصلہ کرواتے، اور

○ شیاطین ہی بتوں کی پوجا کا سبب بنے۔"

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔

اَلطّوٰا غِیتُ کُھَّانٌ کَانَتْ	طاغوت کاہنوں کو کہتے ہیں ان کے پاس
تَنْزِلُ عَلَیْھِمُ الشَّیَاطِیْنُ	شیاطین مختلف خبریں لاتے تھے۔

یہ دونوں اقوال ابن ابی حاتم نے روایت کیے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اَلطَّاغُوْتُ کُلُّ مَا	طاغوت ہر اُس شے کا نام ہے جس کی
عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ	اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے طاغوت کی ایک ایسی تعریف کی ہے جو بڑی جامع و مانع ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اَلطَّاغُوْتُ کُلُّ مَا	طاغوت ہر وُہ چیز ہے جس کی وجہ سے
تَجَاوَزَ بِهٖ الْعَبْدُ حَدَّهٗ	انسان حد سے تجاوز کر جائے۔
مِنْ مَّعْبُوْدٍ	خواہ عبادت میں۔
اَوْ مَتْبُوْعٍ	یا تابعداری میں۔
اَوْ مُطَاعٍ	یا اطاعت میں۔
فَطَاغُوْتُ کُلِّ قَوْمٍ مَنْ	ہر قوم کا طاغوت وہی ہے جس کی طرف
یَتَحَاکَمُوْنَ اِلَیْهِ غَیْرَ اللّٰهِ	وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وَرَسُوْلِهٖ	کے بجائے فیصلے کے لیے رجوع کرتے ہیں،
اَوْ یَعْبُدُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	یا اللہ کے سوا اس کی پرستش کرتے ہیں،
اَوْ یَتَّبِعُوْنَهٗ عَلٰی غَیْرِ بَصِیْرَةٍ	یا بلا دلیل اس کی اتباع کرتے ہیں۔
مِّنَ اللّٰهِ	
اَوْ یُطِیْعُوْنَهٗ فِیْمَا لَا	یا اس کی اطاعت بغیر اس علم کے کرتے
یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ طَاعَةٌ لِلّٰهِ	ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

"تو یہ ہیں دُنیا بھر کے طاغوت، جب آپ ان میں غور کریں اور ساتھ ساتھ لوگوں کے حالات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اکثریت .... خدا کی عبادت چھوڑ کر عبادتِ طاغوت میں مبتلا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑ کر طاغوت کی اطاعت اور اس کی تابعداری شروع کر رکھی ہے۔"

البتہ آیتِ کریمہ تو اس کا معنیٰ یہ ہے :-

اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے اور ہر گروہ کے پاس اپنے رسول یہ دعوت دیکر بھیجے :-

ارشادِ خداوندی ہے :-

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل - ۳۶)	کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اس کے سوا ہر قسم کے معبود کی عبادت ترک کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ :-

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ (البقرۃ - ۲۵۶)	اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

حقیقت میں کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مطلب یہی ہے۔ کیونکہ عروۃ الوثقیٰ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں :-

" تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے اور اس کے سوا تمام عبادتوں سے روکتے رہے۔

جب سے آدم علیہ السلام کی اولاد قوم نوح علیہ السلام کے وقت سے جنکی طرف وہ مبعوث تھے، شرک میں مبتلا ہوئی، اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت کا سلسلہ شروع کر دیا، چنانچہ اہل زمین پر یہی سب سے پہلے رسول علیہ السلام مبعوث کیے، حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا، جن کی دعوت اور پیغام مشرق و مغرب کے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے عمومی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں فرماتا ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ	ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس کو یہی وحی کی کہ میرے سوا

اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء - ۲۵) — کوئی خدا نہیں ہے پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

اور زیرِ بحث آیت میں فرمایا:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل - ۳۶) — ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسول بھیج دیا اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اِن واضح اور بیّن دلائل کے ہوتے ہوئے مشرکین یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ

لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ — اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیّتِ شرعیہ ان سے الگ ہو گئی ہے کیونکہ اللہ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی زبان سے ان کو شرک سے باز رہنے کی حجت قائم کر دی۔ البتہ مشیّتِ کونیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔

مشیّت کونیہ کہ خدائے ذوالجلال نے انھیں تقدیر کے مطابق شرک کا موقع دیا، وہ انکے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ اور دوزخ والوں کو پیدا کیا جو کہ کفار اور شیاطین سے ہیں اور وہ اپنے بندوں کے لیے شرک اور کفر کو پسند نہیں کرتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ اور حکمتِ قاطعہ پوشیدہ ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انبیائے کرام کی بعثت کے علاوہ دنیاوی عقوبت دے کر بھی تو خدائے ذوالجلال انکے کفر کو ناپسند ٹھہرا چکا ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

فَمِنْھُمْ مَّنْ ھَدَی اللّٰہُ وَمِنْھُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْہِ الضَّلٰلَۃُ (النحل - ۳۶) — اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی (منتقی)

شارح کتاب علامہ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت فَمِنْھُمْ مَّنْ ھَدَی اللّٰہُ تفسیر ہے پہلی آیت وَلَقَدْ بَعَثْنَا کی۔

قولہ تعالیٰ وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔

زیر بحث آیتِ کریمہ اِس بات کی واضح دلیل اور بُرہان ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع کرنے میں حکمتِ الٰہی یہ پنہاں تھی کہ وُہ مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دعوت دیں اور اس کے سوا تمام عبادتوں سے لوگوں کو روک دیں۔ یہی وہ مقصدِ عظیم تھا جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے باوجود اختلافِ شرائع کے پورا کیا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدۃ - ۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دِل سے یقین اور اعضائے عمل کرنا ایمان کے اجزاء میں سے ہے۔

قولہ : وَقَضٰى رَبُّكَ :

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے قضٰی کے معنی وصّٰی کیے ہیں حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی قراءت ہے۔

البتہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قضٰی کے معنی اَمر نقل کیے ہیں، یعنی وہ حکم دیتا ہے۔

قولہ : اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ :

یعنی تم صرف اُسی خدائے واحد کی عبادت کرو۔ ماسوا کی عبادت چھوڑ دو۔

یہی معنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ہیں۔

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○

والدین کے ساتھ نیک سُلوک کرو اگر تمھارے پاس اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن سے اِحترام کے ساتھ بات کرو۔

"محض نفی یا اثبات بلا نفی توحید نہیں ہے، بلکہ حقیقی توحید یہ ہے کہ وُہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہو۔"

قولہٗ : وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا :

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بلا شرکتِ غیرے تنہا اپنی عبادت کا فیصلہ کیا ہے، اسی طرح یہ فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ تم اپنے والدین کے ساتھ احسان کیا کرو، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (لقمان - ۱۴) (ہم نے اس کو نصیحت کی ہے) کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔

قولہٗ : فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ :

یعنی اپنے ماں باپ سے کسی قسم کی ناشائستہ بات نہ کرو، یہاں تک کہ ان کو اُف بھی نہ کہو، جو باعتبار ناراضی کے سب سے نرم لفظ ہے۔

(لفظ اُف کا مفہوم یہ ہے کہ جب کبھی ماں باپ کی طرف سے کوئی ایسا عمل ظہور پذیر ہو جائے جو اولاد کو ناپسند ہو تو اولاد میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ "آپ کو یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔")

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل، ۲۳-۲۴)

اور نرمی و رحم کے ساتھ اِن کے سامنے جُھک کر رہو اور دُعا کیا کرو کہ "پروردگار! اِن پر رحم فرما جس طرح اُنھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا"

قولہٗ : وَ لَا تَنْهَرْهُمَا :

یعنی تمہاری طرف سے انکے بارے میں کوئی فعل قبیح سرزد نہیں ہونا چاہیئے ... الخ

قولہٗ : وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا :

جب والدین کے ساتھ بُرے سلوک اور ناروا گفتگو سے روک دیا گیا تو فرمایا کہ ان کے ساتھ حُسن سلوک سے پیش آؤ اور انسانیت کے دائرہ میں رہ کر بات کیا کرو۔ ان کے ساتھ ادب و توقیر کا معاملہ کرو اور نہایت نرمی اور شائستگی سے ان سے بات کیا کرو۔

ماں باپ کی تواضع کرو اور وہ کبرسنی کو پہنچ جائیں جب بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی تم ان کے حق میں ہمیشہ یہ دعا کرتے رہو۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

ماں باپ کے ساتھ نیکی اور حُسن سلوک کی بہت تلقین اور تاکید کا حکم بہت سی احادیثِ نبویؐ میں موجود ہے جن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے کئی سندوں سے احادیث مروی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے اور تین بار کہا آمین، آمین، آمین۔

فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى مَا اٰمَنْتَ ؟ — صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسُولؐ اللہ! آپ نے کس بات پر آمین کہی؟

قَالَ : اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ ۔ فَقَالَ : — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میرے

يَا مُحَمَّدُ ﷺ رَغِمَ اَنْفُ امْرِئٍ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ۔	پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے
قُلْ آمِيْن۔	آپ آمین کہیے۔ مَیں نے کہا آمین (یعنی
فَقُلْتُ : آمِيْن	اے اللہ! میری یہ دعا قبول فرما)
ثُمَّ قَالَ : رَغِمَ اَنْفُ امْرِئٍ دَخَلَ عَلَيْهِ شَهْرُ رَمَضَانَ ثُمَّ خَرَجَ وَ لَمْ يُغْفَرْ لَهٗ۔ قُلْ : آمِيْن۔ فَقُلْتُ آمِيْن۔	جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اُس شخص کا ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مُبارک مہینہ آیا اور گزر گیا، مگر وہ بخشا نہ گیا۔ آپ آمین کہیے، مَیں نے کہا آمین (اے اللہ! میری اِس دُعا کو شرفِ قبولیت بخش)
ثُمَّ قَالَ : رَغِمَ اَنْفُ امْرِئٍ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْ : آمِيْن فَقُلْتُ : آمِيْن [1]	پھر کہا کہ اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کو یا اُن میں سے ایک کو زندہ پایا لیکن پھر بھی (اُن کی خدمت کر کے) جنّت میں نہیں جاسکا۔ آپ کہیے آمین۔ پس مَیں نے کہا آمین۔

مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وُہ کہتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ:

رَغِمَ اَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ اَحَدَ اَبَوَيْهِ اَوْ كِلَيْهِمَا عِنْدَ الْكِبَرِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ	اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر جنّت میں نہ داخل ہوا۔ (مسند امام احمد)

[1] یہ حدیث مسند ابن ابی شیبہ، مسند البزار، طبرانی فی الکبیر، بخاری، بیہقی فی شعب الایمان، دارقطنی، ترمذی، نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المختارۃ اور مسند امام احمد میں منقول ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اِس سلسلۂ سند سے صحیح ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا:۔

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ قُلْنَا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم	کیا مَیں تم کو بڑے سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کی ہاں! یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قَالَ: اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ: اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ اَلَا وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ یُکَرِّرُھَا حَتّٰی قُلْنَا: لَیْتَہٗ سَکَتَ۔ (بخاری ومسلم)	آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت آپؐ نے تکیے کا سہارا لے رکھا تھا اور بار بار تنبیہاً فرمانے لگے کہ جھوٹی بات اور اس کی گواہی دینا (بھی اِسی میں داخل ہے) یہاں تک کہ ہم خواہش کرنے لگے کہ آپؐ خاموش ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدَیْنِ وَسَخَطُہٗ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدَیْنِ	اللہ تعالیٰ کی رضا ماں باپ کی رضامندی میں مضمر ہے اور اس کی ناراضی ماں باپ کی ناراضی میں مضمر ہے۔

رواہ الترمذی وصححہ ابن حبان والحاکم

حضرت ابی اسید الساعدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ قبیلہ بنی سلمہ میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم

ھَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّھُمَا بِہٖ بَعْدَ مَوْتِھِمَا؟	میرے ماں باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے کی کوئی صورت باقی ہے؟
فَقَالَ: نَعَمْ	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہے!
۱۔ اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْھِمَا	اُن کے لیے دعا کرتے رہنا۔ اور

قولہ تعالیٰ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ؏ (النسآء : ٣٦)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

٢۔ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا — اُن کیلئے مغفرت کی التجا کرنا اور

٣۔ وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا — اُن کے وعدوں کو اُن کی وفات کے بعد پُورا کرنا۔

٤۔ وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا — محض اُنکے تعلقات کی بنا پر صلہ رحمی کرنا

٥۔ وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا — اور اُن کے دوستوں کی عزت و تکریم کرنا

(ابو داود۔ ابن ماجہ)

؏ یہ آیت کریمہ اس عبادت کو بھی واضح کرتی ہے جس کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کے حکم کو نہی عن الشرک کے ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ عبادت خواہ کسی بھی قسم کی ہو اس کی قبولیت کا دارومدار ترکِ شرک پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الانعام۔ ٨٨) — لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔

یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ (زمر۔ ٦٥۔ ٦٦) — تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے لہٰذا (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گذار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

قرآن کے الفاظ " بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ " میں یہ بات یاد رکھیے کہ معمول کو مقدم لانا، حصر کا فائدہ

والدین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کثرت سے کتبِ حدیث[1] میں موجود ہیں جن میں ان کی عزت و توقیر اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی مخالفت اور ایذارسانی پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

قولہ : وَاعْبُدُوا اللهَ :

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

يَأْمُرُ اللهُ تَعَالٰى	اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ
عِبَادَهٗ بِعِبَادَتِهٖ وَحْدَهٗ	صرف اللہ کی خالص عبادت کریں جس کا
لَا شَرِيْكَ لَهٗ فَاِنَّهُ الْخَالِقُ	کوئی شریک نہیں کیونکہ وہی پیدا کرنے
الرَّازِقُ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ	رزق دینے، اپنی مخلوق پر ہر حال میں انعام
عَلٰى خَلْقِهٖ فِيْ جَمِيْعِ	اور بھلائیاں کرنے والا ہے اور وُہی اِس
الْحَالَاتِ وَهُوَ الْمُسْتَحِقُّ	بات کا حقدار ہے کہ اس کے بندے اس کی
مِنْهُمْ اَنْ يُّوَحِّدُوْهُ وَلَا	عبادت کریں اور مخلوق میں سے کسی کو
يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا مِّنْ مَّخْلُوْقَاتِهٖ	اس کا شریک نہ بنائیں۔

یہی وُہ آیت ہے، جس کو آیت حقوقِ عشرہ یعنی دس حقوق کی آیت کا نام دیا جاتا ہے۔

اِس کتاب کے بعض معتمد اور صحیح نسخوں میں ایک نسخہ یہ بھی ہے جس میں اِس آیت کو

دیتا ہے یعنی بِلِ اللهَ فَاعْبُدْهُ وَحْدَهٗ لَا غَيْرَهٗ "۔ مطلب یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دُوسرے کو شریک نہ بناؤ جیساکہ سورۂ فاتحہ میں " اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ " ہے۔ اس کی تائید قرآن کے اِن الفاظ سے بھی ہوتی ہے: " قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ " (زمر-۱۱) (کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ملا ہے کہ مَیں خدا کی عبادت کروں اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے) "الدین" اس عبادت سے تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی جائے اور اُس کے رُوکنے سے رُکا جائے، جیساکہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اصل واساس توحید و عبادت ہے، اس سے تغافل نہ کرو۔

والامر والنھی الذی ھو دینہ وجزاؤہ یوم المعاد الثانی

یعنی امر اور نہی ہی اللہ کا دین ہے اور اس کا بدلہ قیامت کے روز ملے گا۔

اور پہلے گزر چکا ہے کہ اس کی اصل اساس توحید عبادت ہے، اے تنبیہ تجھے پہلے گزر چکی کہ غفلت نہ برتو۔ (قرۃ عیون الموحدین)

[1] ماں باپ کی قدر و منزلت کی پوری تفصیل اور وضاحت کے لیے مترجم کی کتاب "عظمتِ والدین" کا مطالعہ فرمایئے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

اے محمدؐ! ان سے کہو کہ آؤ میں تمھیں سناؤں تمھارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

سورۂ انعام کی آیت سے پہلے تحریر کیا گیا ہے۔ ہم نے بھی اس نسخہ کو صحیح سمجھ کر اس کو پہلے درج کر دیا ہے تاکہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے جو آگے ——— آرہا ہے، اس کی مناسبت پیدا ہو جائے۔

قولہٗ : قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ؛

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

" قُلْ : یعنی ان مشرکین کو جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دُوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی اشیاء کو حرام قرار دیتے ہیں، کہہ دو کہ

تَعَالَوْا : میرے پاس آکر میری بات کو بڑے غور سے سُنو تاکہ

اَتْلُ : میں اُن چیزوں کو وضاحت سے بیان کروں۔

مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ جن کو اللہ تعالیٰ نے واقعی حرام قرار دے دیا ہے، میں کسی ظن اور اٹکل پچو سے حرام نہیں قرار دے رہا، بلکہ یہ اللہ کی وحی کے مطابق ہے اور میں تم کو اللہ تعالیٰ ہی کا حکم سُناتا ہوں"

قولہٗ : اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا[1]

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دورِ جاہلیت کے لوگ جس شرکِ اکبر میں گرفتار تھے اسی شرک میں آج اُمت کی اکثریت گرفتار ہے۔ انہوں نے لات، عزّیٰ، مناۃ اور ھبل وغیرہ اصنام کی پرستش کی تو اس اُمت نے قبور و مشاہد، شجر و حجر، طواغیت اور جنّات کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا اور اس شرک کو دین سمجھ بیٹھے۔ اُن کو جب توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو نفرت و حقارت سے سُننے کے روادار نہ ہوتے بلکہ اُلٹا اپنے معبودانِ باطلہ کی محبت میں آکر ان کا ردّیہ اور سخت ہو جاتا تھا۔ ان کی اسی حالت کا قرآنِ کریم اس طرح نقشہ کھینچتا ہے کہ :

یہاں لفظ وصاکم مقدر مانیں گے تو معنیٰ صحیح ہوگا۔ اِس صُورت میں عبارت

یوں ہوگی وَصَّاكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا	اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ وصیت کی ہے کہ تم اُسکے ساتھ کسی کو شریک کرو

شارح کتاب فرماتے ہیں: "اسی وجہ سے آخر آیت میں ہے ذلکم وصاکم به، اسی کی تم کو وصیت کی۔ تو معنی یہ بنا کہ حرم علیکم ما وصاکم بترکه من الاشراك به کہ تم پر حرام کر دیا ہے جس کے ترک کی تمہیں وصیت کی کہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔

مغنی ابن ہشام میں اس آیت کے سلسلے میں ۳ اقوال درج ہیں، ان میں سے سب سے بہتر یہی ایک قول ہے جس کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے درج کیا ہے، دُوسرے نمبر پر یہ ہے بین لکم ذلك لئلا تشرکوا کہ اس نے تمہارے لیے واضح کر دیا ہے تاکہ تم شرک میں نہ پڑ جاؤ، تو پہلے قول کے مطابق جملہ وصاکم مقدر مانا جاتا ہے اور دُوسرے قول کے مطابق بین لکم ذلك لئلا کے لام حرف جار اور اس سے پہلے کی عبارت مقدر مانی جائے گی۔

اسی وجہ سے مشرکین مکہ سے جب پُوچھا جاتا کہ یہ رسُول تم کو کیا کیا باتیں بتاتا ہے (جو تم اس کی اتنی زبردست مخالفت کر رہے ہو) تو وہ یہ جواب دیتے کہ ہم کو کہتا ہے

اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّاتْرُكُوا مَا يَقُوْلُ اٰبَاؤُكُمْ	تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک بناؤ اور اپنے آباؤ اجداد کی رسموں کو چھوڑ دو۔

یہ وہی بات ہے جو ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں اُس کے ایک سوال کے جواب میں کہی تھی اور ابوسفیانؓ اور ان کے ہمنواؤں نے رسُول اللہ ﷺ کے اِس فرمان کہ

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ (الزمر ۴۵)	جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دِل کُڑھنے لگتے ہیں اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کِھل اُٹھتے ہیں
وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل ۴۶)	اور جب آپ قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

" قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا " سے یہی سمجھا تھا کہ (جب تک ہم اپنے آباؤ اجداد کے رسم ورواج کو نہیں چھوڑیں گے اُس وقت تک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار فائدہ مند ثابت نہ ہوگا)

قولهٗ : وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

لفظ " اِحْسَانًا " مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور اس کو منصوب کرنے والا فعل اِسی لفظ احسان سے ہے۔ عبارت یوں ہوگی " وَاَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا "

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ (الصّٰفّٰت - ۳۵ - ۳۶)	یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا، " اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔" تو یہ گھمنڈ میں آجاتے تھے اور کہتے تھے " کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبُودوں کو چھوڑ دیں ؟"

دورِ جاہلیت کے مُشرک یہ بات اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے کہ جس شرک میں ہم مُبتلا ہیں، کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ اس کی نفی کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے توحید کا انکار کیا۔ دورِ جاہلیت کے مُشرکین اس اُمّت کے بعض اہلِ علم سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کے مفہوم اور اس کے مقتضا کو زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے۔

آج کا اہلِ علم طبقہ جو کہ بعض مسائل کا علم رکھتے ہیں اور علمِ کلام سے بھی واسطہ رہتا ہے، یہ طبقہ توحیدِ عبادت سے بے خبر اور شرک میں گرفتار ہے، وہ شرک میں گرفتار ہی نہیں بلکہ اسے خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے توحیدِ اسماء وصفات سے بھی نابلد بلکہ منکر ہے، جس سے وہ اسماء وصفات کی نفی میں بھی مبتلا ہو گئے، انھوں نے اس بارے میں کئی ایک کتب بھی لکھیں اور اسے حق سمجھتے ہیں حالانکہ وہ باطل ہے، اسلام کی کسمپرسی کا اندازہ لگائیں کہ آج کل معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھ لیا گیا ہے اور اسی ڈگر پر بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، یعنی پوری زندگی گھوم رہی ہے۔ ہادیٔ برحق صلے اللہ علیہ وسلّم نے سچ فرمایا تھا۔

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَّ سَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ	اسلام اپنے ابتدائی دور میں اجنبی کی حیثیت میں تھا اور اس پر وہی "اجنبیت" کا دور پھر لوٹ آئے گا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا مطلب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

- بِرُّهِمَا — اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا۔
- وَحِفْظُهِمَا — اُن کی ہر طرح کی حفاظت اور خدمت کرنا۔
- وَصِيَانَتُهِمَا — اُن کو ہر تکلیف سے بچانے کی کوشش کرنا۔

ایک موقع پر ارشادِ نبویؐ ہے:

اِفْتَرَقَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى اِحْدٰى وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً	یہودی ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے۔
وَافْتَرَقَتِ النَّصَارٰى عَلٰى اِثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً	اور نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے۔
وَسَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً	اور یہ اُمّت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔
كُلُّهَا فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	سوائے ایک گروہ کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ ایک گروہ کون سا ہے (جو جنتی ہے)؟
قَالَ مَنْ كَانَ عَلٰى مِثْلِ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلے گا۔"

یہ حدیث کئی واسطوں سے صحیح ثابت ہو چکی ہے جیسے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اور انکے علاوہ کئی اور حفاظ نے اس حدیث کے کئی طرق ذکر کئے ہیں اور سنن وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

مزید برآں محمد بن نصر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تصنیف "کتاب الاعتصام" میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

قرونِ ثلاثہ کے بعد یہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حرف بحرف درست ثابت ہو رہا ہے۔

دین اسلام کا اصل ہی مسئلہ توحید تھا اور اسی کے بارے میں جہالت کا دور دورہ ہے، اصل مسئلہ یہ تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے، عبادت شرعیہ کے علاوہ کسی اور طریق سے عبادت نہ کی جائے۔ لیکن اس وقت اکثر اُمت کی عبادت میں شرک اور بدعات گڈمڈ ہو چکی ہیں، الحمد للہ اللہ کی زمین ایسے لوگوں سے خالی نہیں جو اس کی توحید کا ادلہ کے ساتھ پہرہ دے رہے ہیں اور علیٰ وجہ البصیرۃ اس کی دعوت دے رہے ہیں۔

فلہ الحمد والشکر علی ذلک۔

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

- ○ وَامْتِثَالِ اَمْرِهِمَا — اُن کی بات پر عمل پیرا ہونا۔
- ○ وَاِزَالَةِ الرِّقِّ عَنْهُمَا — اُن سے غلامی دُور کرنا۔
- ○ وَتَوَلِّيْ السَّلْطَنَةِ عَلَيْهِمَا — اُن پر رعب نہ ڈالنا۔

قولہ : وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ

املاق کے معنی ہیں فقر و فاقہ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تنگئ رزق سے گھبرا کر اپنی بچیوں کو زندہ درگور نہ کرو کیونکہ ان کو اور تم سب کو رزق میں عطا کرتا ہوں۔

"ان میں سے کچھ لوگ فقر سے ڈرتے ہوئے لڑکوں کو بھی زندہ درگور کر دیتے تھے" اسے علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟

آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّ هُوَ خَلَقَكَ — تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

قُلْتُ : ثُمَّ اَيٌّ ؟ قَالَ : — میں نے عرض کی کہ اس کے بعد کونسا ہے؟

اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ — آپ نے فرمایا تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ تمہارے نوالے کا شریک ہو۔

قُلْتُ : ثُمَّ اَيٌّ ؟ قَالَ : — میں نے عرض کی اس کے بعد کونسا ہے؟ آپ

وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ

اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وُہ کھلی ہوں یا چھپی ہُوئی۔

اَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ	نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝	جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں یہ کام جو کوئی کریگا وُہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان ۶۸-۷۰)	قیامت کے روز اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وُہ ہمیشہ ذِلّت کے ساتھ پڑا رہے گا، اِلّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عملِ صالح کرنے لگا ہو، ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دیگا وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

قولہٗ: وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ

علامہ ابنِ عطیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اِس آیت میں فواحش و معاصی کی تمام اقسام سے روکا گیا ہے اور اُن سب چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے جن کو ہم گناہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ وہ گناہ ظاہر ہوں یا باطن۔ "ظاہر" اور "باطن" کے دو الفاظ میں ہر قسم کی معصیت شامل ہے۔ اِس کا اِرتکاب ظاہری طریق سے کیا جائے یا بطریق باطن۔"

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو، مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اُس نے تمھیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

قولہٗ: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ	ہر اُس مسلمان کا جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
يَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے،
وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ	خون حلال نہیں ہے۔ ہاں! تین امور کی
إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ	پاداش میں اسکا خون حلال ہو سکتا ہے۔
۱۔ اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ	شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو۔
۲۔ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ	بلا وجہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کے بدلے میں،
۳۔ وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهٖ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ	یا دینِ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور جماعت المسلمین سے الگ ہو جائے

قولہٗ: ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ذٰلِكُمْ میں اُن تمام محرمات کی طرف جو اِس آیت میں بیان کی گئی ہیں اشارہ ہے۔ اور وَصّٰكُمْ سے تاکید مراد ہے اور لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ میں "لعل" علت کے لیے ہے۔ یعنی ہم ان وصایا پر جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو کی

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ أَشُدَّهٗ ؕ

اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رُشد کو پہنچ جائے۔

ہیں، غور کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ تفسیر طبری حنفی میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تَعْقِلُوْنَ فرمایا، اس کے بعد تَذَكَّرُوْنَ کہا اور آخر میں تَتَّقُوْنَ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے سوچتا ہے، سوچنے کے بعد نصیحت حاصل کرتا ہے اور جب نصیحت حاصل کر لیتا ہے تو تقویٰ اور خوف کی منزل میں گام فرسا ہوتا ہے۔"

قولہٗ : وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

علامہ ابنِ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اس آیت میں یتیم بچے کے مال میں ہر قسم کے تصرف کی نفی کی گئی ہے۔ اور تمام ذرائع تصرف کو بھی محدود کر دیا گیا ہے تاکہ یتیم کا مال بالکل محفوظ رہے، اس کے بعد اگر حرف الا سے استثنا بھی کی تو اس کام کی جو کہ بہتر تھا اور وہ یہ کہ اس کی افزائش میں کوشش کرے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ

اَلَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ سے مراد اس میں تجارت کرنا ہے یعنی اس کے مال کو تجارت میں لگا دے۔

قولہٗ : حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ کے بارے میں امام مالکؒ اور دوسرے ائمہ کا خیال ہے کہ اشدہ سے مراد عالمِ طفولیت اور بے عقلی کے دور سے نکل کر حدِ بلوغت و رشد کو پہنچ جانا ہے۔ ایسی ہی بات زید بن اسلم، شعبیؒ اور ربیعہؒ سے بھی مروی ہے مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات اور کاروبار پر نگرانی اور اس کی حفاظت کا اہل ہو جائے۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اُتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اُس کے اِمکان میں ہو۔

قولہ : وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے لین دین کے موقع پر عدل وانصاف کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

قولہ : لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا :

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ آیت "لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

"جو شخص لیتے اور دیتے وقت پوری ایمانداری اور محنت و کوشش سے کام لیتا ہے لیکن پھر بھی بتقاضائے بشریت اس سے کوئی کمی بیشی ہوتی ہے تو وہ عِندَ اللہ ماخوذ نہ ہو گا۔"

لہ قرآنِ کریم کی آیات کہ :

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ (المطففین - ۱-۲-۳)	تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انھیں گھٹا دیتے ہیں۔

اُن لوگوں کے بارے میں ہیں جو جان بوجھ کر ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکانداروں اور تاجروں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ :

إِنَّكُمْ وُلِّيتُمْ أَمْرًا هَلَكَتْ فِيهِ الْأُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ	تمھارے ہاتھ میں ایسا کاروبار ہے جس میں کمی بیشی کی بدولت تم سے پہلے کئی اُمتیں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں

تم ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا جس سے بعد میں کفِ افسوس ملنا پڑے۔ (مترجم)

وَ إِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوْا ؕ

اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

قولہٗ : وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى

مندرجہ بالا آیت میں ان تمام معاملات میں، اُن کا تعلق قول سے ہو یا فعل وعمل سے، عدل اور انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ یہ معاملہ کسی قریبی رشتہ دار سے متعلق ہو یا کسی اجنبی سے۔ الحنفی[1] رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دوست اور دشمن کے متعلق بات حق و انصاف کی کہنی چاہیے، خوشی اور ناراضی میں بھی عدل کا ترازو ہاتھ میں رہنا چاہیے اگرچہ اس سے قریبی رشتہ دار کی بھی مخالفت کیوں نہ ہوتی ہو۔ ناجائز امور میں دوست اور رشتے دار کی طرف داری کرنا معصیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ	کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل
قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ؕ	نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔
اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى	عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ
(المائدہ - ۸)	مناسبت رکھتا ہے۔

قولہٗ : وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ

ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے جو تم کو وصیت کی ہے اُسے پورا کرو اور اُسے پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو تمھیں حکم دیا جاتا ہے اُس پر عمل کرو اور جس بات سے تم کو روکا جاتا

---

[1] الحنفی: ان کا نام اور مختصر سلسلہ نسب یہ ہے۔ سراج بن عقبہ بن طلق بن علی الحنفی۔ یہ قبیلہ بنی حنیفہ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کا قیام "یمامہ" میں تھا۔ مسیلمہ کذاب کے قتل ہونے کے بعد یہ قبیلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسلمان ہو گیا تھا۔

سراج تابعی ہیں، ان سے بعض احادیث مروی ہیں۔

"الانساب۔ للسمعانی، ج ۴ صفحہ ۲۸۸ رقم ۱۲۴۲" (مترجم)

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَ أَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ

ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے' لہٰذا تم اسی پر چلو

ہے، اُس سے رُک جاؤ۔ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زندگی بسر کرو۔ بس یہی ہے اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا مطلب"۔

قولہٗ : ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ کا مطلب ہے کہ تاکہ تم کو نصیحت حاصل ہو اور جن بُرے کاموں میں تم اُلجھے ہوئے ہو اُن سے باز آجاؤ، اور صراطِ مُستقیم کو اپنی منزلِ مقصود قرار دے لو۔

قولہٗ : وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا :

علامہ قُرطبی رحمہ اللہ اِس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ

"یہ آیت نہایت عظیم ہے اس آیت کا عطف کلامِ سابق پر ہے ان احکامات میں سے بعض کے نہ کرنے کا حکم ہے اور بعض پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ ساتھ ہی اللہ کے راستے کو چھوڑنے کی وعید بھی سنائی ہے۔ جس راستے کی راہنمائی کیلئے بہت سی احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ سلف صالحین موجود ہیں"۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ ایک نحوی بحث کرتے ہیں کہ حرف اَنَّ نصب کے مقام پر سمجھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اَتْلُوْا اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ، فراء اور کسائی کے حوالے سے اور اگر حرف اَنَّ خفض کے مقام پر سمجھا جائے تو معنی یہ ہوں گے۔ وَصّٰكُمْ بِهٖ وَبِاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

صراط سے سیدھا راستہ مقصود ہے جو کہ دینِ اسلام ہے، مُسْتَقِيْمًا بوجہ حال منصوب

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○
(الانعام - ۱۵۲-۱۵۳)

اور دُوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وُہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمھیں پراگندہ کر دیں گے، یہ ہے وہ ہدایت جو تمھارے رب نے تمھیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو۔

ہے یعنی دین اسلام ایک ایسا سیدھا راستہ ہے، جس میں کسی قسم کی کجی نہیں، اللہ تعالےٰ نے اسی سیدھے راستے کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جس کی حدود اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی معرفت متعین کر دی ہیں اور جس کو جاری و ساری فرمادیا ہے اور جس کی آخری منزل جنت ہے۔ اس صراطِ مستقیم سے کئی راستے نکلتے ہیں جو شخص جادۂ مستقیم کو اختیار کرے گا وُہ جنت میں جائے گا، جو ان غلط رستوں پر گامزن ہو گا، اسے دوزخ میں لے جایا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ :۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ — دوسرے راستوں کے تابع نہ بنو، تاکہ تم سے اصل راستہ نہ چھوٹ جائے

صراطِ مستقیم کو چھوڑنے کی کوشش کی تو دوسرے راستے تمھیں یقیناً سیدھے راستے سے ہٹا کر غلط راستہ پر ڈال دیں گے۔"

امام احمد، امام نسائی، دارمی، ابن ابی حاتم اور حاکم نے مندرجہ ذیل حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

خَطَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَطًّا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ : هٰذَا سَبِيْلُ اللهِ مُسْتَقِيْمًا — رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور پھر فرمایا کہ یہ اللہ کی سیدھی راہ ہے۔

ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِيْنِ ذٰلِكَ الْخَطِّ وَ عَنْ شِمَالِهٖ	پھر اس کے دائیں بائیں کئی خطوط کھینچے
ثُمَّ قَالَ	پھر فرمایا کہ
وَ هٰذِهِ السُّبُلُ لَيْسَ مِنْهَا سَبِيْلٌ اِلَّا وَ عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوْ اِلَيْهِ	یہ بھی راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔
ثُمَّ قَرَأَ	پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی۔
وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "میری یہ سیدھی راہ ہے اسی پر چلو، دوسرے راستوں کے تابع نہ بنو۔"

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ سے بدعت اور شہوات انسانی مراد ہیں کہ انسان نیک اعمال و افعال کو چھوڑ کر بدعات پر عمل کرنا شروع کر دے اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں زندگی برباد کر ڈالے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہم صراطِ مستقیم کے بارے میں ایک مختصر بات کہتے ہیں کیونکہ اس کی تشریح میں بلحاظِ صفات اور متعلقات علمائے کرام کی عبارات میں کافی تنوع موجود ہے اور حقیقت میں سب کا مدعا ایک ہی ہے۔" اس کے بعد

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

وَ هُوَ طَرِيْقُ اللّٰهِ الَّذِيْ نَصَبَهٗ لِعِبَادِهٖ مُوْصِلًا لَهُمْ اِلَيْهِ وَ لَا طَرِيْقَ اِلَيْهِ سِوَاهُ بَلِ الطُّرُقُ كُلُّهَا مَسْدُوْدَةٌ عَلَى الْخَلْقِ اِلَّا طَرِيْقَهُ الَّذِيْ	صراطِ مستقیم وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے جو اللہ تک پہنچاتا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتا۔ اور وہ وہی راستہ ہے جس کی انبیائے کرام علیہم السلام نے وضاحت

نَصَبَهُ عَلَى أَلْسُنِ رُسُلِهِ وَ جَعَلَهُ مُوْصِلًا لِعِبَادِهِ إِلَيْهِ

وَ هُوَ إِفْرَادُهُ بِالْعِبَادَةِ وَ إِفْرَادُ رُسُلِهِ بِالطَّاعَةِ فَلَا يُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا فِي عِبَادَتِهِ وَ لَا يُشْرِكُ بِرَسُوْلِهِ ﷺ أَحَدًا فِي طَاعَتِهِ فَيُجَرِّدُ التَّوْحِيْدَ وَ يُجَرِّدُ مُتَابَعَةَ الرَّسُوْلِ ﷺ وَ هٰذَا كُلُّهُ مَضْمُوْنُ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَأَيُّ شَيْءٍ فُسِّرَ بِهِ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِي هٰذَيْنِ الْأَصْلَيْنِ

وَ نُكْتَةُ ذٰلِكَ أَنْ تُحِبَّهُ بِقَلْبِكَ وَ تُرْضِيَهُ بِجُهْدِكَ كُلِّهِ فَلَا يَكُوْنُ فِي قَلْبِكَ مَوْضِعٌ إِلَّا مَعْمُوْرًا بِحُبِّهِ وَ لَا يَكُوْنُ لَكَ إِرَادَةٌ إِلَّا مُتَعَلِّقَةٌ بِمَرْضَاتِهِ فَالْأَوَّلُ : يَحْصُلُ بِتَحْقِيْقِ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا

فرمائی، یہی راستہ انسان کو اللہ تعالےٰ تک پہنچاتا ہے اور باقی سب راستے بند ہیں۔

اللہ کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام عبادات میں واحد اور یکتا سمجھا جائے، اس کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اطاعت میں یکتا رکھا جائے۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں کسی دوسری مخلوق کو شریک نہ کیا جائے اللہ کی توحید اور اتباعِ رسول ﷺ میں کسی دوسرے کو نہ ملایا جائے۔

لا إله إلا الله محمد رسول الله کا یہی مفہوم ہے پس صراطِ مستقیم کی جو بھی تفسیر اور توضیح بیان کی جائے، اس میں یہ دونوں پہلو نمایاں ہیں۔

صراطِ مستقیم کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دلی محبت کی جائے اور اپنی تمام کوششوں میں اس کی رضا کو ملحوظ رکھا جائے اس سے تیرے دل میں کوئی جگہ بھی ایسی نہ رہے جو کہ اس کی محبت میں بھری ہو اور تیرا کوئی ایسا ارادہ باقی نہ رہے جو کہ اس کی رضا سے متعلق نہ ہو پہلی چیز (یعنی انسان کے دل میں محبت) تو تب حاصل ہوگی جب کلمہ شہادت لا إله إلا الله کو حقیقی طور پر اپنے دل و دماغ سے قبول کرے

اللّٰهُ ، وَالثَّانِيْ يَحْصُلُ بِتَحْقِيْقِ شَهَادَةِ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَهٰذَا هُوَ الْهُدٰى وَ دِيْنُ الْحَقِّ وَ هُوَ مَعْرِفَةُ الْحَقِّ وَ الْعَمَلُ بِهٖ وَهُوَ مَعْرِفَةُ مَا بَعَثَ اللّٰهُ بِهٖ رَسُوْلَهٗ وَ الْقِيَامَ بِهٖ

اور دُوسری چیز یعنی اپنے تمام ارادوں میں اس کی رضا اور چاہت کا جذبہ موجزن ہو) یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہدایت اور دینِ حق اسی کو کہتے ہیں، ہدایت کے دوسرے لفظوں میں یُوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ حق کی معرفت اور اُس کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حق کی معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جو ہدایات دیکر بھیجا ہے، ان کو سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے

وَ قُلْ مَا شِئْتَ مِنَ الْعِبَادَاتِ الَّتِيْ هٰذَا آخِيَّتُهَا وَ قُطْبُ رَحَاهَا

صراطِ مستقیم کی تعریف میں جس قسم کی عبارات بناتے رہو بناتے چلے جاؤ لیکن یہ تعریف جو میں نے پیش کی ہے، ان سب تعریفات کا محور اور اُن کا مرکزی نقطہ یہی ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ نے مندرجہ بالا آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْاَثَرِ وَالسُّنَّةِ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنَّهٗ سَيَأْتِيْ عَنْ قَلِيْلٍ زَمَانٌ اِذَا ذَكَرَ اِنْسَانٌ النَّبِيَّ ﷺ وَالْاِقْتِدَاءَ بِهٖ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهٖ ذَمُّوْهُ وَ نَفَرُوْا عَنْهُ وَتَبَرَّؤُا مِنْهُ وَاَذَلُّوْهُ وَ اَهَانُوْهُ

سُنّتِ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لو، مجھے خطرہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد ایسا دَور آنے والا ہے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ اپنے تمام معاملات میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھو تو لوگ اُس کی مذمت کریں گے اور اس سے لوگوں کو نفرت دلائیں گے، اُس سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور اُسے ذلیل و رُسوا کریں گے۔

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى وَصِيَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم الَّتِي عَلَيْهَا خَاتَمُهُ فَلْيَقْرَأْ قوله تعالیٰ

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص اُس وصیّت کو دیکھنا چاہتا ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہر لگائی تھی تو اُس شخص کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لینا چاہیے کہ

قولہٗ : قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

ان کا پورا نام اور مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے ، عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب الھذلی ۔ اور کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے جلیل القدر سابقین اوّلین اور کبار علمائے صحابہ میں سے تھے ۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر ، جنگِ اُحد ، جنگِ خندق اور بیعت الرضوان میں سعادتِ شرکت حاصل کی ۔ ۳۲ھ میں وفات پائی ۔

مذکورۃ الصدر اثر امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کرکے اسے حسن کہا ہے ۔ ابن المنذر ، ابنِ ابی حاتم اور طبرانی رحمہم اللہ نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس وصیت کو آنحضرت نے تحریر کروا کر اس پر اپنی مُہر ثبت فرمائی اور پھر اس وصیت میں اپنی وفات تک تبدیلی نہ فرمائی ۔ جو شخص اِس کو بچشمِ خود دیکھنا چاہے اُس کو یہ آیت قُلْ تَعَالَوْا کو آخر تک پڑھ لینا چاہیے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف کتابُ اللہ کے بارے میں وصیت فرمائی ، آپ نے اسے ایک ایسی تحریر کے مشابہ قرار دیا ہے ، جس کو لکھ کر مُہر لگا دی گئی ہو کہ کمی بیشی نہیں ہو سکتی ۔

وَاِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللهِ — مَیں ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں ، جسے تم نے اگر مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ۔ وہ کتابُ اللہ ہے ۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا الیٰ قولہ وَ أَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا

وَقُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ سے وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا تک۔

فرمایا کہ:

اَيُّكُمْ يُبَايِعُنِي عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ الثَّلَاثِ ؛ ثُمَّ تَلَا قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ حَتّٰى فَرَغَ مِنَ الثَّلَاثِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ	مندرجہ ذیل تین آیات پر کون شخص میری بیعت کرے گا؟ اور پھر قل تعالوا اتل ما حرم ربکم سے آگے تین آیات تلاوت فرمائیں پھر فرمایا کہ
قَالَ :	
وَ مَنْ وَفّٰى بِهِنَّ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَ مَنِ انْتَقَصَ مِنْهُنَّ شَيْئًا فَاَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا كَانَتْ عُقُوْبَتَهٗ وَ مَنْ	جس نے ان کو پورا کیا اُس کا اجر اللہ پر ہے اور جس نے ان میں کمی کی اُس کو دُنیا میں سزا بھی مل گئی
اَخَّرَهٗ اِلَى الْاٰخِرَةِ كَانَ اَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ وَ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ	اور جس شخص کو آخرت تک مہلت مل گئی اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو سزا دے لے۔

وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى حِمَارٍ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ کے گدھے پر سوار تھا

اِس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، حاکم نے بھی روایت کیا اور اس کو صحیح کہا ہے اور محمد بن نصر نے الاعتصام میں روایت کیا ہے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو وُہی وصیت فرماتے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور اپنی نازل کردہ اس کتاب میں حکم دیتے جس کے متعلق اس کی گواہی) ہے، کہ وُہ ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی اور ہدایت و رحمت اور مسلمانوں کے لیے بشارت ہے، یہ آیات اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسولؐ کی وصیت ہیں)

قولہ: عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ الحدیث (صحیحین)

مندرجہ بالا حدیث کئی طرق سے صحیحین میں مروی ہے جن میں سے ایک سند میں وہ الفاظ ہیں، جو کہ مصنف رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں۔

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ ممتاز اور مشہور صحابہ میں سے تھے۔ علم، احکام اور قرآن کے بہت بڑے فاضل تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مشکل مسائل میں اُن کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اُن کی علمی قابلیت کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

مُعَاذٌ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمَامَ الْعُلَمَاءِ بِرَتْوَةٍ	معاذؓ میدانِ محشر میں علماء سے ایک قدم آگے آئیں گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔ جنگِ بدر کے بعد جتنی لڑائیاں لڑی گئیں، معاذ رضی اللہ عنہ ان سب میں شریک تھے۔

فتح مکۃ المکرمہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ کی علمی تربیت کے لیے مامور فرمایا تھا۔ اس جلیل القدر صحابی نے ملکِ شام میں ۱۸ھ کو طاعونِ عمواس سے وفات پائی۔

فَقَالَ لِي، يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟

آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے معاذ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟

قولہ : كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ ﷺ

ان الفاظ سے ثابت ہوا کہ انسان کسی سواری پر سوار ہو تو اپنے پیچھے دوسرے شخص کو بٹھا سکتا ہے اور اس واقعہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

قولہ : عَلَى حِمَارٍ

ایک روایت میں اس گدھے کا نام عُفیر ہے، شارح کے مطابق یہ وہ ہے، جو مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

اِس سے رحمتِ دو عالم ﷺ کی اِنکساری اور عاجزی کی وہ تصویر سامنے آتی ہے (جن کے سامنے بڑے بڑے فلاسفر و ملوک کی گردنیں جھک جاتی ہیں کہ پوری انسانیت کا رہبر اور معلم ایک معمولی گدھے پر سوار ہے اور ایک ساتھی کو بھی اپنے ساتھ سوار کیے ہوئے ہے) آپ کا یہ کام اہلِ کبر و نخوت کے برعکس ہے۔

قولہ : أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ

آنحضرت ﷺ نے استفہامیہ جملہ کے ساتھ یہ سوال اُٹھایا ہے، کیونکہ جب کسی انسان سے ایسا سوال کیا جائے جس کا اِسے پہلے سے علم نہ ہو اور سوال کے بعد اِس کا جواب دیا جائے تو ایسا جواب تشویق پیدا کرتے ہوئے طالب علم کے ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے، جسے وہ آسانی سے نہیں بھول سکتا۔

قولہ : حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ

یعنی وہ افعال اور اعمال جن کے کرنے کا اِنسان کو مکلف قرار دیا گیا ہے۔

قولہ : حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لازماً اپنے وعدے پورے کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں سے جو اس کی توحید پر قائم رہیں گے پکا وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو احسن جزا دی جائیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعْدَ اللّٰهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الروم - ٦)	یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

ایک مطیع اور فرمانبردار کا مستحق اجر ہونا دراصل اسے اپنے انعام واکرام کی بدولت مستحق ٹھہرانا ہے، یہاں معاوضے کا استحقاق نہیں ہے، جیسا کہ ایک مخلوق دوسری پر استحقاق رکھتی ہے، بعض علما کا یہ بھی کہنا ہے کہ استحقاق کا کوئی مطلب ہی نہیں، ہاں اس کی یہاں خبر دیگئی ہے اور اس کا وعدہ تو سچا ہی ہے، لیکن اکثر لوگ اس کے معنی میں مزید استحقاق کے بھی قائل ہیں جیسا کہ کتاب وسنت سے ظاہراً ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (روم ۴۷) اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مؤمنوں کی مدد کریں۔

لیکن اہلِ سنت کہتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ وَأَوْجَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الْحَقَّ وَلَمْ يُوْجِبْهُ عَلَيْهِ مَخْلُوْقٌ	وہ ایسی ذات مقدس ہے، جس نے رحمت کرنا اپنے ذمے لکھ رکھا ہے اور کسی بھی حق کو اپنے اُوپر واجب کر رکھا ہے کسی مخلوق نے اس پر واجب نہیں کیا۔

معتزلہ اس مسئلے میں اہلِ سنت سے اختلاف کرتے ہیں، اُنکا عقیدہ یہ ہے کہ مخلوق کی مانند خدا پر بھی نیکی کی جزاء دینا واجب ہے۔ اُن کے مطابق بندوں نے خود ہی اطاعت شعاری کی ہے، خدا نے انہیں ایسا نہیں کیا کہ وہ اطاعت کریں، اسی طرح وہ معاوضہ کے حق دار ہیں، یہ معاوضہ دینا خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے واجب نہیں کیا، بلکہ یہ اس پر پہلے ہی واجب تھا۔ (والعیاذ باللہ)

معتزلہ کا یہ مسلک غلط ہے، اس میں جبریہ نے غلطی کھائی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ انسان کا کوئی اختیار

قُلْتُ، اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اُسی کی عبادت کریں اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

نہیں ہے، ہر کام خود خدا ہی کرواتا ہے، گویا جزا و سزا صرف علامت ہیں۔) اور قدریہ جہم کے قبیح ہیں اور تقدیر کے منکر ہیں (کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ سب کچھ انسان ہی کے اختیار میں ہے، خدا کا جزاء و سزا کے بارے میں کچھ اختیار نہیں،) اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اِن دونوں عقیدوں کے مابین ہے، وہ اعمال کی توفیق کے بھی قائل ہیں اور اس میں اسباب کی حد تک بندے کا عمل دخل بھی مانتے ہیں۔)

قولہٗ: قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ - اس جملے میں طالب کی شائستگی حسنِ ادب (متانت اور سنجیدگی) کا سبق ملتا ہے، جو شخص کسی چیز سے ناواقف ہو (اس سے اسکے بارے میں سوال ہو) تو اسے یہ کہنا چاہیے (اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَم) لیکن جو لوگ اس کے برعکس وطیرہ اختیار کرتے ہیں وہ پُر تکلف ہوتے ہیں۔

قولہٗ: أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا - مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت میں یکتا اور واحد سمجھا جائے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کی ایک جامع اور مانع اور بہت ہی احسن تعریف کی ہے فرماتے ہیں کہ:

عبادة الرحمٰن غاية حبه مع ذل عابده هما قطبان

رحمٰن کی عبادت، اُس کی غایت محبت کا نام ہے مگر اس طرح کہ عابد اُس کے سامنے اظہارِ تذلّل بھی کرے۔ یہ دونوں، یعنی محبت اور تذلّل، دو قطب ہیں۔

وعليهما فلك العبادة دائر ما دار، حتى قامت القطبان

انہی دونوں پر فلک عبادت کا دار و مدار ہے اور یہ قائم رہے گا جب تک کہ دونوں قطب قائم رہیں گے

ومداره بالامر امر رسوله - لا بالهوى والنفس والشيطان[1]

[1] "قرۃ عیون الموحدین" میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کے یہ اشعار درج ہیں:-

حق الاله عبادة بالامر لا بهوى النفوس فذاك للشيطان

اِسکا مدار اِس امر پر ہے اور امر سے مراد، امرِ رسُول ہے، خواہشاتِ نفس اور شیطان مراد نہیں ہے

قولہٗ : وَلَا يُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا

تمام عبادات میں اللہ کی توحید کا اقرار ضروری ہے کیونکہ جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے لیکن شِرک سے کنارہ کش نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اُس نے صرف ایک ہی اللہ کی عبادت نہیں کی بلکہ اُس نے دُوسروں کو شریک بنا کر شرک کا اِرتکاب کیا ہے لہٰذا ایسا انسان مُشرک ہی ٹھہرے گا۔

امام الدعوۃ محمد بن عبدالوہابؒ کے کلام کا یہی معنیٰ ہے ـــ عبادت کے معنی ہی توحید میں مشرکین سے اسی مسئلہ میں اختلاف تھا (حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے لیکن توحید کے قائل نہ تھے)

جیسا کہ ایک حدیثِ قُدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنِّیْ وَ الْجِنُّ وَ الْاِنْسُ	مَیں اور جن و اِنس ایک عجیب معاملے
فِیْ نَبَاٍ عَظِیْمٍ	میں ہیں، پیدا مَیں کرتا ہوں لیکن عبادت
اَخْلُقُ وَ یُعْبَدُ غَیْرِیْ	کسی دُوسرے کی ہو رہی ہے۔ رزق مَیں
وَاَرْزُقُ وَ یُشْکَرُ سِوَائِیْ	دیتا ہوں لیکن اظہارِ شُکر دوسروں کا ہوتا ہے
خَیْرِیْ اِلَی الْعِبَادِ نَازِلٌ	مَیں اپنے بندوں پر احسان ہی کرتا ہوں لیکن انکی
وَشَرُّھُمْ اِلَیَّ صَاعِدٌ	طرف سے بغاوت و نافرمانی کے سوا کچھ نہیں ہو پاتا
اَتَحَبَّبُ اِلَیْھِمْ بِالنِّعَمِ وَ	مَیں اپنے بندوں پر احسان کر کے محبت کا اظہار
یَتَبَغَّضُوْنَ اِلَیَّ بِالْمَعَاصِیْ	کرتا ہوں لیکن وہ میری نافرمانی کر کے مجھے غصّہ دلاتے ہیں۔

من غیر اشراك به شیئاً هما	سبب النجاة فحبذا السببان
لم ینج من غضب الاله وناره	الا الذی قامت به الاصلان
والناس بعد: فمشرك بالهه	او ذوابتداع، اوله الوصفان

ترجمہ یہ ہے: اللہ کا حق، اس کی عبادت ہے، اخلاص کے ساتھ، نہ کہ ہوائے نفس کے ساتھ یہ تو شیطان کے لیے ہے۔

اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے بغیر عبادت کی جائے۔ یہی باعث نجات ہے اور یہ دونوں (اخلاص اور عبادت) کتنے اچھے سبب ہیں۔

اللہ کے غضب اور آگ سے وہی شخص نجات پائے گا جس میں یہ دو سبب موجود ہیں۔

اگر یہ نہیں ہے تو پھر لوگ یا تو مشرک ہیں یا بدعتی ہیں یا دونوں اوصاف کے حامل ہیں، شرک کے بھی اور بدعت کے بھی۔

وَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا۔

بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اگر وہ مُشرک نہ ہوں تو اُنکو عذابِ جہنم سے بچا لے[1]

قولہٗ : وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شرک کی نفی پر اکتفا فرمایا، کیوں کہ عدمِ شرک توحید کو مستلزم ہے اور رسالت کے اثبات پر دلیلِ قطعی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وہ گویا کہ اللہ کی تکذیب کا مرتکب ہوا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی وہ مشرک ٹھہرا۔
اِس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ
جس نے وضو کیا اُس کی نماز صحیح ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام شروط کا لحاظ رکھتے ہوئے"[2]

---

[1] اللہ تعالیٰ پر کسی بھی قسم کا کوئی حق واجب نہیں بلکہ ربِ کریم نے اپنے خاص فضل و احسان سے مخلص موحدین سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو توحید کی برکت سے عذابِ جہنم میں مبتلا نہیں کرے گا کیونکہ یہ لوگ اپنے ارادوں اپنی مشکلات، اپنی امیدوں، اپنی التجاؤں اور خوف کے وقت اللہ کریم کی بارگاہِ قدس کے علاوہ کہیں نہیں جھکتے اور اپنے قول و عمل سے اُسی کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

[2] مطلب یہ ہوا کہ جس کا وضو درست اُس کی نماز درست، جس کا وضو غلط اُس کی نماز باطل۔
اِسی طرح جو شرک سے بچا اُس کی عبادت درست اور صحیح اور جس نے شرک کیا اگر وہ ساری عمر بھی عبادت کرتا رہے تو اس کی عبادت مردود اور نامقبول۔

(مترجم)

قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ ! ﷺ أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ ؟ قَالَ : لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا - أَخْرَجَاهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ -

---

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ! میں لوگوں کو اس کی خوشخبری سنا دوں ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ کیونکہ پھر وُہ اِسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ رہیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

قولہٗ : اَفَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ ؟

جب کسی مسلمان کو ایسی بات کا علم ہو جس سے وہ دُوسرے کو خوشی اور مسرت حاصل ہو تو ایسی بات بتانا مستحب ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی دستورِ عمل تھا۔

قولہٗ : لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بات عام ہوگئی تو پھر مسلمان اعمالِ صالحہ کے بجا لانے میں سستی کریں گے اور اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ

فَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے موقعہ پر اِس حدیث کو بیان کر دیا تھا مبادا کتمانِ حق کے گناہ میں مبتلا ہو جائیں

الوزیر ابُوالمظفر کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تو یہ چیز صرف اُس جاہل کو نہ بتاتے جو اپنی کم علمی کی وجہ سے سُوئے اَدب کا ارتکاب کرتے ہُوئے نیک اعمال نہ چھوڑ بیٹھے، لیکن وُہ سمجھدار اور فہمیدہ لوگ جن کو ایسی بات کا اگر علم ہو جاتا تو وُہ اطاعت شعاری اور فرمانبرداری میں اور زیادہ نمایاں کردار ادا کرتے جو یہ بھی جانتے کہ انعام واکرام کی کثرت اطاعت گزاری میں بھی زیادتی کو مستلزم ہے تو ایسے لوگوں سے چھپانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اِس باب میں چند فوائد ایسے ہیں جن کا تذکرہ پہلے نہیں ہُوا جیسے :

○ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص کی ترغیب

○ دُوسرا فائدہ یہ ہے کہ عباداتِ الٰہی شرک کے ہوتے سُود مند نہیں بلکہ اسے عبادت نہیں کہا جائے گا۔

○ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اِس میں والدین کے حقوق کی عظمت اور ان کی نافرمانی پر صرف تنبیہہ ہی نہیں کی گئی بلکہ اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

○ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ سورۃ الانعام کی محکم آیات کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔

○ پانچواں فائدہ یہ کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر کوئی مسئلہ نہ بتایا جائے تو گناہ نہ ہوگا۔

قولہ : اَخْرَجَاہُ

اِس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پُورا نام اور مختصر سِلسلۂ نسب یہ ہے۔

محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ ابن بُرْدِزْبَہ رحمۃ اللہ علیہ

(امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کو وہ عظمت اور بزرگی عطا فرمائی کہ دُنیا کا ہر معقول شخص اِس کا معترف ہے) جب کوئی شخص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ زبان سے نکالتا ہے تو ذہن فوراً صاحب صحیح، صاحب التاریخ الکبیر، صاحب الادب المفرد کی طرف منعطف ہوجاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت و جلالت کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ اُنہوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حمیدیؒ، ابن المدینیؒ اور ان کے ہم عصر ائمہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام مُسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور فربری رحمہم اللہ وغیرہ جلیل القدر ائمہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

یہ عظیم محدث سنہ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۵۶ھ میں فوت ہوئے۔

مسلم : امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا نام یہ ہے : ابی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری۔

صحیح مسلم، العلل، الوحدان، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصانیف ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں امام بخاری، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابی خیثمہ، ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ اور ان کے ہم عصر لائق تذکرہ ہیں۔ ان کے شاگردوں میں امام ترمذی، ابراہیم بن محمد بن سفیان جو کہ صحیح مسلم کے راوی ہیں، وغیرہ حضرات نمایاں ہیں۔ یہ جلیل القدر محدث سنہ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور اُنھوں نے سنہ ۲۶۱ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: أَلْحِكْمَةُ فِي خَلْقِ الْجِنِّ وَ الْإِنْسِ۔

① جن و انس کی پیدائش میں حکمتِ الٰہی کا بیان۔

الثانیۃ: أَنَّ الْعِبَادَةَ هِيَ التَّوْحِيدُ لِأَنَّ الْخُصُومَةَ فِيهِ۔

② عبادت ۔ دراصل توحید ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین میں مابہ النزاع مسئلہ یہی تھا۔

الثالثۃ: أَنَّ مَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِ لَمْ يَعْبُدِ اللهَ - فَفِيهِ مَعْنَى قَوْلِهِ ﴿وَ لَآ أَنتُمْ عَابِدُونَ مَآ أَعْبُدُ﴾

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان اختلاف صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں تھا۔ اس کلمہ میں دو ہی جملے ہیں۔ پہلے میں نفی اور دوسرے میں اثبات ہے۔

۱۔ لَا اِلٰہَ: تمام قسم کے معبودوں کی جنھیں لوگوں نے بزعم خود اپنے معبود بنا رکھا تھا، نفی کرتا ہے۔ اور

۲۔ اِلَّا اللہ: اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کو ثابت کرتا ہے۔

پس انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام قسم کے معبودوں سے انکار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہو۔

③ جو شخص توحید کا اقرار نہیں کرتا گویا اُس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔ آیت وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ کا مطلب بھی یہی ہے

الرابعة أَلْحِكْمَةُ فِي إِرْسَالِ الرُّسُلِ۔

④ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت میں جو حکمتیں پنہاں ہیں ان کا ذکر۔

الخامسة أَنَّ الرِّسَالَةَ عَمَّتْ كُلَّ أُمَّةٍ

⑤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام اُمتوں کے لیے عام ہے۔

السادسة أَنَّ دِيْنَ الْأَنْبِيَاءِ وَاحِدٌ۔

⑥ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔

السابعة أَلْمَسْئَلَةُ الْكَبِيْرَةُ أَنَّ عِبَادَةَ اللهِ لَا تَحْصُلُ إِلَّا بِالْكُفْرِ بِالطَّاغُوْتِ ۔ ففيه معنى قوله تعالى (فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى)

⑦ سب سے بڑا مسئلہ اِس میں یہ ہے کہ جب تک طاغوت کا انکار نہ کیا جائے تب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تصوّر ممکن نہیں۔ آیت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ "جس نے طاغوت کا اِنکار کیا اور اللہ تعالیٰ کو مانا اُس نے عروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔"

الثامنۃ أَنَّ الطَّاغُوتَ عَامٌّ فِي كُلِّ مَا عُبِدَ مِنْ دُونِ اللهِ

(٨) طاغوت ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے۔

التاسعۃ عِظَمُ شَأْنِ ثَلَاثِ الْأَيَاتِ الْمُحْكَمَاتِ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ عِنْدَ السَّلَفِ وَ فِيهَا عَشْرُ مَسَائِلَ۔ أَوَّلُهَا النَّهْيُ عَنِ الشِّرْكِ۔

(٩) سلف صالحین کے نزدیک سورہ الانعام کی مذکورہ تین آیات بڑی محکم اور پُرعظمت ہیں۔ اِن میں دس مسائل کا تذکرہ ہے۔ ان دس مسائل میں پہلا مسئلہ نہی عَنِ الشرک ہے۔

العاشرۃ أَلْأَيَاتُ الْمُحْكَمَاتُ فِي سُورَةِ الْاِسْرَاءِ وَ فِيهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ مَسْأَلَةً بَدَأَهَا اللهُ بِقَوْلِهٖ "لَا تَجْعَلْ مَعَ اللهِ إِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا ۝"
وَخَتَمَهَا بِقَوْلِهٖ : "وَ لَا تَجْعَلْ

مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝" وَ نَبَّهَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى عِظَمِ شَأْنِ هٰذِهِ الْمَسَآئِلِ بِقَوْلِهٖ : " ذٰلِكَ مِمَّآ أَوْحٰى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ "۔

⑩ سُورۃ الاسراء کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان کیے گئے ہیں، جن میں سب سے پہلا مسئلہ یہ بیان ہوا کہ

" تُو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دُوسرا معبُود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یارو مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔"

اور سب سے آخری مسئلہ یہ ہے کہ:

" دیکھ اللہ کے ساتھ کوئی دُوسرا معبُود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنّم میں ڈال دیا جائے گا ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محرُوم ہو کر۔"

حقیقت میں یہی مسائل سب سے اہم ہیں جن کی خصُوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت فرمائی۔

" ذٰلِكَ مِمَّآ أَوْحٰى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ "
(یہ وُہ چیزیں ہیں کہ آپ کے رب نے آپکو حکمت سے وحی کر کے بھیجی ہیں)

الحادیۃ عشرۃ | اٰيَةُ سُوْرَةِ النِّسَآءِ الَّتِيْ

تُسَمّٰى أٰيَةُ الْحُقُوْقِ الْعَشَرَةِ
بَدَأَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى بِقَوْلِهٖ :
وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا
بِهٖ شَيْئًا -

(۱۱) سورۂ نساء کی وہ آیت جس کا نام ہی آیۃُ الحقوقِ العشرۃِ رکھا گیا ہے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے یہی مسئلہ بیان فرمایا کہ: دیکھو! صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اُسکا شریک نہ ٹھہراؤ۔

الثانیۃ عشرۃ أَلتَّنْبِيْهُ عَلٰى وَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَ مَوْتِهٖ -

(۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت جو وصیّت فرمائی تھی، اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

الثالثۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ حَقِّ اللّٰهِ عَلَيْنَا -

(۱۳) حقوق اللہ کو پہچاننا اور ان پر کاربند ہونا۔

الرابعۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ حَقِّ الْعِبَادِ عَلَيْهِ إِذَا أَدَّوْا حَقَّهُ -

(۱۴) ہم بندوں پر اللہ کے حقوق کی آگاہی

الخامسۃ عشرۃ أَنَّ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةَ لَا يَعْرِفُهَا

أَكْثَرُ الصَّحَابَةِ

(۱۵) مذکورۃ الصدر مسئلہ کا اکثر صحابہ کو علم نہ تھا [1]

السادسۃ عشرۃ جَوَازُ كِتْمَانِ الْعِلْمِ [2] لِلْمَصْلِحَةِ

(۱۶) کسی خاص مصلحت کی بنا پر اگر کوئی مسئلہ کسی وقت نہ بتایا جائے، تو یہ جائز ہے۔

---

[1] اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ وہ اس مسئلے کو عام نہ کریں، اس لیے کہ مبادا لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کر کے اعمالِ صالحہ کو چھوڑ بیٹھیں، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ زندگی بھر کسی کو نہ بتایا۔ البتہ موت کے وقت کتمانِ علم کے ڈر سے لوگوں کو بتادیا۔ (مترجم)

[2] یہاں کتمانِ علم سے وہ علم مراد ہے جو اقامتِ دین کی ضرورت سے زائد ہو، کیونکہ کتمانِ علم پر اللہ تعالیٰ نے سخت وعید فرمائی ہے۔ جیسے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ۙ	جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، دراں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَ أَصْلَحُوا وَ بَيَّنُوا (بقرہ - ۱۵۹، ۱۶۰)	البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُونَهٗ (آل عمران - ۱۸۷)	ان اہلِ کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انھیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ	موجود شخص غیر حاضر کو تمام مسائل پہنچا دے۔

السابعة عشرة **إِسْتِحْبَابُ بَشَارَةِ الْمُسْلِمِ بِمَا يَسُرُّهُ۔**

⑰ اگر کسی مسلمان کو دوسرے بھائیوں کے لیے کوئی اچھی اور خوش کن خبر ملے تو اس کا انھیں بتانا مستحب ہے۔

الثامنة عشرة **اَلْخَوْفُ مِنَ الْإِتِّكَالِ عَلٰی سَعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔**

⑱ بلا عمل، صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرنے سے انسان کو ڈرنا اور بچنا چاہیے۔

التاسعة عشرة **قَوْلُ الْمَسْئُوْلِ عَمَّا لَا يَعْلَمُ: "اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ"۔**

⑲ جس چیز کا علم نہ ہو اُس کے متعلق "اللہ ورسولہ اعلم" کہنا

العشرون **جَوَازُ تَخْصِيصِ بَعْضِ النَّاسِ بِالْعِلْمِ دُوْنَ بَعْضٍ**

⑳ بعض لوگوں کو علم سکھا دینا اور بعض کو نہ سکھانا جائز ہے۔

الحادية والعشرون **تَوَاضُعُهٗ ﷺ لِرَكُوْبِ الْحِمَارِ مَعَ الْإِرْدَافِ عَلَيْهِ۔**

㉑ اِس بات سے آنحضرت ﷺ کی تواضع کا پتہ چلتا ہے کہ آپ گدھے پر سوار ہیں اور دُوسرے شخص کو بھی پیچھے بٹھائے ہوئے ہیں۔

الثاني والعشرون **جَوَازُ الْإِرْدَافِ عَلَى الدَّآبَّةِ۔**

(۲۲) سواری پر دُوسرے شخص کو پیچھے بٹھانے کا جواز۔

الثالث والعشرون **فَضِيلَةُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ** رضی اللہ عنہ

(۲۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شرف وفضیلت کی وُسعتیں۔

الرابع والعشرون **عِظَمُ شَأْنِ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ۔**

(۲۴) مسئلہ توحید کی عظمتِ شان۔

باب

فضل التوحيد وما يكفر من الذنوب

اِس باب میں توحید کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ توحید تمام گناہوں کو حرفِ غلط کی طرح مِٹا دیتی ہے ،

وقول الله تعالیٰ: وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام: ۸۲)

حقیقت میں تو امن اُنہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وُہی ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

قولہ: وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

ابنِ جریر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھے مثنیٰ نے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا کہ وہ ایمان کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ

"ہر کام کو خاص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر انجام دینے کو ایمان کہتے ہیں۔"

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ زیرِ نظر آیتِ کریمہ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

"جو لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو اِس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، یہی وہ لوگ ہیں جو میدانِ محشر کی ہولناکی سے محفوظ رہیں گے اور دُنیا و آخرت میں ہدایت ان کے لیے مقدر ہے۔"

زید بن اسلم اور ابنِ اسحاق رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ

"یہ آیتِ کریمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم کے درمیان فیصلہ کُن حیثیت رکھتی ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم!

فَاَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ — ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بات یہ نہیں ہے، پھر فرمایا کہ

اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى قَوْلِ لُقْمٰنَ — کیا تم کو حضرت لُقمان علیہ السلام کی نصیحت کا علم نہیں کہ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ — "یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ جب مذکورۃ الصدر آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو ہم سب نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

اَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهٗ؟ قَالَ لَيْسَ كَمَا تَقُوْلُوْنَ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ بِشِرْكٍ اَوَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى قَوْلِ لُقْمٰنَ لِابْنِهٖ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ — ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ اِس کا مطلب جو تم نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ یہاں ظلم سے مُراد شرک ہے۔ حضرت لُقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو وصیت کی اُس پر ذرا غور کرو۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اے بیٹا! شرک نہ کرنا کیونکہ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اِسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اگرچہ لفظوں میں کچھ تنوع ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب مذکورۃ الصدر آیت کریمہ نازل ہوئی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت گھبرائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ:-

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهٗ قَالَ: اِنَّهٗ لَيْسَ الَّذِيْ تَعْنُوْنَ اَلَمْ تَسْمَعُوْا مَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ — یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سے کون شخص ایسا ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟ آپؐ نے فرمایا ظلم کا مطلب جو تم نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے بندۂ صالح (لُقمانؑ) کا قول نہیں سُنا کہ

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ	اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○	شریک نہ کرو اتنا شرک بہت بڑا ظلم ہے
اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ	یعنی یہاں ظلم سے مُراد شرک ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظلم کا مفہوم الذنب بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

اَلْاَمْنُ مِنْ كُلِّ عَذَابٍ	گناہ سے بچنے والے ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے

حضرت حسن بصری اور الکلبی رحمہما اللہ نے مندرجہ ذیل مفہوم بیان کیا ہے:

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ فِی	جو لوگ ظلم سے کنارہ کشی اختیار کریں گے
الْاٰخِرَةِ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ	وہ میدانِ محشر کی سختیوں سے امن و حفاظت
فِی الدُّنْيَا	میں رہیں گے اور دُنیا میں ہدایت سے بہرہ مند ہونگے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مندرجہ بالا حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے چینی کا سبب یہ تھا کہ اس آیت میں جہاں بندے کے ظلم سے اجتناب کا ذکر ہے، وہاں اس کا اپنی ذات پر ظلم مُراد ہے، گویا کہ امن و ہدایت صرف اس آدمی کے لیے ہے، جو اپنی ذات پر بھی ظلم نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اِس بے چینی اور خلش کو دُور فرماتے ہوئے کہا کہ

"ظلم سے محفوظ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ اِنسان شرک سے اپنے آپ کو بچائے قرآن کریم کی اِصطلاح میں شرک کو ظلم کہا گیا ہے۔"

یہی وہ ظلم ہے کہ جو انسان کو امن و اہتداء کی راہوں سے دُور لے جائے گا لیکن جس نے اپنے آپ کو اس ظلم سے محفوظ رکھا وہ یقیناً ان لوگوں میں ہوگا جنھوں نے امن و اہتداء کی راہ کو پا لیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ	پھر ہم نے اُن لوگوں کو کتاب کا وارث
اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ	ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ

ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ (فاطر - ۳۲)

کیا تو اُن میں کچھ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جاتے ہیں اور یہی بڑا فضل ہے۔

(اِس آیتِ کریمہ میں ظلم سے مراد چھوٹے موٹے گناہ مقصود ہیں) یہ آیت گناہوں پر مؤاخذہ کی نفی نہیں کرتی کیونکہ جب تک انسان توبہ نہیں کرے گا اس کو اُس کے گناہوں کی سزا ضرور ملے گی، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اُس کو

لہ سورۂ فاطر کی اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے تین گروہ بیان کیے گئے ہیں :-

۱۔ ظالم لنفسہٖ ــ یہ وہ گروہ ہے جنھوں نے اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ چند اعمالِ سیئہ کا بھی اِرتکاب کیا۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو بالکل معاف فرمائے اور اگر چاہے تو گناہ کی مناسبت سے ان کو سزا دے کر جنّت میں داخل کردے۔

۲۔ مقتصد ــ یہ وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن اعمال کا حکم ہوا تھا، ان کو بجا لائے اور جن بُرے اور حرام کاموں سے روکا گیا تھا اُن سے دامن کشاں رہے۔

یہ ابرار اور صالحین کی پاکیزہ جماعت تھی۔

۳۔ سابق بالخیرات ــ یہ وہ گروہ ہے جن کو ایمانِ کامل نصیب ہوا چنانچہ انھوں نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی۔ پس یہی وہ سعید گروہ ہے جن کو دُنیا اور آخرت میں امنِ تام اور ہدایتِ کامل نصیب ہوگی، کیونکہ ایمانِ کامل کا یہ خاصہ ہے کہ جس خوش نصیب کو یہ دولت مل گئی، وہ امن و ہدایتِ کلی سے بہرہ مند ہوگیا اور جس نے جزوی طور پر اپنے ایمان اور اپنے اعمال کو درست کیا اسے امن و ہدایت بھی جزوی طور پر ہی میسر ہوگی، کیونکہ کمالِ ایمان معاصی سے بھی منع کرتا ہے اور نتیجۃً عقوبات اور سزاؤں سے بھی بچ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ (النساء - ۱۴۷)

آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی مفہوم کو واضح کیا ہے اور کتاب و سنّت سے بھی اسی کی وضاحت ہوتی ہے اور اہلِ سنّت کا مسلک بھی یہی ہے۔ (ماخوذ از قرۃ العیون)

خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

(الزلزال - ۷-۸)

اِس پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں کون ایسا شخص ہے جس نے کبھی کوئی بُرا کام نہ کیا ہو؟

آپؐ نے فرمایا کہ

يَا اَبَابَكْرٍ ! اَلَسْتَ تَنْصَبُ اَلَسْتَ تَحْزَنُ اَلَيْسَ يُصِيْبُكَ اللَّاْوَاءُ فَذٰلِكَ مَا تُجْزَوْنَ بِهٖ

اے ابوبکرؓ! کیا تمھیں کبھی تکان کا احساس نہیں ہوا؟ کیا تم کبھی غم سے دوچار نہیں ہوئے؟ اور کیا کبھی مصیبت نے تمھیں نہیں گھیرا؟ یہ ان چھوٹے موٹے گناہوں کی سزا ہی تو ہے جو دی جا رہی ہے۔

یہاں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمادی کہ مؤمن مرنے کے بعد جنّت میں ضرور داخل ہوگا، اس کے گناہوں کا کفّارہ دُنیا ہی میں اُس کو مختلف مصائب و آلام میں مبتلا کر کے دے دیا جاتا ہے البتہ جس شخص نے اپنے آپ کو تینوں قسم کے ظلم سے محفوظ رکھا یعنی شرک سے، مخلوقِ خدا پر ظلم سے اور شرک کے علاوہ اپنے آپ پر ظلم کرنے سے محفوظ رہا اس کو امن و اھتداء کامل حاصل ہوگی اور جو شخص اپنے آپ پر ظلم کرنے سے محفوظ نہ رہا اس کو مطلق امن و ہدایت ملے گی۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وُہ جنّت میں تو ضرور داخل ہوجائے گا جس طرح کہ دُوسری آیت میں وعدہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے، جس کا انجام جنّت ہے، لیکن ظلمِ نفس کی وجہ سے جو نقص واقع ہوچکا ہے اسی قدر امن اور ہدایت میں بھی نقص واقع ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ کہ اس سے مراد شرک ہے۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ جو شرکِ اکبر سے بچا رہے گا کہ اسے امنِ تام اور اھتداء کامل حاصل ہوگی، کیونکہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اہلِ کبائر کو خوف سے واسطہ پڑے گا، انھیں امنِ تام میسّر نہیں ہوگا اور اسی طرح ایسی ہدایت

کامل جس کی بنا پر وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہونگے، یعنی اُن لوگوں کے رستے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور جن پر کوئی عذاب نہ ہو (مراد یہ کہ انھیں ایسی ہدایت کامل نصیب نہ ہوگی) بلکہ صرف اس رستے کی بنیاد اور (ہر قسم) نعمتِ الٰہی کا اصل انھیں میسّر ہے جس کی بنا پر جنت میں ضرور داخل ہونگے۔

انما ھو الشرك سے مُراد اگر شرکِ اکبر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص شرکِ اکبر کا مرتکب نہیں ہُوا وہ لازماً اس عذاب سے محفوظ رہے گا، جس سے مشرکین کو دُنیا اور آخرت میں ڈرایا گیا ہے۔

اگر جنسِ شرک مراد ہے تو اسے بندے کا اپنے نفس پر ظلم کرنے سے تعبیر کیا جائیگا۔

جیسے مال کی محبت میں بعض واجبات کا ادا نہ کرنا یا اللہ تعالیٰ کی ناپسند چیز سے محبت کر لینا یا اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر ترجیح دینا وغیرہ۔ یہ سب امور شرکِ اصغر میں شمار ہوتے ہیں تو اس صورت میں اسی نقص کے لحاظ سے امن و ہدایت میں بھی کمی آجائے گی، اسی وجہ سے سلف نے گناہوں کو شرکِ اصغر سے تعبیر کیا ہے۔[1]

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نزولِ آیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ

وَاَيُّنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ! لَمْ يَلْبِسْ اِيْمَانَهٗ بِظُلْمٍ؟ قَالَ: ذٰلِكَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ الْعَبْدِ الصَّالِحِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کون ہے جس کے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہ ہوئی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے اللہ کے بندۂ صالح (لقمانؑ) کا قول نہیں سُنا کہ "یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

جُب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظلم کے معنی سمجھنے میں دشواری پیش آئی اور اُنھوں نے گناہوں کو بھی ظلم سمجھا اور خیال کرنے لگے کہ شاید معمولی گناہ کا مرتکب بھی امن اور اہتدائے محروم رہے گا، اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

[1] یہ مفہوم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الایمان" سے نقل کیا گیا ہے۔

عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال قال

رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وُہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کی تسکین کی خاطر فرمایا کہ امن اور ہدایت کے سراسر منافی وُہ ظلم ہے جس کو قرآن کریم نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :۔

وَ هٰذَا وَ اللهِ هُوَ الْجَوَابُ الَّذِیْ یَشْفِی الْعَلِیْلَ وَ یُرْوِی الْغَلِیْلَ	بخدا! یہی وہ جواب ہے جس سے کہ مریض کو شفا حاصل ہوتی ہے اور جو شک کی تشنگی کو دُور کرتا ہے۔

مطلق اور مکمل ظلم سے مُراد شرک ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حق عبادت کو اصلی مقام سے پھیر دیا جائے اور امن اور ہدایت مطلق سے مُراد دُنیا اور آخرت میں امن حاصل ہونا ہے اور صراط مستقیم پر گام فرسا ہونا یعنی مطلق اور مکمل ظلم امن اور ہدایت مطلق کو ختم کر دینے والا ہے، لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ ظلم مطلق، امن و ہدایت مطلق کو مانع ہو تو غور کرو، جہاں ظلم کا اطلاق مطلق ہو گا، وہاں امن و ہدایت کی رکاوٹ بھی مطلق ہو گی اور جہاں ظلم کا اطلاق جزوی ہو گا، وہاں امن و ہدایت کی صورت بھی جزوی ہو گی۔

قولہ ۔ عن عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ عنہ

حضرت عبادہ بن صامت بن قیس الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں اُن کی کنیت ابوالولید ہے، بیعت العقبہ میں شریک ہونے والے وفد میں اُنکی حیثیت ایک نقیب کی تھی (یعنی اسلامی تبلیغ کی ذمہ داری کے لیے جو بارہ نقیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چُنے اُن میں یہ بھی تھے۔ ۷۲ سال کی عمر پا کر ۳۴ھ میں رملہ کے مقام پر فوت ہوئے، بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔

مَنْ شَهِدَ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

جو شخص شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تشریح

قولہٗ: مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یعنی جو شخص اِس کلمہ کے معنیٰ کو سمجھتے ہوئے اور جانتے ہوئے زبان سے اقرار کرے اور اسکے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو عملی جامہ پہنائے۔

یاد رہے دونوں شہادتوں میں علم، یقین اور عمل کا ان کے مدلول کے ساتھ پایا جانا ضروری ہے اور ان کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد - ۱۹) جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر فرمایا کہ

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (زخرف - ۸۶) ہاں! جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں۔

لیکن کلمہ طیبہ کا ایسا اقرار کہ جس سے نہ تو اِس کے مفہوم و معانی کا علم ہو نہ یقین ہو، نہ اِس کے تقاضوں کے مطابق عمل ہو نہ شرک سے بیزاری ہو، نہ قول و عمل میں اخلاص ہو، نہ دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو اور نہ دِل اور اعضا کے کردار میں یگانگت ہو تو ایسی شہادت بالاجماع غیر نافع[1] اور غیر مفید ہے

---

[1] کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہے۔ جملہ لَآ اِلٰہَ، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے اُلوہیت کی نفی کرتا ہے اور اِلَّا اللّٰہُ، اللہ تعالیٰ کے لیے اُلوہیت کو ثابت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ربِ ذوالجلال فرماتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا — اللہ تعالیٰ نے خود اِس بات کی شہادت دی ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف

علامہ قرطبیؒ صحیح مسلم کے حاشیہ المفہم میں باب باندھتے ہیں کہ لایکفی مجرد التلفظ بالشہادتین - بل لابد من استیقان القلب - یعنی صرف دونوں شہادتوں کو زبان سے ادا کرنا کافی نہیں بلکہ دل سے یقین کرنا ضروری ہے

هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران ۱۸) کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اُس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے"

علامہ محمد حامد الفقی رحمۃ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں۔

کفار مکہ چونکہ قرآن کریم کی فصیح لغت کو سمجھتے تھے، اس لیے قرآن کریم نے جس توحید کو پیش کیا اس سے وہ بخوبی آگاہ تھے، لیکن آج وہ لوگ جن میں شرک فی العبادت پھیل چکا ہے یہ لوگ اس لغت کے ماہر نہیں، انھوں نے ان اصطلاحات کو جو باپ دادا سے چلی آرہی ہیں دین سمجھ لیا ہے، خواہ وہ اصطلاح متکلمین کی تھی یا عوام کی۔

عام پڑھے لکھے لوگوں کو تو چھوڑیے، امام رازیؒ جیسے شخص جو کہ ان کے علم متکلم اور ان کے اصولوں کے ماہر تھے نے بھی قرآن کریم کی آیت قالوا یاموسیٰ اجعل لنا الٰہا کما لھم الٰھة کی تفسیر میں الالٰہ کا معنیٰ سمجھنے میں غلطی کھائی ہے، تو بتائیں دوسرے علماء کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے۔

کلمہ طیبہ کی حقیقت سے بے خبری اور جہالت کی وجہ سے اکثر لوگ گمراہ ہوئے کیونکہ اُنھوں نے صفت الوہیت کو اُن افراد میں ثابت کرنے کی کوشش کی جن سے اس صفت الوہیت کی نفی کی گئی ہے، جیسے اصحاب القبور، طاغوت، شجر وحجر اور جنات وغیرہ اور اس شرک کو دین اور توحید کو بدعت سمجھ لیا۔ تشبیہات اور ملمع سازی میں پڑ گئے جو شخص توحید کیطرف دعوت دیتا، اس کی مخالفت کی، افسوس کہ ان لوگوں نے کلمہ توحید لآ الٰہ الا اللہ کے مفہوم کو اتنا بھی نہ سمجھا، جتنا کفار مکہ نے سمجھا تھا۔

کیونکہ کفار مکہ اس کلمہ شہادت کی حقیقت کو سمجھتے تھے لیکن اُس اخلاص سے انکار کرتے تھے جس پر کلمہ طیبہ دلالت کناں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

إِنَّهُمْ كَانُوٓا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍۭ ۝ (الصٰفٰت-۳۵-۳۶)

"یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے" تو یہ گھمنڈ میں آجاتے اور کہتے تھے "کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟"

مشرکین مکہ اور آج کے مشرک میں یہ صفت مشترک ہے کہ توحید کی دعوت دینے والوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا یہ لوگ جن جن فوت شدہ صلحاء اور اہل قبور اور طاغوت وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں، اس سے جب انھیں روکا جاتا ہے تو دعوت الی التوحید دینے والوں کی سخت مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ مشرکین مکہ نے کلمہ طیبہ کے معنی کو سمجھا اور پھر انکار کیا لیکن آج کا مشرک کلمہ طیبہ کے مفہوم کو بھی نہ سمجھا اور انکار بھی کیا، اسی لیے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ لآ الٰہ الا اللہ کا وظیفہ بھی کر رہے ہیں اور غیر اللہ کو بھی پکار رہے ہیں۔

(ماخوذ از قرۃ العیون)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا یہ باب غلو پسند فرقہ مرجئہ کے عقائد کی تردید کے لیے کافی ہے۔ کیوں کہ غلو پسند مرجئہ کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف زبان سے تو شہادتین کا اقرار کر لینا ایمان کیلئے کافی ہے علامہ موصوف نے اس باب میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ اس عقیدہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جن اہلِ علم کو اس فرقہ کے عقائد کا علم ہے، اُن کو یقین ہے کہ ان کا عقیدہ ازروئے شریعت مطلقاً فاسد اور باطل ہے، نیز اس لیے کہ اس سے نفاق کی راہ ہموار ہوتی ہے اور اس سے یہ فیصلہ دینا پڑے گا کہ اس کا ایمان صحیح ہے، حالانکہ یہ قطعی باطل ہے۔

زیرِ بحث حدیث میں "مَنْ شَهِدَ" کے جملہ سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ علم، یقین، اخلاص اور صدق کے بغیر کلمۂ شہادت کا کوئی مطلب نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہایت عظیم اور شاندار وقعت کی حامل ہے اور عقائد کے سلسلے میں یہ حدیث سب سے جامع ہے یا ان احادیث سے ہے جو کہ نہایت جامع ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اختصار کے ساتھ وہ تمام پہلو بیان فرمائے ہیں، جن سے ایک انسان کفر کے مذاہب سے کٹ کر اسلام کے حصار میں آجاتا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر اس مفہوم کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

وَحْدَهٗ : بقاعیؒ کے قول کے مطابق تاکید اثبات کے مترادف ہے۔ اور

لَا شَرِيْكَ لَهٗ : منفی پہلو کی توضیح کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اس مفہوم کو قرآنِ کریم میں مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے جیسے :

۱۔ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرہ - ۱۶۳)

لوگو! تمہارا معبود خدائے واحد ہے۔ اس بڑے مہربان اور رحم کرنے والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

۲۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

جتنے بھی پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی

إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ عبادت کرو۔
(الانبیاء - ۲۵)

۳. وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ (الاعراف - ۶۵)

قومِ عاد کی طرف اُن کے بھائی ہُودؑ کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا کہ اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو۔ اُسکے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟

اُن کی قوم نے اُلٹا جواب دیتے ہوئے کہا

أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ (الاعراف - ۷۰)

کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے خدا ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پُوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کُن بات کی اور فرمایا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ (الحج - ۶۲)

خدا ہی برحق ہے اور جن کو یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں وُہ باطل ہے اِس لیے کہ خدا رفیع الشان اور بڑا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ کی ذات کے سوا سب سے معبودیت کی نفی کر دی گئی ہے۔ یہی عبادت ہے اور یہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ثابت ہے۔

قرآنِ کریم ابتداء سے انتہا تک اِسی مطلب کو بار بار اور مختلف انداز میں بیان کرتا اور اُس کی طرف مخلوقِ خُدا کی رہنمائی کرتا ہے۔

ہر قسم کی عبادت دِل کی محبت بھری عبادت سے واقع ہوتی ہے جس میں خشوع وخضوع، اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری اور ترغیب و ترہیب کے جذبات بھی ہوں۔ اور ان سب چیزوں کا استحقاق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں ہے، جیسا کہ اس باب اور اس سے پہلے باب کے دلائل میں گزر چکا ہے پس جس شخص نے ان امور میں سے کسی امر کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے سمجھا تو گویا اُس نے اللہ تعالیٰ

کے ساتھ اس کو شریک اور ندٹھیرالیا۔ یہ ایسا فعل ہے، جس کے ہوتے ہوئے نہ کوئی قول فائدہ مند ہوگا نہ کوئی عمل۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنیٰ پر علمائے سلف کے اقوال

الوزیر ابوالمظفر اپنی کتاب "الافصاح" میں لکھتے ہیں کہ

"لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کرنے والے کو لازم ہے کہ وہ لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے مطلب کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد - ۲۰) خوب اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے

لفظ اللہ کا اِلَّا کے بعد بحالتِ رفع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ معبودیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ کریم کے سوا کوئی بھی اس کا اہل نہیں۔

کلمۂ طیبہ کے جملہ فوائد کی رُوح یہ ہے کہ یہ طاغوت سے انکار اور ایمان باللہ پر مشتمل ہے، کیونکہ جب تم نے الوہیت (غیر اللہ) کا انکار کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معبودیت کے وجوب کو تسلیم کر لیا تو تم نے اپنے آپ کو ان لوگوں میں شامل کر لیا، جنھوں نے طاغوت کے ساتھ کفر کیا اور اللہ کے ساتھ ایمان لائے۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "بدائع الفوائد"[1] میں کلمہ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے سلسلے میں اُن لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے خارج ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

مستثنیٰ نہ صرف مستثنیٰ منہ سے خارج ہوتا ہے، بلکہ مستثنیٰ منہ کے حکم سے بھی خارج ہوتا ہے، اس لحاظ سے وہ دوسرے سے مستثنیٰ میں داخل نہیں ہوتا ___ اس لیے اس سے مراد مستثنیٰ منہ کے تمام لوازم کا اِستثنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وصفِ معبودیت اپنے تمام لوازم کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

کہ اگر یوں ہو یعنی مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے خارج ہو تو کوئی آدمی بھی لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے مسلمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُس نے وصفِ الوہیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں کیا اور کلمۂ لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ غیر اللہ سے نفی الوہیت کے لیے اور بالخصوص وصفِ

---

[1] جلد ۳، صفحہ ۵۶

الوہیت کو اللہ کے لیے ثابت کرنے کے لیے موضوع خاص ہے، چنانچہ یہ کہنا کہ اللہ اسکا الٰہ ہے، اِس سے اثباتِ اُلوہیت جو ہے وہ شئی زائد ہے اور اس میں کسی طرح کے شُبہے کی گنجائش نہیں ہے۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"لا إلٰہ إلاّ اللہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی معبُود نہیں۔"

علامہ الزمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"الاِلٰہ اُن اسماء میں سے ایک ہے جن کو اسم جنس کہا جاتا ہے، جیسے رجل، فرس۔ الٰہ ہر معبود پر بولا جاتا ہے خواہ وہ حق ہو یا باطل۔ پھر اس کا اِطلاق صرف معبُودِ حق پر ہونے لگا۔"

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الٰہ" معبود اور مطاع کو کہتے ہیں۔ سو "اِلٰہ" کا معنیٰ معبُود ہے اور معبود وہ ہے جو عبادت کا استحقاق رکھتا ہو اور اس کے مستحقِ عبادت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے اوصاف سے متصف ہے جن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آخری درجہ کی محبت کا حقدار وہی محبوب ہو۔ انتہائی اِطاعت و فرمانبرداری کا اِظہار اُسی کے لیے ہو۔"

اور فرمایا:

"پس اِلٰہ ہی وہ محبوب اور معبود ہے، دِل محبت سے جس کی عبادت کریں، اس کی اطاعت بجالائیں، اس کے لیے ذِلت کا اظہار کریں، اس سے خوفزدہ ہوں، اس سے امیدیں وابستہ رکھیں، دشواریوں میں اسکی طرف رجُوع کریں، مشکلات میں اسی کو پکاریں، اپنے مفادات میں اسی پر بھروسہ کریں، اسی کے پاس جائے پناہ تلاش کریں، اور اسی کی محبت میں سکون پائیں۔ ان تمام اوصاف کا حامل اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں۔ اسی لیے کلمہ طیبہ "لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ" سب سے بڑھ کر سچا کلام ہے اور صدقِ دل سے اسے پڑھنے والے لوگ اللہ والے اور اس کی جماعت ہیں، اس کے منکرین اللہ کے دشمن اور اس کے غضب و اِنتقام کے سزاوار ہیں۔ جب یہ کلمہ درست ہو جائے تو اس کے ساتھ ہی ہر مسئلہ، ہر حال اور ہر ذوق درست ہو جاتا ہے اور جب بندہ اپنا کلمہ ہی درست

نہ کرے تو اس کے عُلوم اور اعمال لازماً فاسد ہوں گے۔"

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الٰہ وہ ذات ہے جس کی محبت، جلال، اس کی طرف انابت، اس کے احترام، اس کی تعظیم، اس کے لیے ذلت، اطاعت، خوف، امید اور اس پہ بھروسے کی بنا پر اس کی عبادت کا جذبہ موجزن ہو۔"

اور حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إلٰه وہ ذات ہے جس کی ہیبت، جلال، محبت، خوف، اس سے اُمید، اس پر بھروسے اور اس سے سوال و دُعا کے پیشِ نظر اسکی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اور یہ سب کچھ اللہ عزوجل کے علاوہ اور کسی کے بھی شایانِ شان نہیں۔"

پس جس شخص نے مخلوق میں سے کسی کو ان امور میں شریک ٹھہرایا جو خصائصِ الوہیت میں سے ہیں، اس نے کلمۂ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ" پڑھنے میں اپنے اخلاص کو ناقص اور عیب دار کر لیا۔ اور جس قدر اس نے خصائصِ الوہیت کو مخلوق میں تسلیم کیا، اسی نسبت سے اس میں مخلوق کی بندگی ہو گی۔

بقاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"لا الٰہ الا اللہ اس بات کی بہت بڑی نفی ہے کہ خدائے عظیم کے سوا کوئی اور معبود ہو۔ لا الٰہ الا اللہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کو ٹھیک ٹھیک جان لینے سے قیامت کی سختیوں سے نجات مل سکتی ہے۔ اس کلمہ کی معرفت اُسی وقت حاصل ہو گی جبکہ اِس سے فائدہ پہنچے اور فائدہ اُس وقت پہنچے گا جب کہ انسان اذعان و عمل سے اس کے تقاضوں کو پُورا کرے ورنہ جہالت کے سِوا کچھ حاصل نہیں۔"

الطیبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ

"اِلٰہ فعال کے وزن پر اور مفعول کے معنوں میں ہے، جیسے کتاب، مکتوب کے معنوں میں ہے۔ اس کا ماضی کا صیغہ اَلَهَ اور مصدر اِلٰهَة ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ

عَبَدَ عِبَادَةً" اُس نے عبادت کی۔

فعال بمعنی مفعول اہلِ علم میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ پس کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ، اللہ کریم کے سوا کوئی بھی ہو، سب کی معبودیت کی نفی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے الٰہیت کا

اثبات کرتا ہے

یہ وہی توحید ہے جس کے سمجھانے کے لیے اللہ کریم نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور قرآنِ کریم اوّل تا آخر اسی کی تشریح و توضیح کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ جنات کی بات نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا — اے نبیؐ! کہو میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سُنا پھر (جاکر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا۔

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ (الجن - ۲،۱) — ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سُنا ہے، جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے ہم اُس پر ایمان لائے ہیں اور ہم اب ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ جب تک لا الٰہ اِلّا اللہ کے مدلول اور تقاضوں کو خواہ وہ نفی پر دال ہوں یا اثبات پر، نہ سمجھا جائے اور اس پر اعتقاد نہ رکھا جائے اور ان کو قبول کر کے عملی جامہ نہ پہنایا جائے اُس وقت تک اِس کلمہ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

جو شخص بغیر جانے اس پر عقیدہ رکھے اور عمل کیے بغیر اس کا زبانی وظیفہ کرتا ہے تو جیسا کہ عُلماء کے اقوال گزر چکے ہیں، یہ اس کے خلاف بطورِ حجت پیش ہو گا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ الٰہ کا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ:

"الٰہ اُس معبود کو کہتے ہیں جس کی عبادت و اطاعت کی جائے، کیونکہ الٰہ وُہ ہے جس کی عبادت کی طرف دِل از خود مائل ہو جائے۔ حقیقت میں یہی ذات عبادت کے قابل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی صفات کاملہ موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ محبوبِ خلائق ہو جاتا ہے اور مخضوع وُہ ہے جس کے سامنے انتہائی خضوع کے ساتھ جُھکا جائے۔

○ وُہ ایسا محبوب اور معبود الٰہ ہے جس کی طرف قلوب پُوری محبت سے کھنچ جاتے ہیں۔

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ -

وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں -

- اُسی کے سامنے دِل جھکتے ہیں -
- اُسی کے سامنے عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں -
- اُسی سے ڈرتے ہیں اور اُسی سے اُمیدیں وابستہ کرتے ہیں -
- مصائب و آلام اور مشکلات کے وقت اُسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں -
- مشکل اوقات میں اُسی سے فریاد کرتے ہیں -
- اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے اُسی سے فریاد کرتے ہیں -
- اُسی کے ذکر سے دِل اطمینان حاصل کرتے ہیں -
- اسی کی محبت میں سکون پاتے ہیں

ان تمام صفات کی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے - یہی وجہ ہے کہ تمام کلاموں میں سچا کلام لا الٰہ الا اللہ ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے حزب اللہ ہیں - اِس کے منکر اور اِس سے سرکشی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اُس کے غضب و قہر کا شکار ہیں - جب یہ کلمہ صحیح ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی تمام مسائل از خود حل ہو جائیں گے اور جس شخص کا یہ کلمہ ہی صحیح نہ ہوا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے علم اور عمل میں فسادِ عظیم پیدا ہو جائے گا -"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اَلْاِلٰهُ هُوَ الَّذِىْ تَاْلَهُهُ الْقُلُوْبُ مَحَبَّةً وَّ اِجْلَالًا وَّ اِنَابَةً وَّ اِكْرَامًا وَّ تَعْظِيْمًا وَّ ذُلًّا وَّ خُضُوْعًا وَّ خَوْفًا وَّ رَجَاءً وَّ تَوَكُّلًا	الٰہ وہ ہے جس کو سارے قلوب چاہتے ہیں، اُسی سے محبت کرتے، اُسی کی بڑائی اور تعظیم کرتے ہیں، اُسی کے آگے جھکتے اور ذلیل ہوتے اور خشوع و خضوع کرتے ہیں اور اسی سے اُمید اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں

قولہٗ : وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

یہ الفاظ درحقیقت لا الٰہ الا اللہ کی تاکید اور اس کے معنی مضمون کا بیان ہے - اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جہاں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا ذکر فرمایا وہاں کلمہ توحید کی بھی وضاحت کی ہے -

وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ۔

اور شہادت دے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسُول ہیں۔

عُبّاد القبُور کی جہالت کس درجہ بڑھ گئی ہے اور وہ کس قدر شرکِ عظیم میں مُبتلا ہیں کہ جو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بالکل منافی ہے۔ مُشرکینِ عرب اور ان کی طرح کے دُوسرے مشرک بھی لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا لفظاً و معنیً اِنکار کرتے تھے لیکن موجودہ مُشرک لفظاً تو اس کا اقرار کرتے ہیں مگر معنیً اس کے مُنکر ہیں[1] اگر تم ان کی حالت پر غور کرو گے تو دیکھو گے کہ وہ غیر اللہ کی مختلف قسم کی عبادتیں کر رہے ہیں۔ مثلاً محبّت، تعظیم، خوف، اُمید، توکّل اور دعائیں وغیرہ عبادات میں وہ غیر اللہ کی طرف مائل ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اِن کا شرک کئی اعتبار سے مشرکینِ عرب کے شرک سے کئی گنا زیادہ ہے۔

کیونکہ اِن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب انھیں کوئی مصیبت آتی ہے تو نہایت اخلاص سے غیر اللہ سے دُعا مانگتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس طرح خدا سے مانگنے کی نسبت انکی دُعا جلد قبول ہو جائے گی۔ لیکن پہلے مشرکین کی حالت اس سے برعکس تھی کہ جب آسانی کا وقت ہوتا تو وہ غیر اللہ سے مانگتے البتہ شدائد میں صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو پکارتے تھے، جیسے قرآن کریم میں انکی حالت بیان کی گئی ہے

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ	جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ	دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس سے
فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ	دعا مانگتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں بچا کر
اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ	خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے
(العنکبوت - ۶۵)	لگتے ہیں۔

اِس سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ دَور کے مُشرک اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید کو سمجھنے میں مشرکینِ عرب اور اُن سے قبل کے لوگوں سے بھی زیادہ ناواقف اور جاہل ہیں۔

[1] یہ متأخرین علماء الالٰہ کے معنے سے غافل ہیں وہ الٰہ کے حقیقی معنی کو جو توحید الوہیت پر دال تھے بدل کر صرف توحید ربوبیت کی طرف لے گئے ہیں جس سے مراد کسی چیز پیدا کرنے پر قدرت ہے، پس جس شرک کو لا الٰہ الا اللہ ختم کرتا ہے، انھوں نے اسی کو ثابت کر دکھایا ہے اور کلمۂ توحید نے جس خلوص عبادت للہ کو ثابت کر دیا تھا، ان لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی نفی کر دی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین ؛ تو اللہ کے لیے ہی (اپنے) دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کر۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عظیم ترین وظیفہ عرصہ دراز سے ضائع ہو چکا ہے، اور اس دَور میں نہایت

"محمد رسول اللہ" کی وضاحت

قولہٗ: وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

(وَ حرفِ عاطفہ ہے جس کا عطف لفظ شَہِدَ پر ہے۔ اِس صُورت میں عبارت یوں ہوگی) (وَشَہِدَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ) یہ اپنے ماقبل پر تکرارِ عامل کی وجہ سے معطوف ہے جو محذوف معنوی ہے۔ معنیٰ یہ ہے گواہی دی کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے بندے اور اُسکے رسُول ہیں)

اَلعَبدُ کے معنیٰ ہیں ایسا غلام جو عابد ہو۔ معنیٰ یہ ہونگے کہ حضرت مُحمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے غلام ہیں جن کا خاصہ اور وصف عبُودیت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں؟ (الزمر)

بارگاہِ الٰہی میں ایک انسان کا سب سے بلند مقام اور مرتبہ یہ ہے کہ وہ رسالت اور عبُودیتِ خاصّہ سے متصف ہو چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں صفتوں میں تمام مخلوقات میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں[1]

معمُولی رسمیں رہ گئی ہیں، یہ وہ دشمن ہے جس کی بدولت قومیں اپنے پاؤں پر کھڑی ہوتی اور ترقی کرتی ہیں اور جب گناہ اور بے حیائیاں عام ہو جاتی ہیں تو پھر نیک اور بد سب کے سب اللہ کی گرفت میں آجاتے ہیں۔"

امام نووی رحمۃ اللہ نے اس دور سے پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر اس وقت یہ حالت تھی تو تم ہی بتاؤ کہ دسویں ہجری اور اس کے مابعد آنے والے ادوار کے متعلق کیا کیفیت ہوگی اس وقت احکامِ اسلام پُورے طور پر غربت کا شکار رہیں۔

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی سیر حاصل تشریح کی ہے ایسی تشریح کوئی بھی اہلِ قلم نہیں کر سکا۔ اس کا مطالعہ قارئینِ کرام کے لیے فوائدِ کثیرہ کا باعث ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

[1] کسی کی بات سے حدیث کا مقابلہ نہ کیا جائے کیونکہ غیرنبی تو غلطی کھا سکتا ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلطی سے معصوم ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپکی اتباع اور پیروی کا حکم فرمایا ہے اور ہمیں آپکی اطاعت چھوڑنے پر وعید سُنائی گئی چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا	کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق
مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ	نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسُول کسی
اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ	معاملے کا فیصلہ کرے تو پھر اُسے اپنے اُس
مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب - ٣٦)	معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے

سورۃ نور میں ارشاد فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ	رسُول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو

رہی رُبوبیت اور الُوہیت تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ ہیں اور یہ اُسی کا حق ہے۔ جس میں کسی بھی صورت میں کوئی نبی و رسُول شریک ہے اور نہ کوئی مُقرب فرشتہ۔

قولہٗ : عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

رسُولِ کریم ﷺ کی یہ دو صفتیں ایک ہی جگہ بیان کی گئی ہیں جو افراط و تفریط کو ختم کرتی ہیں۔

اکثر لوگ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ وُہ اُمّتِ محمّدیہ میں داخل ہیں لیکن وُہ جذبۂ محبت میں حدُودِ شرعیہ کو تجاوز کر جاتے ہیں، اِس طرح وُہ اپنے قول وعمل میں افراط کا شکار ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی پیروی کو ترک کر کے تفریط سے کام لیتے ہیں اور اُن آراء پر اعتماد کر بیٹھتے ہیں جو کہ آپ کے لائے ہُوئے احکام سے متصادم ہوتی ہیں اور آپ ﷺ کے احکام کی ایسی ایسی غلط تاویلیں کرتے ہیں، جن کو حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے، جس سے ان احکام کی پیروی کو نظر انداز بھی کر دیا جاتا ہے۔

انّ محمداً رسولُ اللہ ﷺ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ○ جو آپؐ بتائیں اُس کی تصدیق کی جائے۔

○ جس کام کا آپؐ حکم دیں اُس کی تعمیل کی جائے۔

○ جس کام سے روک دیں اور جھڑک دیں اسے چھوڑ دیا جائے۔

○ اور آپ ﷺ کے امر و نہی کو ایسی اہمیت دی جائے کہ اس کے مقابلے میں کسی کے قول کو ترجیح نہ دی جائے خواہ کوئی بھی ہو، افسوس کہ آج وُہ لوگ جو علم سے منسُوب ہیں اور اُن میں قاضی بھی ہیں اور مفتی بھی، اُنکا حقیقی عمل اِس کے خلاف ہے۔ (واللہ المستعان)

دارمیؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ

أَمْرِهٖٓ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ (النور - ٦٣) — ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ فتنہ سے مُراد شرک ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کو رَدّ کرے تو شاید اس کے دل میں کوئی غلط بات جم جائے، جو اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے، افسوس کہ اتباع اور ترکِ اتباع میں بھی لوگ افراط و تفریط میں گرفتار ہیں، وُہ ایسے لوگوں کے اقوال جو خطا کر سکتے ہیں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ترجیح دیتے ہیں، جو کہ غلطی سے مبّرا اور معصوم ہیں، عوام تو رہے ایک طرف، بعض عُلما بھی اس معصیت کا شکار ہیں۔

وَ اَنَّ عِیْسٰی عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ ۔

اور شہادت دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے بندے اور اس کے رسُول ہیں۔

اِنَّا لَنَجِدُ صِفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ حِرْزًا لِلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِيْ وَ رَسُوْلِيْ سَمَّيْتُهُ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَ لَا غَلِيْظٍ وَ لَا صَخَّابٍ بِالْاَسْوَاقِ وَ لَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ مِثْلَهَا وَ لٰكِنْ يَّعْفُوْ وَ يَتَجَاوَزُ وَ لَنْ اَقْبِضَهٗ حَتّٰى يُقِيْمَ الْمِلَّةَ الْمُتَعَوِّجَةَ بِاَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْتَحُ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا وَ اٰذَانًا صُمًّا وَ قُلُوْبًا غُلْفًا ○ (دارمی)	ہم یہودی کتب میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل صفات دیکھا اور پڑھا کرتے تھے کہ ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر اور ان پڑھ لوگوں کے لیے پناہ دہندہ بنا کر بھیجا۔ تُو میرا بندہ اور رسُول ہے۔ مَیں نے اُس کا نام متوکّل رکھا جو نہ طبیعت کا سخت ہے اور نہ درشت مزاج ہے۔ نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہے۔ وُہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتا بلکہ مُعاف کر دیتا ہے اور درگزر کرتا ہے مَیں اسے مَوت نہ دوں گا جب تک کہ ٹیڑھی کی ہوئی ملّت کو سیدھا نہ کر دے۔ اور اس کی صُورت یہ ہوگی کہ وُہ ان سے کلمۂ توحید کی شہادت کہلوائے گا جس سے نہ دیکھنے والی آنکھیں بینا کر دے گا اور نہ سننے والے کان سُننے لگیں گے، اور مقفّل دلوں کے دریچے کھلنے لگیں گے۔

عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو واقد لیثی نے بتایا کہ اُنھوں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اِسی مضمون کے اوصاف سُنے تھے جیسے عبداللہ بن سلامؓ نے بیان کیے ہیں۔

"ان عیسیٰ عبداللہ و رسولہ" کا مفہوم

قولہ: وَاَنَّ عِیْسٰی عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ

یہاں نصاریٰ کے عقیدہ کے خلاف اِس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ عیسیٰؑ نہ تو خُدا، نہ خُدا کے بیٹے ہیں، اور نہ تیسرے اقنوم۔ خداوند تعالیٰ ان کی ان باتوں سے جو وُہ کہتے ہیں بہت بلند ہے جیسا کہ خود قرآن مجید شہادت دیتا ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ	اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے
وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ۔ (المؤمنون ۹۱)	اور کوئی دُوسرا خدا اُس کے ساتھ نہیں ہے۔

اب ہر شخص کو اِس بات کی تصدیق کرنی چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے بندے اور رسُول تھے، اس چیز کا علم اور یقین ہو کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی ملک اور غلام ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انکو باپ کی منّت پذیری کے بغیر ایک عورت کے بطن سے پیدا فرمایا (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسُول تھے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

---

[1] زیرِ نظر حدیث میں آیات محکمات کی طرح جن میں کفار و نصاریٰ پر رد ہے، ایسا حقیقت پر مبنی بیان ہے جس پر اعتقاد رکھنا ہر شخص پر فرض ہے۔ ان احادیث میں کفار نصاریٰ کی تردید بھی موجود ہے۔ اس سلسلے میں نصاریٰ کے تین گروہ ہیں:

۱ ــــ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہی اللہ ہیں۔

۲ ــــ دوسرے گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔

۳ ــــ تیسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تین میں سے تیسرے ہیں۔ یعنی اللہ، عیسےٰ اور اُمّ عیسیٰ۔

ربّ ذوالجلال نے ان تینوں عقیدوں کی تردید فرمائی۔ حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیا۔

ارشاد فرمایا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ	اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔
اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ	مسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا۔ اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک رُوح تھی اللہ کی طرف سے۔ پس تم اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ "تین" ہیں۔ باز آجاؤ۔ یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ (آل عمران - ۵۹)

اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اُسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ "ہوجا" اور وہ ہوگیا۔

اِس آیتِ کریمہ سے پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ الٰہ تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سبحانہٗ و تعالیٰ مشرکین کے شرک سے پاک اور منزہ ہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ:

إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ (النساء - ۱۷۱)

اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے، وہ بالاتر ہے اِس سے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو۔ زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اُس کی مِلک ہیں اور ان کی کفالت و خبر گیری کے لیے بس وہی کافی ہے۔

لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ○ (النساء ۱۷۲)

مسیحؑ نے کبھی اِس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو، اور نہ مقرب ترین فرشتے اِس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ گھیر کر سب کو اپنے سامنے حاضر کریگا۔

سورۂ مائدہ میں متعدد جگہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوزیشن کو واضح فرمایا گیا، جیسے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا، مسیح ابنِ مریم ہی خدا ہے۔ اے محمدؐ! ان سے کہو کہ اگر خدا مسیح ابنِ مریم کو اور اُس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اُس کو اِس ارادے سے باز رکھ سکے؟ اللہ تو زمین آسمان کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ جو کچھ چاہتا ہے

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا	مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہا
كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ	لوگوں نے "ہم اس سے کیا بات کریں
فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ	جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟" بچہ
اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ	بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے
الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۝ۙ	مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔
وَّ جَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ	اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں اور
مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ	نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا
وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ۖ	جب تک میں زندہ رہوں۔
وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِىْ ۫ وَ لَمْ	اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا،
يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝	اور مجھ کو جبّار اور شقی نہیں بنایا۔
وَ السَّلٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ	سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا
وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ	اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ
اُبْعَثُ حَيًّا ۝	کر کے اٹھایا جاؤں۔"
ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ	یہ ہے عیسیٰ ابن مریمؑ۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى	پیدا کرتا ہے اور اس کی قدرت ہر چیز پر
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝	حاوی ہے۔

(المائدہ ۱۷)

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ بات بھی نقل کی ہے جو انھوں نے اپنے بچپنے میں گہوارے میں کی تھی:

اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ	میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب
وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِىْ	دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی
مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَ	میں رہوں۔ اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی
اَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ	کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور
مَا دُمْتُ حَيًّا وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِىْ	اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھے
وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝	جبّار اور شقی نہیں بنایا۔

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۞	اور یہ ہے اُس کے بارے میں وُہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔
مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞	اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وُہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے۔ وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا، اور بس وہ ہو جاتی ہے
وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۞ (مریم - ۲۹ تا ۳۶)	(اور عیسیٰؑ نے کہا تھا کہ) اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ پس تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ	مسیح نے کبھی اِس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اِس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔
وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۞ (النساء - ۱۷۲)	اور اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کریگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن بعض یہودیوں کا (اللہ اُن پر لعنت کرے) اُن پر یہ بھی ایک بہتان تھا کہ وہ صحیح النسب نہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک

ایک بندۂ مومن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وُہ یہودیوں کے اس بہتان کی تردید کرے، ان پر ایمان لائے اور (یہودیوں کے ان تمام لغو اور باطل عقائد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دے) لہٰذا کسی کا اسلام درست نہ ہوگا جس نے دونوں فرقوں (یہود و نصاریٰ) کی بات سن کر دونوں سے اظہارِ برأت نہ کیا، نیز اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان پر ایمان اور یقین رکھے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور رسول تھے

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۞ (مریم - ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲)	سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ کرکے اُٹھایا جاؤں

ماخوذ از قرۃ عیون الموحدین

وَكَلِمَتُهٗ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ

اور یہ بھی شہادت دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں۔
جو کہ بھیجا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف

"وکلمتہ" پر مفصل نوٹ

قولہٗ : وَكَلِمَتُهٗ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام کلمہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کو اللہ نے لفظِ کُن کہہ کر پیدا فرمایا جیسا کہ سلف مفسرین کرام کا بیان ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرقہ جہمیہ کی تردید میں فرماتے ہیں:

اَلْكَلِمَةُ الَّتِيْ اَلْقَاهَا	حضرت مریمؑ کی طرف جس کلمہ کو القا فرمایا
اِلٰى مَرْيَمَ حِيْنَ قَالَ لَهٗ	وہ کلمہ کُن تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
"كُنْ" فَكَانَ عِيْسٰى بِكُنْ وَ	کلمہ کُن سے پیدا ہوئے۔ وہ خود کلمہ کُن نہ
لَيْسَ عِيْسٰى هُوَ "كُنْ" وَ لٰكِنْ	تھے۔
بِكُنْ كَانَ. فَكُنْ مِنَ	لہٰذا لفظِ کُن اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔
اللهِ تَعَالٰى قَوْلٌ وَ لَيْسَ	اور اللہ کا کلمہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔
"كُنْ" مَخْلُوْقًا، وَكَذَبَ	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے
النَّصَارٰى وَ الْجَهْمِيَّةُ عَلَى	میں نصاریٰ اور فرقہ جہمیہ، دونوں نے
اللهِ فِيْ اَمْرِ عِيْسٰى	اللہ پر جھوٹ اور افتراء باندھا۔

قولہٗ : اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ حدیث کے اس جملہ کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ

خَلَقَهٗ بِالْكَلِمَةِ الَّتِيْ	اللہ نے عیسیٰ کو اس کلمہ سے پیدا
اَرْسَلَ بِهَا جِبْرِيْلَ اِلٰى	کیا جسے جبریلؑ کو دے کر مریم کی طرف

اور وہ (عیسیٰؑ) اسی کی طرف سے رُوح ہے۔

مَرْيَمَ فَنَفَخَ فِيهَا مِنْ	بھیجا تھا۔ چنانچہ جبریلؑ نے اللہ کے
رُوحِهِ بِأَمْرِ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ	حکم سے اس کے رُوح کو مریم میں پھونکا
فَكَانَ عِيسَى بِإِذْنِ اللهِ	پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے
عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ نَاشِئٌ عَنِ	حکم سے پیدا ہوئے جو اس کے حق
الْكَلِمَةِ الَّتِي قَالَ لَهُ	میں کہا تھا کہ "کن" ہوجا اور وہ ہوگئے
"كُنْ" فَكَانَ ـ وَالرُّوحُ الَّتِي	اور اس روح سے جو اس کی طرف
أَرْسَلَ بِهَا هُوَ جِبْرِيلُ	بھیجا تھا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام
عَلَيْهِ السَّلَامُ	

رُوح کے بارے میں صحیح موقف

قولہ: وَرُوحٌ مِّنْهُ [1]

حضرت اُبیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ رُوح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

---

[1] حدیث میں (وَرُوحٌ مِّنْهُ) کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جیسے اولادِ آدم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اسی طرح عیسیٰ بھی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاذا سوّيته ونفخت فيه من رّوحي کہ جب میں ان کو بنا لوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک لوں اور جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کو دوسری آیت میں آدم سے مماثل قرار دیا ہے۔ امام الموحدین العلامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسنؒ قرۃ عیون الموحدین میں لکھتے ہیں کہ حدیث زیرِ بحث میں روح منہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ روح بھی ان میں سے ہے جنھیں رب ذوالجلال نے صلبِ آدم سے نکالا اور اپنی ربوبیّت و اُلوہیت کا اقرار کرایا جیسے

واذ اخذ ربك من بنی ادم من — اور لے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم

" حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی اُن ارواح میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کریم نے پیدا فرمایا اور جن سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہہ کر اپنی رُبوبیت کا اِقرار کروایا تھا، اسی روح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی طرف بھیجا جو کہ حضرت مریمؑ میں داخل ہو گیا۔"

ظهورهم ذريتهم واشهدهم	کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ
على انفسهم الست بربكم قالوا	بناتے ہوئے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے
بلى شهدنا۔	کہا، ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔"

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی روح بھی ان ارواح میں سے ایک ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

علّامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ

" جبریل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تو یہ نفخہ رحمِ مریمؑ میں جاکر حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش کا ذریعہ بنا "

علّامہ السدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

" حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ نفخہ حضرت مریمؑ کے سینے میں داخل ہوا جس سے وہ حاملہ ہو گئیں" ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ ان کی قمیص کے گریبان اور آستین میں پھونک ماری

بس جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری۔ اور اللہ تعالیٰ نے لفظ "کُنْ" سے حضرتِ عیسٰیؑ کو پیدا کیا۔ جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فاذا سويته ونفخت فيه	جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی
من روحي۔	رُوح پھونک دوں۔

فسبحان من لا يخلق غيره، ولا يعبد سواه۔

زیرِ نظر حدیث میں اللہ تعالیٰ اور انبیائے کرام کے دشمن یہودیوں کی تردید کی گئی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ زانیہ کے بیٹے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالےٰ نے قرآنِ کریم میں یہودیوں کو کاذب اور اُن کی اس بات کو باطل قرار دیا ہے۔

نصاریٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں غلو اور کفریہ کلمات کہے۔ اور اسی طرح یہودیوں نے بھی حضرت عیسٰیؑ کے حق میں انتہائی ظالمانہ انداز اختیار کیا۔ نتیجۃً دونوں گروہ سیدھے راستہ سے بہت دُور نکل گئے۔

اِس اثر کو عبد بن حمید اور عبداللہ بن احمد نے "زوائد المسند" میں نقل کیا ہے اور ابنِ جریر رحمہ اللہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اِس اثر کو نقل کیا ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح کو اپنی طرف منسوب کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ رُوح اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اور اُسی کی پیدا کردہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط (الجاثیہ۔ ۱۳)	اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے پاس سے۔"

آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان کی تسخیر، اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت کا نتیجہ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"جب کسی معنیٰ کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور وہ چیز خود قائم بالذات نہ ہو سکے اور نہ کسی مخلوق کے ساتھ وابستہ ہو سکے تو وہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کی صفت قرار پائے گا۔ جو صرف اسی کے ساتھ متعلق ہوگی اور یہ ممنوع ہوگا کہ اس صفت کی اضافت ایسی ہو جیسے کہ کسی مخلوق اور محتاج ربوبیت کی طرف یہ صفت مضاف ہو (جیسا کہ علم و قدرت اور کلمہ وغیرہ)

دونوں گروہوں کے باطل ہونے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جابجا ذکر فرمایا ہے۔ حق اور سچائی کو واضح کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو اجاگر کیا اور ان کو اُن پانچ اُولوا العزم رسولوں میں شمار کیا جن کا تذکرہ سورۂ احزاب اور سورۂ الشوریٰ میں کیا گیا ہے۔

مزید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ بھی ان اولوا العزم رسولوں کی طرح صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں۔

بلاشبہ یہ پانچوں رسول افضل الرسل ہیں لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں اور انبیاء سے افضل و اعلیٰ اور اشرف ہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین۔

وَ الْجَنَّةُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ

اور اِس کی بھی شہادت دے کہ جنت اور دوزخ حق ہیں۔

اگر کسی ایسی چیز کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جو بذاتِ خود قائم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہ ہو گی کیونکہ جو چیز بذاتِ خود قائم ہو وہ دوسرے کی صفت نہیں بن سکتی۔ جیسے عیسیٰؑ، جبریلؑ اور تمام ارواح بنی آدم وغیرہ۔

وہ اشیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہیں، دو قسم پر ہیں:

۱۔ پہلی قسم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں اور ان کو اس نے بغیر کسی مثال سابق کے بنایا ہے۔ تو یہ قسم تمام مخلوقات کو شامل ہے جیسے عرب کہتے ہیں سَمَاءُ اللّٰہِ (اللہ کا آسمان) اَرْضُ اللّٰہِ (اللہ کی زمین) علیٰ ہٰذا القیاس اس طرح تو تمام مخلوقات اللہ کریم کی مخلوق ہیں اور تمام مال اللہ تعالیٰ کا مال کہلائے گا۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اشیاء اِس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت عطا کی ہے جس کی بنیاد پر ان سے پیار و محبّت کرتا ہے، ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے اور ان سے خوش ہے جیسے بیت اللہ کہ یہ مقام اللہ کی اس عبادت کے لئے خاص ہے جو کسی دوسری جگہ نہیں ہو گی۔ بیت اللہ (اللہ کا گھر) میں یہ اضافت اسی خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔ یا مال خُمس اور مال فَیٔ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے تو اسی طرح عباد اللہ میں اضافت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے اور ان کی پیروی کرتے ہیں گویا یہ اضافت تو اللہ کی اُلوہیت پر دال ہے۔

اور اس کے دین اور شریعت کی اطاعت کو متضمن ہے

لیکن وہ اضافت اس میں ربوبیت اور خلقت کا ذکر تھا۔ (یہ کلام خلاصہ کے طور پر ذکر کیا ہے)

قولہٗ: وَ الْجَنَّةُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ

یعنی اِس بات کی گواہی دے اور اقرار کرے کہ جس جنّت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں خبر دی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے مُتّقی بندوں کے لیے بنایا ہے وہ برحق اور موجود ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

اِس بات کا بھی اقرار کرے کہ وُہ دوزخ جس کو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے تیار کیا ہے اور جس کی خبر قرآنِ کریم میں دی گئی ہے وُہ بھی برحق اور موجود ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۭ	دوڑو اور ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنّت کی طرف، جس کی وُسعت آسمان و زمین جیسی ہے جو تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ اور اُسکے رسُولوں پر ایمان لاتے ہوں۔
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ	یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔
وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (الحدید - ۲۱)	اور اللہ کریم بڑے فضل والا ہے۔

اور دوزخ کے بارے میں فرمایا:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ - ۲۴)	ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے اِنسان اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے مُنکرینِ حق کے لیے۔

اِن دونوں آیات اور ان جیسی دُوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ اور جنّت مخلوق ہیں اور اِس وقت بھی موجود ہیں اور (اِن آیات سے یہ بھی پتا چلا کہ قیامت پر ایمان لانا ازحد ضروری اور لابدی امر ہے۔) لیکن اہلِ بدعت اِس بات کے قائل نہیں، (ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اِسوقت جنّت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں ہے۔[1])

---

[1] جس شخص کا جنّت اور دوزخ پر ایمان نہیں ہے، گویا اُس نے قرآن کی اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیم کی نفی اور تردید کرکے کُفر کا اِرتکاب کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنّت اور اُس میں انعام و اکرام کا بیان فرمایا ہے جو متقین کے لیے اُس نے تیار کر رکھے ہیں اور فرمایا کہ جنّت متقین کا گھر ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوزخ اور اس میں جو عذاب ہے اس کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ یہ ان لوگوں کا ٹھکانا ہے جو کافر اور مُشرک ہیں۔

أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ ۔ (اخرجاه)

ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بہرحال جنّت میں داخل کرے گا اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔

قولہٗ : أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ

یہ جملہ جوابِ شرط ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں:

أَدْخَلَهُ اللهُ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ
ایسے شخص کو اللہ جنّت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے گا داخل کریگا۔

قولہٗ : عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ کی وضاحت میں حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں "خواہ اچھے کام کرے یا بُرے، اصلاح کی باتیں کرے یا فساد کی، مگر چونکہ وہ اہلِ توحید میں سے ہے لہٰذا اہلِ توحید کا جنّت میں داخل ہونا حتمی اور ضروری ہے، دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ توحید اپنے اپنے اعمال کی مناسبت سے جنّت کے درجات حاصل کریں گے۔"[1]

قاضی عیاض رحمہ اللہ ان الفاظ کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث حدیث اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو ایمان اور توحید کی بیک وقت شہادت دیتے ہیں۔ یہ شہادت اُن کے اعمالِ سیّئہ کو مغلوب کر دے گی جس کی بنا پر وہ مغفرت، رحمت اور اوّلین دخولِ جنّت کے حقدار ہو جائیں گے۔"

[1] یہ معنیٰ زیادہ انسب اور اقرب الی الفہم ہیں۔

ولهما في حديث عتبان : فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ۔

بخاری و مسلم میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرتا ہے، اللہ تعالےٰ اُس پر دوزخ کے عذاب کو حرام کر دیتا ہے۔

حضرت عتبان بن مالک سے مروی حدیث کی تشریح

قولہ: وَ لَهُمَا

اِس سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم مراد ہیں یہ ایک طویل حدیث کا حصہ مصنفؒ نے نقل کیا ہے[1]

---

[1] مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا صرف وہ حصہ نقل کیا ہے جس کا باب سے خاص تعلق تھا یعنی:

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَبْتَغِیْ بِذٰلِکَ وَجْہَ اللّٰہِ — جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ دو ہی چیزوں پر دلالت کرتا ہے:

ایک اخلاص — دُوسرے شرک کی نفی

صدق اور اخلاص، یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص مخلص نہیں وہ مشرک ہے اور جو سچا نہیں وہ منافق ہے۔

یہی توحید اسلام کی اساس اور بنیاد ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے یہی چیز مانگی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرۃ - ۱۲۸) — اے رب ہم دونوں کو اپنا مُسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو مطیع فرمان ہو۔

ایک موقع پر یوں دعاگو ہوئے کہ:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ — مَیں نے تو یکسُو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا

عِتْبَانَ : ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے
قبیلہ بنی سالم بن عوف سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب ہے :
عِتبان رضی اللہ عنہ بن مالک بن عمرو بن عجلان الانصاری۔

حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ — کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔
الانعام : ۷۹

ملکہ سبا بلقیس نے کہا تھا کہ

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (النمل - ۴۴) — اے میرے رب! (آج تک) میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی ہوں اور اب میں نے سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرلی۔

حنیف اسے کہا جاتا ہے جو شرک کو بالکل ترک کرکے اس سے بیزاری کا اعلان کرکے اور مشرکین سے الگ ہو کر اُن سے دشمنی رکھے اور اپنے ظاہری و باطنی تمام اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَی اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی (لقمٰن ۲۲) — جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردے اور عملاً صالح ہو، اُس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا

اِسلَامُ الْوَجْهِ یعنی چہرے کا اسلام یہ ہے کہ انسان اپنی عبادت میں اخلاص پیدا کرے جو شرک اور نفاق کے منافی ہے۔ انسان کے لیے یہی فائدہ مند ہے اور آیتِ کریمہ کا بھی یہی معنیٰ ہے اور اس مفہوم پر اجماعِ اُمت ہے اور ایسے ہی شخص کے بارے میں فرمایا گیا۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی — اُس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا۔

رہا وہ شخص جو کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہے اور غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے، فوت شدہ اور غائب افراد سے استغاثہ بھی کرتا ہے جو اسے نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسا کہ لوگوں کی اکثریت آپ کو نظر آئے گی۔ اگرچہ یہ لوگ کلمہ طیبہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن انہوں نے کلمۂ طیبہ اور شرکیہ اعمال کو آپس میں ملا دیا۔ کلمہ طیبہ اُس وقت تک سُودمند ثابت نہیں ہوسکتا جب تک اُس کے مدلول کا نفیاً اور اثباتاً علم نہ ہو اور اُس پر عمل نہ کیا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت معاذ بن جبل، رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رہا وہ شخص جو کلمہ طیّبہ کے معنی اور مفہوم سے بے خبر اور جاہل ہے اگر وہ کہہ بھی دے گا تو اسے فائدہ نہ ہوگا کیونکہ عربی زبان کی اس عبارت جس کا مقصد نفی شرک ہے اس سے بے خبر ہے اسی طرح اُس شخص کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا جسے کلمہ طیّبہ کے معنی و مفہوم کا تو علم ہے لیکن یقین کی دولت سے بے بہرہ ہے کیونکہ یقین نہ ہونے سے قلب پر شکوک و شبہات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں کلمہ طیّبہ کے اقرار کو غَيْرَ شَاكٍّ سے مقیّد کر دیا گیا ہے جس سے واضح ہوا کہ جب تک علم اور یقین سے اقرار نہ کیا جائے، اس وقت تک اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے اقرار کو

○ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِہٖ (صدقِ دل) اور ○ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِہٖ (اخلاصِ قلب)

سے مقیّد فرمایا ہے:

اسی طرح جو شخص صدقِ دل سے اقرار نہیں کرتا اُسے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اُس کا زبانی اقرار دل کے مخالف ہے، جیسے منافقین کہ وہ زبان سے تو کلمہ طیّبہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے نہیں مانتے۔ مشرکین کا بھی یہی حال ہے کہ ان کا شرک کرنا اخلاص کے منافی ہے، اس لیے کہ شرک کی موجودگی میں اخلاص کے ثمرات کا مرتب ہونا ناممکن ہے لہٰذا مشرک کا اقرار کرنا بھی اُسے کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی اسکے اقرار کو شرفِ قبولیت حاصل ہوگا۔

کلمہ طیّبہ صدقِ دل، اخلاصِ قلب کے مطابق ہے۔ اسی طرح نفیٔ شرک، شرک سے بیزاری اور اللہ کے لیے اخلاص کے بھی مطابق ہے۔ لہٰذا جو شخص ان اوصاف سے خالی ہوگا اُسے لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کوئی فائدہ نہ دے گا، جیسے غیر اللہ کے پجاری کہ وہ کلمہ طیّبہ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اس کے مدلول اور مقصود یعنی اخلاص کے منکر بھی ہیں، انکار پر بس نہیں بلکہ مخلصین کی جماعت سے دشمنی رکھتے ہیں اور شرک اور مشرکین کی حمایت میں اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے ایک موقع پر خوب فرمایا تھا:

اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○	تم جن کی بندگی کرتے ہو، میرا اُن سے کوئی
اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ	تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے
سَیَہْدِیْنِ ○ وَجَعَلَہَا	جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری رہنمائی کریگا
کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ لَعَلَّہُمْ	اور ابراہیمؑ یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں

يَا مُعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) وَ سَعْدَيْكَ قَالَ : يَا مَعَاذُ! قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) وَ سَعْدَيْكَ قَالَ: يَا مُعَاذُ! قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) وَ سَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ : مَا مِنْ اَحَدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّارِ	اے معاذؓ! معاذ رضی اللہ عنہ بولے، یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں! آپؐ نے پھر فرمایا اے معاذ! معاذ رضی اللہ عنہ بولے یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں! آپؐ نے تیسری بار فرمایا اے معاذؓ! معاذ رضی اللہ عنہ بولے یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں! آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص صدقِ دل سے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ (ﷺ) کا اقرار کرلے، اُس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

يَرْجِعُوْنَ ○ (الزخرف-۲۶،۲۷،۲۸) چھوڑ گئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں
اِس آیت میں کلمة باقية سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مراد ہے۔

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے ایسا مفہوم ادا فرمایا ہے جس پر کلمہ طیبہ صاف اور واضح دلالت کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ شرک سے برائت کا اظہار کیا جائے اور تمام قسم کی عبادات خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دی جائیں۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اسی طرح جو شخص کلمہ طیبہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کے حقیقی مدلول یعنی اخلاص کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا، حقیقت میں وہ کلمہ طیبہ کی تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے مدعا کے برعکس رستہ اختیار کرتا ہے کیونکہ کلمہ طیبہ جس شرک کی نفی کرتا ہے۔ اس نے اس کو ثابت کیا اور کلمہ جس اخلاص کو ثابت کرتا ہے اس نے اسکی نفی کردی۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے قرونِ ثلاثہ کے بعد سے اب تک لوگوں کی اکثریت کا حال یہی ہے۔

اس کے دو اسباب ہیں:

۱ــــ کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم سے عدم واقفیت اور

۲ــــ اپنی خواہشات کی پیروی۔

یہ دو اسباب ایسے ہیں جو حق بات کتاب و سنت اور توحید کو ماننے سے روکتے اور آڑے آتے ہیں۔

(ماخوذ از قرة عیون الموحدین)

قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا؟	معاذ رضی اللہ عنہ بولے، یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں یہ خوشخبری لوگوں کو سُنا نہ دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اِسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے
قَالَ: إِذًا يَتَّكِلُوْا	
فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ رضی اللہ عنہ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت یہ ارشادِ نبویؐ لوگوں کو بتایا تاکہ کتمانِ علم کے گناہ کے مرتکب نہ ہو جائیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسری سند سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ	جو شخص شرک کیے بغیر اللہ کی بارگاہِ قدس میں پیش ہوگا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔
قَالَ: أَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ؟	معاذ رضی اللہ عنہ بولے: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں یہ خوشخبری لوگوں کو سُنا دوں؟
قَالَ: لَا إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَتَّكِلُوْا	آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے خدشہ ہے کہ لوگ اِسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔

مذکورۃ الصدر روایات سے ثابت ہوا کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا صمیمِ قلب، یقین اور پورے اخلاص سے اقرار کرے اور شہادت دے اُسے شرک سے دُور رہنا چاہیے کیونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا مفہوم یہی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، اِس قسم کی دوسری روایات و احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"مذکورہ احادیث اُس شخص کے بارے میں ہیں جو صمیمِ قلب، یقین اور بغیر کسی شک اور تردّد کے کلمہ کا اقرار کرے اور اِسی پر اُس کا خاتمہ ہو۔ کیونکہ توحید کی حقیقت اور اصل یہ ہے کہ کلمہ کے بعد انسان کی رُوح بتمامہ اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو جائے اور کھنچ جائے۔ پس جس شخص نے صمیمِ قلب سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی شہادت

دے دی وہ جنت میں داخل ہوگا کیونکہ اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان کا دل ربِ کریم کی بارگاہ میں جھک جائے اور تمام گناہوں سے سچی توبہ کرلے جب انسان اس حالت میں فوت ہوگا تو انشاء اللہ یہ رتبہ بلند اس کو ضرور ملے گا۔

اس مضمون کی بہت سی احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً وَ مَا يَزِنُ خَرْدَلَةً وَ مَا يَزِنُ ذَرَّةً	جو شخص کلمہ لآ الٰہ الاّ اللہ کا اقرار کرے اور اس کے دل میں جَو کے دانہ کے برابر یا رائی کے دانہ کے برابر یا ذرہ بھر نیکی ہوگی اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

اور اس مضمون کی احادیث بھی حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں کہ بہت سے لوگ باوجود لآ الٰہ الاّ اللہ کی شہادت اور اقرار کے دوزخ میں جا گریں گے اور پھر سزا کے بعد ان کو نکال لیا جائے گا۔

اور اس مضمون کی احادیث بھی حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ

بِاَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ اَنْ تَاْكُلَ اَثَرَ السُّجُوْدِ مِنِ ابْنِ اٰدَمَ ۔ فَهٰؤُلَآءِ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ وَيَسْجُدُوْنَ لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ پر حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ ابنِ آدم کے آثارِ سجدہ کو نگلے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے تھے اور اللہ کے لیے سربسجود ہوتے تھے

اس معنی کی احادیث بھی تواتر کے درجہ تک ہیں کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرے اس پر جہنم حرام ہے۔

لیکن یہ بات ہرگز نہ بھولنی چاہیے کہ کلمۂ شہادت کا صرف اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اس کلمہ کو انتہائی مشکل اور ثقیل قیود سے مقید کر دیا گیا ہے جن کی پابندی کرنا اور اُن پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

○ اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اخلاص کے مفہوم سے بالکل نابلد ہیں۔

○ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو رسم و رواج کے مطابق یا تقلیداً اور عادۃً کلمۂ توحید کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں توحید کی شیرینی اور بشاشت اثر انداز نہیں ہو پاتی۔

اسی قسم کے افراد کو موت کے وقت اور قبر میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنے پڑے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب قبر میں سوال ہوگا کہ اسلام کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ

سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ — میرا عقیدہ تو سُنی سُنائی باتوں پر تھا۔ جو کچھ لوگوں نے کہا میں نے وہی کچھ دُہرا دیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال صرف تقلید اور محض اپنے ہم مشرب کی اقتداء کے نتیجے میں ظاہر ہوتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے زیادہ مصداق ہیں۔

إِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ (الزخرف - ۲۳) — ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقشِ قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد احادیث میں کسی قسم کا تعارض نہیں رہتا بات یہ ہے کہ جب اِنسان اخلاصِ قلب اور یقینِ کامل سے کلمۂ توحید کا اِقرار کر لے تو وہ گناہوں پر کبھی اصرار نہ کرے گا اور کمالِ اخلاص اور یقین کا یہ لازمی نتیجہ ہے ہے کہ انسان کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی محبت دوسری تمام اشیاء اور تمام مخلوق سے بڑھ جاتی ہے۔

پس ایسی صورت میں اِنسان کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کی طرف کوئی توجہ نہ ہوگی اور نہ وہ احکام الٰہی کی اتباع سے ناپسندی کا اظہار کریگا تو ایسا شخص ہی دوزخ پر حرام ہوگا۔ اگرچہ اس اقرار سے پہلے وہ گنہگار کیوں نہ ہو کیونکہ

- ایمان کی یہ کیفیت ،
- اخلاص کا یہ عالم ،
- توبہ اور محبت الٰہی کا یہ حال
- یقین کی یہ استواری

ایسی چیزیں ہیں جو گناہوں کو اس طرح مٹا کر رکھ دیتی ہیں جس طرح دن، رات کی تاریکی کو۔

ایسا باکمال اقرار جس میں نہ شرکِ اکبر کی آمیزش ہو نہ شرکِ اصغر کی ملاوٹ، گناہوں پر اصرار باقی نہیں رہنے دیگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے شخص کی مغفرت کر دی جائے گی اور اس پر دوزخ حرام ٹھہرا دی جائے گی۔ اگر یہ اقرار اور اخلاص صرف شرکِ اکبر پر ہی موقوف ہو لیکن اقرار کے بعد کوئی ایسا کام نہ کرے جو کلمہ کے تقاضوں سے متناقض ہو۔ یہ ایک ایسی نیکی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی برائی نہیں ٹھہر سکتی اور یہ اعمال صالحہ کے پلڑے کو بھاری کر دے گی تو اس حالت میں (بھی) دوزخ پر حرام ہوگا لیکن یاد رہے گناہوں کی وجہ سے جنت میں انسان کے درجات میں کمی کا واقع ہو جانا ایک لازمی امر ہے

وہ شخص جس کا اعمالِ صالحہ کا پلڑا ہلکا اور اعمالِ سیئہ کا بھاری ہو گیا اور وہ گناہوں پر اصرار کی حالت میں مر گیا تو یہ اصرار علی الاثم اسے جہنم میں پھنکوا دے گا اگرچہ اس نے اخلاصِ قلب سے ہی لآ اِلٰہ اِلاَّ اللہ کا اقرار کیا ہو اور شرکِ اکبر سے دور رہا ہو لیکن اس قوت اخلاص پر مرتے دم تک قائم نہ رہا بلکہ اس کلمۂ اخلاص کے بعد اس برائی کا مرتکب ہو گیا جو اس کی توحید کی نیکی پر غالب آ گئی تو وہ کلمۂ توحید کے پکارنے پر مخلص تو تھا لیکن وہ ایسے گناہوں کا مرتکب ہو گیا اس نے اس توحید اور اخلاص کو کمزور کر دیا اور گناہوں کی آگ تیز ہو گئی حتیٰ کہ اس نے اسے جلا دیا بخلاف ایسے مخلص متقی کے کہ جن کی حسنات جس کی سیئات پر بھاری ہوتی ہیں اور وہ سیئات پر اصرار بھی نہیں کرتا۔ اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا، مگر ایسے مخلص انسان سے ہمیشہ یہ خطرہ رہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی غلطی اور گناہ نہ ہو جائے جو

اِس کے ایمان کو کمزور کرے اور پھر اُس کا اخلاص اور یقین گناہوں سے نہ بچا سکے گا اور اِس سے شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر کا ہر وقت دھڑکا لگا رہے گا۔ اگر یہ شخص شرکِ اکبر سے بھی بچ گیا تو شرکِ اصغر میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ ایسا بُرا فعل ہے جو گناہوں کو شرکِ اکبر سے جا ملاتا ہے۔ اِس سے سیّئات کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے، پھر سیّئات ایمان اور یقین کو متزلزل اور کمزور کر دیتے ہیں۔ اگر ایمان اور یقین میں کمزوری واقع ہو گئی تو لآاِلٰہَ اِلاَّ اللہ میں اخلاصِ قلب باقی نہ رہے گا۔ پس اِس قسم کا اقرار کرنے والے کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو سو رہا ہو یا ایسے قاری کی مانند ہو گی جو قرآنِ کریم کو حُسنِ قرائت سے ادا کر رہا ہو لیکن دِل اُس کے ذوق و حلاوت سے محروم ہو۔

یہ وہ لوگ ہیں جو صدقِ دِل اور یقینِ کامل سے تہی دامن ہیں اور پھر طُرفہ یہ کہ اس کے بعد ایسے ایسے مکروہ اعمال کے مُرتکب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اعمالِ صالحہ کی تھوڑی بہت پُونجی بھی ختم ہو جاتی ہے، پھر اسی حالت میں اُن کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کے اعمالِ سیّئہ اِتنے زیادہ ہو جاتے ہیں جو اُن کو جنّت میں داخل ہونے سے روک دیتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ جب انسان کے گناہ زیادہ ہوں گے تو لآاِلٰہَ اِلاَّ اللہ کا زبان سے اقرار دُشوار ہو گا، دِل سخت ہو جائے گا اور عملِ صالحہ سے کراہت پیدا ہو جائے گی، سماعِ قرآن بوجھ معلوم ہو گا۔ ایسا شخص ذکرِ غیر اللہ میں خوش رہے گا، باطل اور بُرے کاموں میں مُطمئن رہے گا، بیہودگی کو پسند کرے گا، اہلِ غفلت کی مجالس میں بیٹھنا شروع کر دے گا اور اہلِ حق کی مجلس سے دُور بھاگے گا۔

پس ایسے شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو زبان سے ایسی بات کہتا ہے جو دِل میں نہیں ہوتی اور زبان سے ایسی بات کی تردید کرتا ہے جس کو اُس کا عمل صحیح ثابت کرتا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ:

" ایمان یہ نہیں ہے کہ زبان سے کسی چیز کو حلال قرار دے لے اور چند

اشیاء کی تمنا دِل میں لیے پھرے بلکہ ایمان یہ ہے کہ وہ دِل میں راسخ ہو جائے اور عملی طور پر اِس کی تصدیق کی جائے۔ جو شخص اچھی بات کہے گا اور اُس کے مطابق اچھے عمل بھی کرے گا اُس کے اعمال کو شرفِ قبولیت حاصل ہوگا۔ لیکن وہ شخص جو کہتا تو صحیح بات ہے لیکن کردار اور عملی لحاظ سے غلط ہے تو اُس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔"

بکر بن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اِس درجہ بلند مقام اِس لیے نہیں ہوا کہ وہ دُوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ روزے رکھتے تھے یا دوسروں سے زیادہ نمازیں پڑھتے تھے لیکن ان کی عظمت شان کی وجہ وہ چیز تھی جو ان کے دل میں راسخ ہو چکی تھی اور وہ یہ کہ ان کے قلب میں جو ایمان اور یقین تھا وہ دوسروں میں نہ تھا۔"

پس جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اِس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا بلکہ گناہوں پر گناہ کیے چلا جاتا ہے اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اقرار میں سچا اور یقین رکھتا ہے (تاہم اس کے گناہوں نے اس کے صدق ویقین کو کمزور کر دیا ہے علاوہ ازیں عملی شرک اصغر اس کے گناہوں پر مستزاد ہے اور یہ گناہ اس کی اس نیکی پر غالب آ گئے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہی کی حالت میں فوت ہوا۔ اس کی حالت ایسے شخص کی حالت سے معکوس ہو گی جس نے کلمہ کا اقرار یقین اور صدقِ دل سے کیا ایسا شخص یا تو کسی گناہ پر اصرار ہی نہیں کریگا اور اس کی یہ توحید اس کے صدق اور یقین کو متضمن ہے اس کی نیکیوں کو بھاری کر دیگی اور جو لوگ دعویٰ توحید کرنے کے باوجود دوزخ میں جائیں گے یا تو انہوں نے (یہ بات) صدق اور یقین تام سے نہیں کی جو کہ گناہوں کے منافی ہیں یا جو کہ گناہوں پر غالب آ جائیں یا وہ لوگ جنہوں نے صدق ویقین سے اقرار کر لینے کے بعد ایسی غلطیوں کا ارتکاب کیا جو ان کی نیکیوں پر غالب آ گئی اس بنا پر ان سے صدق ویقین میں کمزوری واقع ہو گئی پھر اس کے بعد انہوں نے صدق ویقین تام سے (دوبارہ) نہیں کیا۔ کیونکہ گناہوں نے (سابقہ) صدق ویقین کو ان کے دلوں سے کمزور کر دیا ہے تو ایسے لوگوں کا ایسے کلمہ پکارنا گناہوں کو مٹانے کی طاقت نہیں رکھتا جس سے برائیاں نیکیوں پر غالب آ جاتی ہیں)

عن ابي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال قال موسی یا رب !

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگار!

اسی مفہوم کو اکثر اہل علم، جیسے علامہ ابن قیم اور ابن رجب رحمہم اللہ وغیرہ نے بیان فرمایا ہے
شارح کتاب العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ
رحمہ اللہ نے جو مطلب و مفہوم بیان فرمایا ہے اس سے تمام احادیث میں تطبیق کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔
زیر نظر حدیث اس بات کی شاہد ہے کہ ایمان کیلئے صرف زبان سے شہادت کافی نہیں ہے جب تک کہ اس پر اعتقاد
نہ ہو اس کا مفہوم مخالف بھی معتبر ہے (کہ جب اعتقاد ہو گا تو نطق بھی معتبر ہو گا)

دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ کامل توحید والے شخص پر جہنم حرام ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی
کہ یہ عمل اُسی وقت تک کارآمد ہو گا جب تک کہ وہ خالص لوجہ اللہ اور سنت کے مطابق ادا کیا گیا ہو

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنے تذکرہ میں ایمان کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"اعمال ایمان سے وہ اعمال مراد ہیں جن کا تعلق اعضاء و جوارح سے
ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ گویا اعمال صالحہ ایمان کا جزو لاینفک ہیں۔
"اس بات کی دلیل کہ ایمان سے وہی معنی مراد ہیں جو کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور یہ کہ اقرار لا الہ الا اللہ سے مراد صرف
توحید کا اقرار شرک کی نفی اور دل سے کلمہ شہادت کافی نہیں بلکہ اعمال صالحہ بھی اس کیساتھ شامل ہیں جیسا کہ خود
حدیث میں آپ کا فرمان ہے اخرجوا! کہ نکالو" اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں

ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ يَقْبِضُ	اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک مُٹھی بھرے گا
سُبْحَانَهٗ قَبْضَةً فَيُخْرِجُ	اور دوزخ سے ایسے افراد کو باہر نکالے
قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا	گا جنھوں نے کبھی کوئی بھلائی کا کام نہیں
قَطُّ۔	کیا ہو گا۔

یہ وہ افراد ہوں گے جو صرف توحید کے قائل تھے اور اعمال صالحہ انجام نہ دے سکے"

قولہ: عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ ان کا نام اور مختصر نسب یہ ہے:

عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُكَ وَ اَدْعُوْكَ
بِهٖ قَالَ قُلْ یَا مُوْسٰی : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

مجھے ایسی چیز بتا جس سے تیری یاد کروں اور تجھ سے دُعا کیا کروں۔ فرمایا
اے موسیٰ! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھا کر۔

سعد بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری الخزرجی

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ماجد جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ جنگِ اُحد کے موقع پر اُن کی عمر کی کمی کے باعث ان کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہ مل سکی۔ البتہ جنگِ اُحد کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ یہ جلیل القدر صحابی مدینہ طیبہ میں ۶۳ھ یا ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں فوت ہوئے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ انھوں نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔

قولہٗ : اَذْکُرُكَ :۔ اس کلمہ سے میں تیری ثنا کہا کروں

قولہٗ : اَدْعُوْكَ :۔ میں تجھ سے مانگا کروں

قولہٗ : قُلْ یَا مُوْسٰی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ :۔ اِس جملے سے واضح ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ[1] کا

---

[1] " لا الٰہ الا اللہ " میں " لا " نفی جنس کا ہے۔ لا الٰہ کی خبر محذوف ہے۔ تقدیرِ عبارت یہ ہے،
لَا اِلٰہَ بِحَقٍّ اِلَّا اللہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا	یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے۔ اور جس
یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ	چیز کو (کافر) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل
وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ○	ہے اور اس لیے کہ اللہ رفیع الشان اور بڑا ہے

اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت حق اور صحیح ہے اس کے علاوہ تمام قسم کے الٰہوں کی الوہیت باطل ہے۔
یہی کلمہ عروۃ الوثقیٰ، کلمۃ التقویٰ اور کلمہ الاخلاص کہلاتا ہے۔
اسی کلمہ کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔
اسی کلمہ کی تکمیل کے لیے سُنن و فرائض کو مشروع کیا گیا۔
اسی کلمہ کو بلند و بالا رکھنے کے لیے جہاد فرض ہوا
اسی کلمہ سے فرمانبردار اور نافرمان میں تفریق پیدا ہوتی ہے۔

قَالَ يَا رَبِّ! كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا قَالَ يَا مُوْسٰى! لَوْ أَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَيْرِيْ وَ الْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ -

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! اسے تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں - اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور اُن کے باشندے اور ساتوں زمینیں، بجز میرے

پورا وِرد کرنا چاہیے - صرف لفظ "اللہ" یا صرف لفظ "ھُو" پر اکتفا کرنا غلط ہے، جیسا غلات و جُہّال صوفیاء کرتے ہیں - اُن کا یہ عمل بدعت اور گمراہی پر مبنی ہے -

قولہٗ : كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا اصل میں یقولون کی جگہ یقول ہے لیکن "مسند احمد" کی روایت میں بھی یقولون ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے اور مصنف کے قلمی نسخہ میں بھی یہی ہے - اِن الفاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھے خصوصی طور پر ایسا وظیفہ بتایا جائے جس کا عام لوگوں کو علم نہ ہو - جیسا کہ ایک روایت میں كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا! کے بعد منقول ہے: "مسند امام احمد کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صراحت کے ساتھ منقول ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے موسیٰ!

قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا رَبِّ اِنَّمَا اُرِيْدُ شَيْئًا — لا الٰہ الا اللہ پڑھا کر - حضرت موسیٰ نے عرض کی کہ اے اللہ! تیرے سوا تو کوئی الٰہ ہے ہی نہیں، لیکن میرا مقصد تو یہ تھا

پس جو شخص صدقِ دل، اخلاصِ نیت، اس سے محبت کرتے ہوئے اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے کردار کو ڈھالتے ہوئے اس کا اقرار کرلے لسے ربِّ کریم جنت میں ضرور داخل کرے گا - خواہ اس کے اعمال نامے میں چھوٹے چھوٹے کتنے ہی جرائم کیوں نہ ہوں -

(ماخوذ از قرۃ عیون الموحدین)

تَخُصُّنِیْ بِہٖ [1] | کہ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیے جو صرف میرے ہی لیے خاص ہو۔

چونکہ سب کو بلکہ پورے عالم کو کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی لاتناہی ضرورت ہے اس لیے اس کا وظیفہ بھی سب سے زیادہ اور اس کا عمل بھی سب سے آسان بنا دیا گیا۔ اور اس کا معنی بھی سب سے جامع ہے لیکن افسوس کہ عوام اور جہلاء نے اس عظیم اور بابرکت ذکر کو چھوڑ کر ایسے نئے نئے وظیفے اور ورد ایجاد کر لیے ہیں جن کا ذکر نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ ہی سنتِ مصطفےٰ میں۔

قولہٗ : عَامِرَهُنَّ [2]

أَيْ اَلسَّمٰوٰتِ السَّبْعَ پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔

---

[1] یہ الفاظ سنن نسائی اور حاکم اور شرح السنہ میں منقول ہیں۔ (مترجم)

[2] امام الوحدین العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ عَامِرَهُنَّ: زمین و آسمان میں جتنی بھی مخلوق ہے سب کی سب اور غیری، فرما کر جو آسمان میں ہے اس سبحانہٗ اپنی ذات کو مستثنیٰ کر لیا۔ کیوں کہ وہ العلی الاعلیٰ کی صفت سے متصف ہے اسی کی ذات مقدس ہے۔ جیسے وہ فرماتا ہے

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ | بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔
(البقرۃ۔ ۲۵۵)

علوِّ قدرت | علوِّ قہر۔ | علوِّ ذات۔

یہ تینوں صفتیں اللہ تعالےٰ کے کمال پر دلالت کناں ہیں۔ جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ | رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔
(طٰہٰ : ۵)

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ | پھر اس نے عرش پر قرار پکڑا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ | حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔
(یونس : ۳)

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ | وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں۔ پھر وہ اپنے عرش پر جلوہ فرما ہوا۔
(الرعد : ۲)

فِيْ كَفَّةٍ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِيْ كَفَّةٍ مَالَتْ بِهِنَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور دُوسرے پلڑے میں صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ رکھ کر وزن کیا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ والا پلڑا بھاری ہو گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور جو کچھ اُن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور ساتوں زمینیں اور اُن میں جو کچھ موجود ہے سب کے سب ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ والا پلڑا بھاری ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ (السجدۃ : ۴)	وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا، اور اس کے بعد عرش پر جلوہ فرما ہوا۔
اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ (فاطر : ۱۰)	اس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔
يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ؕ (النحل : ۵۰)	اپنے رب سے جو اُن کے اُوپر ہے ڈرتے ہیں۔
تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ (المعارج : ۴)	ملائکہ اور رُوح اُس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔
اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران : ۵۵)	میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتِ علوّ کی نفی کرتا ہے وہ کتاب وسُنّت کی صریح مخالفت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کا مرتکب ہوتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

إِنَّ نُوحًا قَالَ لِابْنِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ آمُرُكَ بِلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ لَوْ وُضِعَتْ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي كِفَّةٍ رَجَحَتْ بِهِنَّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَوْ أَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ كُنَّ حَلْقَةً مُبْهَمَةً لَقَصَمَتْهُنَّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

حضرت نوح علیہ السلام نے بوقتِ وفات اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ میں تجھے لآ الٰہ الّا اللہ کی پابندی کا حکم دیتا ہوں اسلیے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں اور دُوسرے پلڑے میں صرف لآ الٰہ الّا اللہ رکھ کر وزن کیا جائے تو لآ الٰہ الّا اللہ والا پلڑا بھاری رہے گا۔ نیز اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک گول مبہم یعنی غیر واضح حلقہ کی مانند ہوں تو لا الٰہ الّا اللہ انکو توڑ کر الگ الگ کردے۔

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا ہر چیز سے اُلوہیّت کی نفی کردی جائے

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے فیوض و برکات انسان کو اسی وقت حاصل ہوں گے جب کہ اس کے تقاضوں اور جن قیود سے اس کو مقیّد کر دیا گیا ہے ان کے مطابق اس پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ بعض افراد نے اس کا اقرار تو کیا لیکن اس کے تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھا جس کے نتیجے میں ان لوگوں کو اس کلمۂ توحید کے اقرار کا کوئی فائدہ نہ ہوا جیسا کہ سورۂ براءۃ وغیرہ میں مذکور ہے۔ مثلاً اہل کتاب اور منافقین جو تعداد میں کثیر اور مختلف نوعیت کے نفاق میں گرفتار تھے۔ ان لوگوں نے کلمہ کے تقاضوں کی پرواہ نہ کی اور اپنے نفاق پر مُصر رہے نتیجہ ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہ نکلا

چنانچہ بعض لوگ کلمۂ توحید کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن اس کے مدلول اور قیود سے ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں جیسے۔

- شرک کی نفی۔
- مشرک سے براءت کا اظہار۔
- صدق و سچائی کا اپنانا۔
- اخلاصِ نیّت۔

قولہٗ: فِی کِفَّۃٍ

ترازو کے ایک پلڑے کو کہتے ہیں۔

قولہٗ: مَالَتْ بِھِنَّ :۔ ان کو جھکا دے۔

کلمۂ شہادت میں چونکہ

○ شرک کی نفی کی گئی ہے

○ اور توحید کا اثبات کیا گیا ہے جو تمام اعمال سے افضل ہے۔

○ جو دین اور ملّت کی اساس اور بُنیاد ہے۔

پس جو شخص اخلاصِ نیّت اور یقینِ کامل سے اس کی شہادت دے گا۔ اس کے حقوق، لوازم اور اِس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے گا اور پھر اِس پر قائم رہے گا اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایسا عملِ صالح ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسرا عمل نہیں کرسکتا اور نہ کوئی دوسرا عمل اس کا ہم وزن ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِسی کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ	جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ
اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ	ہی ہے پھر وہ اِس پر قائم رہے۔ تو اُن کو
وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (الاحقاف:۱۳)	نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے

○ جو شرک و بدعت کی طرف دعوت دے اُسے قبول نہ کرنا بلکہ اس کا مقابلہ کرنا۔

○ کلمۂ توحید کی قیود کی پرواہ نہ کرنے والے شخص کی اطاعت نہ کرنا۔

بعض لوگ کلمۂ توحید کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن متکبرانہ ذہنیت یا خواہشاتِ نفس کی وجہ سے اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے افراد کثرت سے ملیں گے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ	اے نبیؐ! کہدو کہ اگر تمہارے
وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ	باپ اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے
وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ	بھائی، اور تمہاری بیویاں اور تمہارے
اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ	عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو
کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ	تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار
اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ	جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے
وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ	اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم

زیرِ بحث حدیث اِس بات پر دال ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" افضل الذکر ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَ خَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا	تمام دعاؤں سے افضل ترین عرفہ کی دُعاء ہے اور تمام ادعیہ سے بہتر وہ دُعا ہے جو مَیں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے کی کہ اللہ کے سوا کوئی

سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبہ : ۲۴)	کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

البتہ اہلِ ایمان جن کے دلوں میں خلوص کی دولت موجود ہے وہ اس کلمہ کی تمام قیود اور اس کے تمام تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

- ○ علم و یقین کی دولت سے وہ مالا مال ہوتے ہیں۔
- ○ صدق و اخلاص کا جوہر ان کے سینوں میں موجزن ہوتا ہے۔
- ○ اطاعت و فرمانبرداری اور کلمۂ توحید سے محبت ان کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔
- ○ ان کی محبت و عداوت کا معیار۔ یہی کلمۂ توحید قرار پاتا ہے۔

ایسے افراد کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن کریم سورۃ براءۃ وغیرہ میں کیا ہے۔ ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ان کی معافی کا اعلان فرمایا۔ جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا اور جہنم سے آزادی کا پروانہ بھی عطا فرمایا۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ	وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ	معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک
الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ	نہیں وہی بادشاہ ہے سب قسم کی حمدیں
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (مسند امام احمد۔ترمذی)	اُسی کو لائق ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک اور مرفوع روایت منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يُصَاحُ بِرَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ	قیامت کے دن پوری کائنات کے سامنے
عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ	ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اسکے سامنے
الْقِيٰمَةِ فَيُنْشَرُ لَهٗ تِسْعَةٌ وَّ	اُسکے ۹۹ دفتر برائیوں کے رکھ دیے جائیں
تِسْعُوْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ	گے ہر دفتر اتنا لمبا چوڑا ہوگا کہ جہاں تک
مِنْهَا مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يُقَالُ:	نظر کام کرتی ہے وہ پھیلا ہوا دکھائی دے گا
اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا؟	اس شخص سے سوال ہوگا کہ ان برائیوں میں سے کسی ایک کی تردید کر سکتا ہے ؟

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ؕ	اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○	رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔
(التوبۃ : ۱۰۰)	اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

آیت بالا میں مذکور افراد اور جو ان کے نقش قدم چلے آئے اور چلتے رہیں گے ایسے ہی افراد کلمۂ توحید کے صحیح قائم کرنے والے اور موحّد ہیں۔ جن کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔

اب جو شخص قرآن کریم میں غور و فکر کرے۔

اللہ تعالیٰ، توحیدِ اللہ کی اطاعت، ترکِ گناہ، اللہ کی محبوب اشیاء کو ترجیح دینے، اللہ کے ہاں مکروہ اشیاء کو ترک کرنے میں جو تفاوت اور فرق لوگوں میں پایا جاتا ہے اسے اچھی طرح پہچان لے تو اس کے سامنے ان مغرورین اہلِ شرک و بدعت کا گمراہ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت۔	دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کر لیا اور موت کے بعد پیش آنے والے حالات کیلئے عمل کیا۔
والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله الاماني۔	اور عاجز وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے لگا لیا اور اللہ تعالیٰ سے خواہ مخواہ آرزوئیں کرتا رہا

أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ؟ فَيَقُوْلُ: لَا يَا رَبِّ فَيُقَالُ: أَفَلَكَ عُذْرٌ أَوْ حَسَنَةٌ؟ فَيُهَابُ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ: لَا فَيُقَالُ: بَلٰى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَ إِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَيُخْرَجُ لَهُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ؟ فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كِفَّةٍ وَ الْبِطَاقَةُ فِيْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَ ثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ

آیا میرے محافظوں نے کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ گناہ گار جواب دیگا مجھے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اِس سے پھر سوال ہوگا کوئی عذر ہو تو پیش کرو؟ یا کوئی عملِ صالح ہو تو پیش کرو۔ بندہ ڈرتے ڈرتے جواب دیگا کہ مجھے کوئی عذر نہیں اور نہ میرے پاس کوئی عملِ صالح ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ تمھاری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے تم پر آج ظلم نہیں کیا جائیگا۔ اُسکا ایک کاغذ کا پُرزہ نکالا جائیگا جس پر لکھا ہوگا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اُسکے سچے رسول اور اُسکے بندے ہیں۔ بندۂ گناہگار عرض کرے گا کہ یا اللہ! اِتنے بڑے بڑے دفتروں کے مقابلے میں یہ ایک کاغذ کے پُرزے کی کیا حیثیت ہے؟ جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا چنانچہ بڑے بڑے دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں اور کاغذ کا ایک پُرزہ دُوسرے پلڑے میں رکھ کر جب وزن کیا جائے گا تو لَآ اِلٰہ اِلّا اللّٰہ کے کاغذ والا پلڑہ بھاری ہو جائیگا

(رواہ الترمذی وحسنہ، والنسائی، وابن حبان، والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم وقال الذھبی فی تلخیصہ صحیح۔)

علّامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" اعمالِ صالحہ اپنی شکل وصورت اور تعداد کی بنا پر چھوٹے بڑے نہیں ہوتے بلکہ اُن کا تعلق براہِ راست انسان کے دِل سے ہے۔ بعض اوقات دو اشخاص

رواه ابن حبان و الحاكم
و صحّحه۔
و للترمذي و حسّنه۔

اِس حدیث کو ابن حِبّان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ایک جیسا عمل کرتے ہیں لیکن اُن کے اعمال کے درمیان درجہ وفضیلت کے اعتبار سے ایسا بُعد نظر آتا ہے جیسا کہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔"

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مذکورۃ الصدر بطاقہ والی حدیث پر غور کرنا چاہیے کہ ایک معمولی کاغذ کا پُرزہ ترازو کے ایک پلڑے میں ہو اور دوسرے پلڑے میں ننانوے دفتر ہوں اور ہر دفتر حدِ نظر تک بڑا ہو۔ وزن کرتے وقت یہ تمام بڑے بڑے دفتر ہلکے ثابت ہونگے اور کاغذ کا معمولی پُرزہ جس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لکھا ہوگا، بھاری ثابت ہوگا اور وہ شخص عذاب سے بچ جائے گا۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ بطاقہ ہر مُوحد انسان کے پاس ہے، بایں ہمہ بہت سے لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنّم میں دھکیل دیے جائیں گے۔

قولہٗ : رواه ابن حبّان و الحاكم

ابنِ حبان کا پورا نام مع مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے :

محمد بن حبّان بن احمد بن حبان بن معاذ۔ ابوحاتم التمیمی البُستی الحافظ۔

ابنِ حبان صاحبِ تصنیفاتِ کثیرہ ہیں جیسے صحیح ابنِ حبان، تاریخ ابنِ حبان، کتاب الثقات، کتاب الضعفاء۔

ابنِ حبان کے بارے میں محمد بن عبداللہ الحاکم لکھتے ہیں :

"ابنِ حبان علمِ فقہ، علمِ لغت، علم الحدیث کے سمندر تھے، نہایت مؤثر وعظ کہتے تھے اور اپنے دَور کے رَئیسُ العقلاء تھے۔"

یہ اپنے آبائی شہر بُست میں ۳۵۴ھ میں فوت ہُوئے۔

الحاکم کا پورا نام یہ ہے :

عن انس رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :

قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ يَا ابْنَ آدَمَ ! لَوْ أَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے:

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابنِ آدم! اگر تُو میرے پاس گناہوں سے پُوری زمین بھر کرلے آئے

محمد بن عبداللہ بن محمد النیسابوری۔ کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ابن البیع کے نام سے بھی مشہور تھے۔ حافظ الحدیث تھے، "مستدرک الحاکم" اور "تاریخ نیساپور" اُن کی مشہور تالیفات ہیں۔

۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔

قولہٗ : د للترمذی : امام ترمذی رحمہ اللہ کا پورا نام یہ ہے:

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سَورۃ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ حافظ الحدیث تھے۔ قدرت نے آنکھوں کی نعمت سے محروم کیا لیکن بایں ہمہ فنِ حدیث میں جامع ترمذی اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف تمام دنیا میں پڑھی جاتی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے قُتَیبَہ، ھناد اور امام بخاری رحمہم اللہ سے روایت کی ہے۔

یہ عظیم محدث ۲۷۹ھ میں فوت ہوئے۔

قولہٗ : عن انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا پورا نام یہ ہے:

انس بن مالک بن نضر الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر دس سال خدمت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصیت سے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ	اے اللہ! اس کے مال و اولاد میں برکت عطا فرما اور اسے جنت میں داخل کر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سو سال سے زیادہ عمر پا کر ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

قولہ : یَابْنَ اٰدَمَ

مصنف رحمہ اللہ نے حدیث کا صرف آخری جملہ نقل کیا ہے۔ جامع ترمذی میں پوری حدیث درج ہے جسے ہم قارئین کے استفادہ کے لیے درج کر رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی! يَابْنَ اٰدَمَ! اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَ رَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰی مَا كَانَ مِنْكَ وَ لَا اُبَالِيْ	اللہ تعالیٰ بندے کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے امید رکھ کر مجھے بلائے اور میں تجھے معاف کر دوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہوگی۔
يَابْنَ اٰدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَ لَا اُبَالِيْ	اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں، پھر بھی تو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں تجھے معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہ ہوگی۔
يَابْنَ اٰدَمَ! اِنَّكَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً	اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس اتنے گناہ لے کر آئے جس سے زمین بھری ہوئی ہو، بشرطیکہ ان میں شرک نہ ہو تو اسی قدر مغفرت اور بخشش سے نوازوں گا۔

(ترمذی)

ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔

لیکن اِس میں شرک نہ ہو تو میں اِسی مقدار میں بخشش کی بارش کر دوں گا۔

مذکورۃ الصدر حدیث کے مفہوم کی ایک حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مُسند میں نقل کی ہے جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:۔

وَ مَنْ عَمِلَ قُرَابَ الْأَرْضِ خَطِيْئَةً ثُمَّ لَقِيَنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا جَعَلْتُ لَهٗ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً	جس شخص کی اتنی برائیاں ہوں کہ ساری زمین بھری ہوئی ہو لیکن اس میں شرک نہ ہو تو اِسی قدر بخشش اور مغفرت سے نواز دوں گا۔

(اِس روایت کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔)

قولہٗ : "لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ" : لفظ "قُراب" کے قاف پر ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں لیکن زیادہ مشہور ضمہ ہی ہے۔ قُراب کے معنٰی بھرا ہوا یا بھرنے کے قریب۔

قولہٗ : ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا

مغفرت کے لیے بڑی زبردست اور بھاری شرط لگائی گئی ہے کہ شرک قلیل ہو یا کثیر، شرکِ اکبر ہو یا اصغر۔ بہر حال شرک سے صحیح سلامت رہنا مغفرت کے لیے شرطِ اوّل ہے اور اِس سے وہی اِنسان

لہ زیرِ نظر حدیث میں وہی مفہوم ادا کیا گیا ہے جو "لا الٰہ الا اللہ" میں بیان ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ شرک خواہ قلیل ہو یا کثیر اُسے چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ کمالِ توحید یہی ہے۔

شرک سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس نے توحید، اور اس کے تقاضوں کو علم و یقین، صدق و اخلاص اور اطاعت کے جذبے سے انتہائی محبت و اُلفت سے اپنے اندر سمو لیا ہو۔ کیونکہ ربّ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ (الشعراء: ۸۹)	جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا۔ نہ اولاد۔ بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قلبِ سلیم سے نوازا ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ (الشعراء ۸۸۔۸۹)

جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

زیرِ بحث حدیث کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ابنِ رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس شخص کے گناہوں کا یہ عالم ہو کہ اِن سے زمین کا چپّہ چپّہ بھرا پڑا ہو، لیکن وہ اپنے نامۂ اعمال میں توحید کی دولت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے سب گناہ معاف فرما دے گا۔ اگر انسان توحید میں کامل ہے، اس میں صرف اللہ کی رضا کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ دِل، زبان اور جوارح سے اِس کے شروط کا پابند ہے یا موت کے وقت صرف دِل اور زبان سے اس کو ماننے کا اقرار کرتا ہے تو اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیگا اور اس کی لازماً مغفرت فرما دے گا، اُس کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ پس جس شخص نے کلمۂ توحید کو دِل سے تسلیم کر لیا تو اُس کے قلب سے غیر اللہ کی محبت، تعظیم، اس کی بڑائی اور اس کا ڈر، خوف اور توکل یکسر نکل جائے گا اور یہ کلمہ اُس کے تمام خطایا و معاصی کو جلا کر رکھ دے گا اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔"

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: سَعَۃُ فَضْلِ اللّٰہِ -

① اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وسعت -

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ زیرِ نظر حدیث کی تشریح کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ :

"جس شخص کے سینے میں توحیدِ خالص ہو اور وہ بندۂ خدا شرک میں ملوث بھی نہ ہو تو اللہ کے ہاں اس کی معافی کا شمار ان لوگوں کی معافی کی طرح نہیں ہوگا - جو اخلاص توحید سے ناآشنا ہوں. جو موحِّد اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کہ اُس کے گناہوں سے تمام دُنیا اٹی پڑی ہو مگر وہ مرتکبِ شرک نہ ہُوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اُس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا -

جس شخص کی توحید ناقص ہو گی اُس کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ توحیدِ خالص کی موجودگی میں، جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، گناہ کا باقی رہنا ممکن ہی نہیں، اس لیے کہ توحیدِ خالص میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عظمت وجلالت اور اس کا خوف پنہاں ہے جو گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے اگرچہ گناہوں کی شدت سے زمین بھری پڑی ہو۔ گناہوں کی نجاست عارضی ہے اور گناہوں کو ختم کرنے والی توحید قوی اور مضبوط تر ہے۔"

زیرِ بحث حدیث میں توحید کے اجر وثواب کی کثرت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے جُود وسخا کی وُسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور اِس میں خوارج کی بھی تردید ہوتی ہے، جو مرتکبِ معصیت مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور معتزلہ کا بھی ردّ ہوتا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو دو میں سے ایک درمیانہ مقام دیا جاتا ہے اور وہ حالت فسوق ہے جس کے متعلق معتزلہ کا یہ

الثانية: كَثْرَةُ ثَوَابِ التَّوْحِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ۔

② ربِ کریم کے ہاں توحید کے اجر و ثواب کی کثرت۔

الثالثة: تَكْفِيْرُهُ مَعَ ذٰلِكَ لِلذُّنُوْبِ

③ اجر و ثواب کے علاوہ توحید گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔

الرابعة: تَفْسِيْرُ الْأٰيَةِ (۸۲) اَلَّتِيْ فِيْ سُوْرَةِ الْأَنْعَامِ۔

④ سورۂ انعام کی (آیت نمبر ۸۲ میں جو ظلم کا لفظ ہے) اُس کی تفسیر

کہتا ہے کہ وہ نہ تو مومن ہے نہ کافر ہے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا
اس سلسلے میں صحیح مسلک اہل سنت کا ہے وہ یہ کہ گناہ کی وجہ سے ایمان کی نسبت اس سے مسلوب نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے مطلقاً مومن کہا جائے بلکہ ایسے شخص کو مومن عاصی کہا جائے گا یا یہ کہا جائے گا کہ ایمان کی وجہ سے تو مومن لیکن کبائر کا مرتکب ہونے کی وجہ سے فاسق ہے کتاب و سنت یہی بتاتے ہیں اور اجماع سلف امت اسی مسلک کی تائید میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُنْتُهِيَ بِهِ إِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَأُعْطِيَ ثَلَاثًا أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَخَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَغُفِرَ لِمَنْ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ مِنْ أُمَّتِهٖ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتِ (صحیح مسلم)	معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا اور وہاں آپؐ کو تین تحفے عنایت ہوئے۔ ۱۔ پانچ وقت کی نمازیں۔ ۲۔ سورۃ البقرۃ کی آخری چند آیات اور ۳۔ یہ کہ جو شخص شرک سے بچا رہا اُسکے تمام بڑے بڑے گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔

الخامسة تَأَمَّلِ الْخَمْسَ اللَّوَاتِي فِي حَدِيثِ عُبَادَةَ

⑤ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو پانچ باتیں ہیں اُن پر غور کرو۔

السادسة أَنَّكَ إِذَا جَمَعْتَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ حَدِيثِ عِتْبَانَ وَ مَا بَعْدَهُ تَبَيَّنَ لَكَ مَعْنَى قَوْلِ "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" وَ تَبَيَّنَ لَكَ خَطَأُ الْمَغْرُورِينَ۔

⑥ جب تم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی احادیث کو جمع کرو گے تو لآ اِلٰہ اِلّا اللہ کے معنی سمجھ میں آجائیں گے اور جو لوگ[1] دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کی غلطی واضح ہو جائے گی۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ" صحیح طور پر سمجھنے میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صرف کلمہ توحید کے زبانی اقرار سے دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلے کا پروانہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔
ایسا سمجھنے والا اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے کیونکہ نہ تو اس نے کلمہ توحید کو سمجھا اور نہ ہی اس پر غور و فکر کیا۔
کیونکہ کلمۂ توحید کا حقیقتاً معنٰی یہ ہے کہ تمام قسم کے معبودوں سے بے زاری کا اظہار کیا جائے اور ہمہ قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ادا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے مطابق اس پر عمل کیا جائے۔ اب جو شخص عبادات میں اس کلمہ کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتا، یا چند عبادات کی ادائیگی تو کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی پرستش بھی کرتا ہے جیسے فوت شدہ اولیاء اللہ کو پکارنا، اُن کے نام کی نذر ماننا، تو ایسا شخص حقیقتاً کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد کو گراتا ہے۔ ایسے شخص کا دعویٰ اس کے لیے کوئی فائدہ مند نہ ہوگا اور نہ ہی اسے عذابِ الٰہی سے بچا سکے گا۔ اگر صرف زبان کا اقرار کافی ہوتا تو مشرکین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت نہ رکھتے اور نہ ہی ان سے جنگ کی نوبت آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

السابعۃ: اَلتَّنْبِيْهُ لِلشَّرْطِ الَّذِيْ فِيْ حَدِيْثِ عِتْبَانَ رضی اللہ عنہ

⑦ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو شرط ہے اُس پر خوب غور کرنا چاہیے

الثامنۃ: كَوْنُ الْأَنْبِيَاءِ يَحْتَاجُوْنَ لِلتَّنْبِيْهِ عَلٰى فَضْلِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

⑧ انبیائے کرام علیہم السلام بھی لآ إلٰہ إلّا اللہ کی فضیلت جاننے کے محتاج تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد، ترمذی، ابنِ ماجہ اور نسائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

فاعلم انه لا اله الا الله (محمد-١٩) جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

الّا من شهد بالحق وهم يعلمون ○ (الزخرف-٨٦) مگر جس نے حق کی شہادت دی اور وہ جانتے تھے۔

بس جو شخص کلمۂ توحید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اُسے کلمہ توحید کا صرف زبانی اقرار فائدہ نہ دیگا

اب جو شخص عبادات میں سے کوئی عبادت غیر اللہ کے لیے ادا کرتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں

○ یا تو وہ کلمۂ توحید کے مفہوم سے جاہل ہے۔

○ یا اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹا ہے۔

یہی لوگ دھوکے میں ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

الاخسرون اعمالا الّذين ضلّ سعيهم في الحيوة الدّنيا وهم يحسبون انّهم يحسنون صنعا ○ (الكهف-١٠٤)

یہی لوگ نتائج کے لحاظ سے اعمال میں نہایت ہی خسارے میں ہونگے یہ وہ لوگ ہیں جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی۔ اور وہ یہ سمجھے ہوتے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

حامد فقی

التاسعة: اَلتَّنْبِيْهُ لِرُجْحَانِهَا بِجَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ مَعَ أَنَّ كَثِيْرًا مِّمَّنْ يَّقُوْلُهَا يَخِفُّ مِيْزَانُهٗ.

⑨ اس بات پر بطورِ خاص غور کرنا ضروری ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ تمام چیزوں سے بھاری ہے مگر بہت سے بدقسمت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے والوں کی ترازو ہلکی ہوں گی۔

العاشرة: اَلنَّصُّ عَلٰٓی أَنَّ الْأَرْضِيْنَ سَبْعٌ كَالسَّمٰوَاتِ.

⑩ اس بات کی صاف تصریح موجود ہے کہ آسمانوں کی طرح زمین کے بھی سات (طبقے) ہیں۔

الحادية عشرة: أَنَّ لَهُنَّ عُمَّارًا

⑪ زمینوں اور آسمانوں میں آبادیاں ہیں۔

قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ	رسُول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی
هٰذِهِ الْاٰيَةَ " هُوَ اَهْلُ	کہ " ھو اھل التقوی
التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ"	واھل المغفرۃ "
وَ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا	اور فرمایا کہ تمہارے ربّ کریم نے فرمایا ہے
اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى	کہ میں اسکا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے
فَلَا يُجْعَلُ مَعِيَ اِلٰهٌ	اور میرے ساتھ کوئی دُوسرا معبُود نہ بنایا جائے
فَمَنِ اتَّقٰى اَنْ يَجْعَلَ مَعِيَ	پس جو شخص مجھ سے ڈرا اور اس نے میرے ساتھ
اِلٰهًا كَانَ اَهْلًا اَنْ	دوسرا معبُود نہیں بنایا وہ اس کا مستحق ہوگا
اَغْفِرَ لَهٗ	کہ میں اُسے بخش دوں۔

الثانية عشرة إِثْبَاتُ الصِّفَاتِ خِلَافًا لِلْأَشْعَرِيَّةِ.

⑫ اللہ کریم کی صفات کا ثبوت، بخلاف اشعریہ کے (وہ بعض صفاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں۔)

الثالثة عشرة أَنَّكَ إِذَا عرفت حديث انس عرفت ان قوله فِي حَدِيثِ عِتْبَانَ:

فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ:

أَنَّهُ تَرْكُ الشِّرْكِ لَيْسَ قَوْلُهَا بِاللِّسَانِ۔

⑬ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جب آپ کی سمجھ میں آجائے گی تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ فرمانا کہ "فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ" سے مقصود شرک چھوڑنا ہے نہ یہ کہ بس زبان سے کلمہ کی شہادت۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کو ان پانچ اعمال پر غور کرنا چاہیے جن کا ذکر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں کیا گیا ہے کیونکہ جب ان پانچ امور کو حضرۃ عتبان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملا کر غور کیا جائے گا تو کلمۂ شہادت لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی پوری طرح وضاحت

الرابع عشرة تَأَمَّل الجَمْعَ بَيْنَ كَوْنِ عِيْسٰى وَ مُحَمَّدٍ عَبْدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلَيْهِ۔

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو اللہ کا بندہ اور رسول کہنے میں غور و فکر کرو۔

الخامسة عشرة مَعْرِفَةُ إِخْتِصَاصِ عِيْسٰى بِكَوْنِهٖ كَلِمَةَ اللهِ۔

(۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطورِ خاص کلمۃ اللہ کہنے کی معرفت۔

السادسة عشرة مَعْرِفَةُ كَوْنِهٖ رُوْحًا مِّنْهُ۔

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ ہونے کی معرفت

السابعة عشرة مَعْرِفَةُ فَضْلِ الْإِيْمَانِ بِالْجَنَّةِ وَ النَّارِ۔

(۱۷) جنت اور دوزخ پر ایمان لانے کی فضیلت۔

ہو جائے گی۔ گویا اِن دونوں روایات سے کلمۂ شہادت ہی کی صراحت مقصود ہے اور ان مغرور اور فریب خوردہ گروہ کی اِس غلطی کا بھی پتا چل جائے گا جن کا عقیدہ یہ ہے کہ دُخولِ جنت کے لیے صرف زبان سے کلمۂ شہادت کافی ہے۔)

زیرِ نظر حدیث میں یہ بات بھی موجود ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اِسی طرح لآ اِلٰہ اِلّا اللہ کی فضیلت معلوم کرنے کے محتاج ہیں اور اس بات پر متنبہ فرمانا کہ تمام مخلوقات پر یہ کلمات بھاری ہیں کیوں کہ بعض لوگوں کی شہادتِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کے باوجود اُن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہے گا۔

الثامنۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ قَوْلِهٖ : " عَلٰی مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ "

⑱ اِس بات کی معرفت کہ (صاحبِ توحید کا لازمی جنّت میں جانا) اگرچہ وُہ کیسے ہی عمل کرتا ہو۔

التاسعۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ أَنَّ الْمِيزَانَ لَهٗ كِفَّتَانِ۔

⑲ اس بات کی معرفت کہ ترازو کے دو پلڑے ہیں۔

العشرون مَعْرِفَةُ ذِكْرِ الْوَجْهِ۔

⑳ اللہ کے لیے لفظ " وجہ " کا اِستعمال ہونے کو سمجھنا۔

اِس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات ہوتا ہے جو فرقہ معطلہ کے عقیدے کے خلاف ہے
اِس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر ہم حضرت انس اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہم کی روایات کو یک جا کر کے غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ترکِ شرک کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فقط زبان سے اقرار اور شہادت کافی ہے۔

بَابُ

مَنْ حَقَّقَ التَّوْحِيدَ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اِس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص توحیدِ خالص پر عمل پیرا ہوا، وُہ بِلا حساب جنّت میں داخل ہو گیا۔

باب

مَنْ حَقَّقَ التَّوْحِيْدَ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ

باب مَنْ حَقَّقَ التَّوْحِيْدَ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ سے مراد یہ ہے کہ عذاب بھی نہ ہوگا تحقیق کے معنی یہ ہیں کہ انسان توحید کو اپنے عمل میں سمولے اور اس کو شرک، بدعت اور معاصی کے شائبوں سے پاک کرے[1]۔

---

[1] توحید کو اپنے اعمال و کردار میں سمو لینا اُمتِ محمدیہ کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ اُن اہلِ ایمان کی خاص علامت ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے چُن لیتا ہے جیسے حضرت یُوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ ‏ — یہ اس لیے ہوا کہ ہم اس سے بدی اور بےحیائی کو دُور کر دیں۔ درحقیقت وُہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ (یوسف - ۲۴)

اَلْمُخْلَصِیْنَ میں لام کی فتح بھی ہے اور کسرہ بھی دونوں قراتیں وارد ہیں مخلصین کی تعداد ابتدائے اسلام میں بکثرت تھی لیکن آخر میں وہ چیدہ چیدہ رہ جائیں گے اور واقعی تھوڑے ہی رہ گئے ہیں پھر بھی ان کی قدر و منزلت اللہ کریم کے ہاں بہت بلند ہوگی۔ اللہ تعالےٰ اپنے خلیل علیہ السلام کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ — اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں، جنھیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ مَیں نے تو یکسُو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (انعام - ۷۸، ۷۹)

یعنی مَیں نے اپنے دین اور عبادت کو اُس ذاتِ کبریا کے لیے خاص کر لیا ہے جس نے زمین و آسمان کو بے مثل پیدا فرمایا ہے اور مَیں حنیف ہوں یعنی شرک کو چھوڑ کر توحید کی طرف مائل ہوں۔ اسی کو تاکیداً فرمایا کہ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، کہ مَیں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس آیت کریمہ کی مزید توضیح کے لیے قرآن کریم میں بیشمار آیات رقم ہیں ایک مقام پر ارشاد ہے کہ

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ — اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے؟ جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا

قولہ تعالیٰ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا ط

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک پوری اُمت تھے، اللہ کے مطیع فرمان اور یک سُو۔

بِغَيْرِ حِسَابٍ کا مطلب یہ ہے کہ اِسے عذاب نہ ہوگا۔

قولہ : إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً

زیرِ نظر آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جو توحید کی سچائی کے لیے انتہائی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں

ا ۔۔۔ پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ كَانَ أُمَّةً : یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ،

مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾ (النساء - ۱۲۵)

رویّہ نیک رکھا اور یک سُو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی، اُس ابراہیمؑ کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنالیا تھا۔

وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُۥٓ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۗ (لقمان - ۲۲)

جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور عملاً وہ نیک ہو اُس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا۔

اِس آیت کی تفسیر میں حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :

" جس شخص نے اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا ہے یعنی اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کر لیا اور اس کے احکام سے سرمُو انحراف نہ کرنے کا عہد کر لیا اور اُس کی نازل کردہ شریعت کی پیروی کے لیے کمربستہ ہوگیا۔ اِسی لیے تو اس کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ "وَهُوَ مُحْسِنٌ" یعنی اپنے عمل و کردار اور اس کے احکام کی پیروی اور اُسکے منع کردہ اُمور سے اِجتناب کرنے پر کمربستہ ہوگیا۔

پس یہ آیتِ کریمہ اس بات کی شاہد ہے کہ کمالِ اخلاص اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ انسان شرک کو بالکل ترک نہ کرے اور شرک اور مشرکین سے بیزاری اور قطعِ تعلق نہ کرے"۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

بہترین نمونہ تھے، معلمِ خیر اور امام تھے۔ اُن کی زندگی مخلوقِ خدا کے لیے مشعلِ راہ تھی۔ یہ بلند مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس وقت حاصل ہُوا جب انھوں نے صبر اور یقینِ کامل کی تمام منزلوں کو طے کر لیا حقیقت میں یہی وُہ دو وصف ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان دین میں امامت کے بلند و بالا مقام پر فائز ہو جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲۔ قَانِتًا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زندگی کو اطاعتِ خداوندی میں تسلسل و دوام کے ساتھ گذار دینے کا نام قنوت ہے اسی طرح نمازی جب طویل رکوع و سجود اور قیام کرے تو قانت شمار ہوگا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ط (الزمر - ۹)	کیا اُس شخص کی روش بہتر ہے جو مطیع فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے؟

اِس آیت میں لفظ قانت اس شخص پر بولا گیا ہے جو آخرت سے ڈرتا ہوا دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہتا ہے۔

۳۔ اِنَّهٗ كَانَ حَنِيْفًا:

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

جو شخص اللہ کی طرف پُوری طرح متوجہ ہو اور ماسوی اللہ سے منہ موڑ لے، اُسے اَلْحَنِيْفُ کہتے ہیں۔

۴ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اخلاص اور توکل جیسے عظیم عمل میں یکتا و فرد تھے اور سچائی کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شرک کی آلائشوں سے پاک اور اِس کی حدود سے دُور تھے[1]۔ مندرجہ ذیل آیات اِس آیۂ کریمہ کی مزید وضاحت کرتی ہیں:

---

[1] علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ "مفتاح دار السعادۃ" میں فضیلتِ علم کے تحت رقمطراز ہیں:
"ربِّ کریم نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بایں الفاظ تعریف کی کہ "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً"۔ اِس آیت میں چار قسم کے تعریفی کلمات اِستعمال فرمائے۔ ابتداءً آپ کو اُمّۃ کے لفظ سے یاد فرمایا۔ اُمّۃ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کے لیے نمونہ ہو اور اس کی پیروی کی جائے۔"

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ

ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے صحابہ میں تمہارے لیے اُسوہ اور اچھا نمونہ ہے۔

"اَلْاُمَّۃُ : المعلم للخیر خیر کی تعلیم دینے والا ہے

اُمَّۃٌ : اِئتمام سے فُعْلَۃٌ کے وزن پر ہے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

○ پہلا یہ کہ امام اُسے کہا جاتا ہے جس کی پیروی کی جائے۔ خواہ اس کے ارادہ اور شعور کو دخل ہو یا غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر ہو دونوں صورتیں برابر ہیں۔ اسی مناسبت سے راستے کو بھی امام سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ○ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○

اور ایکہ والے ظالم تھے تو دیکھ لو کہ ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان دونوں قوموں کے اُجڑے ہوئے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں۔ (الحجر-۷۸-۷۹)

یہاں پر امام مبین سے ایسا راستہ مراد ہے جو بالکل واضح ہو اور مسافر کسی الجھاؤ کے بغیر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ راستہ کو اُمَّۃ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

○ دُوسرا فرق یہ ہے کہ لفظِ اُمَّۃ میں معانی کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ لفظ اُمَّۃ اُس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں تمام صفاتِ کمال جمع ہو گئی ہوں اور وہ شخصیت علم و عمل میں منفرد حیثیت کی حامل ہو۔ ایسی شخصیت میں وہ صفات جمع ہوں جو کہ دوسروں میں بکھری ہوئی ہوں چنانچہ دوسروں سے بایں معنیٰ ممتاز ہو کہ یہ صفات کمال دوسروں میں یا تو متفرق اور الگ الگ پائی جائیں یا بالکل ہی معدوم اور مفقود ہوں۔

لہٰذا لفظ اُمَّۃ سے یہی معنیٰ سمجھے جائیں گے کیونکہ اس میں میم اپنے مخرج اور ترکیب لفظی کے لحاظ سے ضم یعنی ملانے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اُمّت کے پہلے حرف یعنی الف کو ضمہ کا اعراب دیا گیا ہے کیونکہ ضمہ واؤ کی قسم ہے اور اس کا مخرج ہے اس لیئے اس پر ضمہ پڑھا جائے گا۔

آخر میں حرف ۃ لایا گیا جس سے واحد کے معنیٰ ظاہر ہوتے ہیں، جیسے غُرْفَۃٌ (ایک کمرہ)، لُقْمَۃٌ (ایک لقمہ)۔ اِسی مفہوم کو یہ حدیثِ پاک ظاہر کرتی ہے :

اِنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو قیامت کے دن ایک اُمّت کی حیثیت

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے وہ رسول مراد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیرو اور خیر خواہ تھے۔

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ (الممتحنۃ - ۴)

جب انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا۔ "ہم تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ" مگر ابراہیمؑ کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ "میں آپ کیلئے مغفرت کی درخواست ضرور کرونگا اور اللہ سے آپ کیلئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے"

اُمَّۃٌ وَّحْدَہٗ میں اٹھایا جائے۔

پس ثابت ہوا کہ ضمہ اور جمع کے معنی لفظ اُمّۃ کے لیے لازم ہیں۔ اسی وجہ سے امتوں کے باقی ماندہ چیدہ چیدہ افراد کو اُمّۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ افراد یا تو دین واحد کے ہوتے ہیں یا ایک ہی دَور میں ان کا وجود ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُوسری صفت یہ بیان کی وہ قَانِتْ تھے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مطیع اور فرمانبردار کو قَانِت کہتے ہیں۔ قُنُوت ان تمام اشیاء کو مشتمل ہے جو دوام اطاعت کو مستلزم ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ حنیف تھے۔ حنیف اُسے کہتے ہیں جو ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اسی معنی کو مدِ نظر رکھیں تو لازم آئے گا کہ حنیف شخص اللہ کے سوا ہر ذات سے اعراض رکھے۔ پس ثابت ہوا کہ غیر اللہ سے اعراض حنیف کے لوازم میں سے ہے۔ یاد رہے کہ لُغوی طور پر حنیف اِس معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ شَاکِر تھے۔

شُکرِ انعامات تین ارکان پر مبنی ہے:

اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مشہور قول بھی نقل کیا جو انہوں نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا:

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○

(مریم - ۴۸، ۴۹)

مَیں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنھیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ مَیں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ اُمید ہے کہ مَیں اپنے رب کو پکار کے نامُراد نہ رہوں گا۔ پس جب وہ اُن لوگوں سے اور اُن کے معبُودانِ غیر اللہ سے جُدا ہو گیا تو ہم نے اسکو اسحاق اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

۱۔ نعمت کا اقرار کرنا اور اس کو مُنعم کی طرف منسُوب کرنا۔

۲۔ انعامات کو مُنعم کی منشا کے مطابق خرچ کرنا۔

۳۔ خداوند تعالٰی کی محبت کے مطابق عمل پیرا ہونا۔

مذکورۃ الصدر تین ارکان کے بغیر انسان شاکر کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ ربِ کریم نے اپنے خلیلؑ کی تعریف میں چار صفتوں کا ذکر فرمایا جو سب کی سب علم، علم کے تقاضوں کے مطابق عمل اور اس کی نشر و اشاعت کی طرف راجع ہیں تو حضرت ابراہیم کے تمام کمالات علم اور اس کے مطابق عمل اور مخلوقِ خدا کو اس کی طرف دعوت دینے کا تقاضا رکھتے ہیں

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالٰی نے اپنے بندے، اپنے رسُول اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یوں تعریف فرمائی کہ وہ امام الحنفاء تھے۔ جہاں اُنھوں نے مُشرکین سے بیزاری کا اظہار کیا وہاں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت سے بھی برأت کا اظہار فرمایا۔ اُمّۃ اُس امام کو کہا جاتا ہے جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے۔

قانت، مطیع اور فرمانبردار کو کہا جاتا ہے۔

حنیف، اُس شخص کو کہتے ہیں جو قصداً شرک سے کنارہ کش ہو کر توحید کی طرف

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک اور مشرکین سے بیزاری کا اظہار، اُن سے عداوت اور اُن کے کافرانہ عقائد سے انکار کر کے اور اُن سے دشمنی کر کے تحقیقِ توحید کی وہ تصویر کھینچی ہے جس کی مثال پیش کرنا ممکن نہیں۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ زیر بحث آیت اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ راہِ توحید کا سالک اپنی قلتِ تعداد پر گھبرا نہ جائے

مائل ہو۔ اسی بنا پر ان کے بارے میں فرمایا: لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ "

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" کان ابراهیم امة، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی مومن تھے، اُس وقت باقی سب لوگ کافر تھے۔"

محقق شہیر علامہ محمد حامد الفقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" مذکورۃ القدر دونوں قول ٹھیک ہیں کیونکہ حضرت خلیل اللہ میں یہ دونوں صفتیں موجود تھیں۔ البتہ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ دعوت الی اللہ کے ابتدائی مراحل میں اکیلے ہی تھے اور اسی دور میں شرک سے برأت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح اور تعریف فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ (مریم۔ ۴۱-۴۲)	اور اِس کتاب میں ابراہیمؑ کا قصہ بیان کرو بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا (انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جب کہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ " اباجان آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟
وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ (الصّٰفّٰت ۸۳-۸۴)	اور نوحؑ ہی کے طریقے پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا جب وہ اپنے رب کے حضور قلبِ سلیم لے کر آیا۔

یہ حالات ابتدائے دعوت میں تھے جبکہ ان کے علاوہ خطۂ ارض پر اُن کے علاوہ ایک بھی مسلمان نہ تھا۔" اور یہ حدیث میں وارد ہے واللہ اعلم

قولہ: وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ:

وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(النحل : ۱۲۰)

وہ کبھی مُشرک نہ تھے۔

قولہٗ : حَنِيْفًا

یعنی حضرت ابراھیم علیہ السلام فریب خوردہ عُلماء کی طرح اِدھر اُدھر جھک جانے کے قائل نہ تھے۔

قولہٗ : وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اِس وضاحت سے اُس شخص کی تردید ہوتی ہے! جو کہ اِن کے گروہوں کی کثرت کا سبب بھی بن جاتا ہے پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کا ہر طرح سے بائیکاٹ کیا۔ دل، زبان اور اپنے تمام ارکان سے مشرکین کا مقاطعہ کیا۔ مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت میں غرق تھے ان کو سختی سے روکا اور ان کے بتوں کو توڑنے سے بھی گریز نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو مشکلات پیش آئیں اُن پر صبر کیا۔ اِسی کردار کو تحقیق توحید اور دین کی اساس کہتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ	جب اُس کے رب نے کہا "مُسلم ہوجا۔"
قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (بقرۃ - ۱۳۱)	تو اُس نے فوراً کہا کہ "مَیں ربّ کائنات کا 'مُسلم' ہوگیا۔"

آج کل اکثر کلمہ گو اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے والے، اِسلام کا دعویٰ کرنے والے اللہ کی عبادت میں شرک کر رہے ہیں، بایں معنی کہ یہ ایسے افراد کو پکارتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، طرفہ یہ ہے کہ وُہ بھی مُردوں کو، یا جو ان سے کوسوں دُور ہیں یا طاغوت اور جنات وغیرہ کو۔ اِن سے محبت اور دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں، ان سے خوف کھاتے ہیں، ان سے اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

جو موحد شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دے اور غیر اللہ کی عبادت سے روکے اور یہ کہے کہ یہ سراسر بدعت اور گمراہی ہے اور جو شخص ایسے شرکیہ کاموں سے نفرت کرے اور ایسے لوگوں سے بھی دشمنی رکھے اس کی مخالفت پر یہ لوگ کمربستہ ہو جاتے ہیں

بعض مشرک تو توحید کو علم سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے اور اپنی جہالت، عدم محبت کی وجہ سے توحید پر غور و فکر کرنے کے بھی روادار نہیں۔

حامد رفیق

وقال : وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ (المؤمنون : ٥٩)

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔

قولہٗ : اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً

آیت کے ان الفاظ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً کے بارے میں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اسلام کی ایک امت تھے اور اس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا علامہ عبدالرحمٰن بن حسن کا کہنا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے سابقہ قول کہ اُمَّةً کان اِمَامًا يُقْتَدٰى بِهٖ فِي الْخَيْرِ میں کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق اس دور سے ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کو قبول عام حاصل ہوا۔

قولہٗ : وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ

یہ اُن مومنین کی صفت ہے جو سب سے پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اُن کی وُہ خوبی بیان فرمائی ہے جو سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے، یعنی یہ کہ اُن کا دامن شرک سے آلودہ نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کو بسا اوقات ایسے ایسے واقعات اور اعمال سے واسطہ پڑتا ہے جو اسکے اسلام اور ایمان کو داغدار کر دیتے ہیں جیسے شرک جلی اور شرک خفی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ایک پکے اور سچے مومن کی یہ تعریف بیان کی کہ لَا يُشْرِكُوْنَ، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کسی صُورت میں بھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتے۔ یہی معنیٰ ہے توحید کو اپنے اعمال میں سمونے کا۔ اِس سے اعمال سنورتے اور نفع بخش ثابت ہوتے ہیں شارح کا کہنا ہے کہ اعمال میں یہ جِلا اس وقت پیدا ہو گا جب انسان شرک اصغر سے دامن بچائے رکھے رہا شرک اکبر اس وقت ایسی بات نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس سے انسان سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتا اس بات کو تم خود ہی سوچ لو

حافظ ابن کثیرؒ زیر بحث آیت وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے بلکہ اس کی توحید کا اقرار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

عن حصین بن عبد الرحمٰن قال : كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بنِ جُبَيرٍ فقال. أَيُّكُمْ رَأَى الْكَوْكَبَ الَّذِيْ انْقَضَّ الْبَارِحَةَ ؛ فَقُلْتُ أَنَا ثُمَّ قُلْتُ : أَمَا إِنِّي لَمْ أَكُنْ فِي صَلٰوةٍ وَ لٰكِنِّيْ لُدِغْتُ - قَالَ فَمَا صَنَعْتَ؟

حصین بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت سعید بن جبیر کے پاس تھا کہ سعید کہنے لگے،
آج رات ستارے کو ٹوٹتے ہوئے تم میں سے کس نے دیکھا ہے؟
حصینؒ نے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نماز میں مشغول نہ تھا بلکہ مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا تھا جس کی مجھے سخت تکلیف تھی۔
انہوں نے کہا پھر تم نے کیا کیا؟

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَحَدٌ — اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک اور
صَمَدٌ وَ لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ — بے نیاز ہے، نہ اُسکی بیوی ہے
لَا وَلَدًا وَاَنَّهٗ لَا نَظِيْرَ لَهٗ — نہ اولاد اور نہ اُسکی کوئی نظیر ہی ہے۔

قولہٗ : عن حصین بن عبد الرحمٰن
یہ سلمی تھے، ان کی کنیت ابوالہذیل ہے۔ کوفہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ثقہ راویوں میں سے تھے۔ تبع تابعی تھے۔ ۹۳ سال کی عمر پاکر ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے۔

قولہٗ : سعید بن جبیر
یہ بہت بڑے امام اور فقیہہ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے

قُلْتُ إِرْتَقَيْتُ : قَالَ فَمَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ ؟
قُلْتُ : حَدِيْثٌ حَدَّثَنَاهُ الشَّعْبِيُّ۔ قَالَ مَا حَدَّثَكُمْ ؟

انہوں نے کہا میں نے جھاڑ پھونک سے کام لیا۔ انہوں نے کہا یہ کیوں ؟
میں نے کہا شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک حدیث کی بنا پر۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا حدیث ہے جو انھوں نے بیان کی؟

تھے۔ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت نقل کرتے ہیں کوفی تھے، قبیلہ بنو اسد کے غلام تھے۔ ابھی پچاس سال کی عمر کو بھی نہ پہنچے تھے کہ ۹۵ھ میں حجاج کے سامنے شہید کر دیے گئے۔

اِنْقَضَّ کے معنی ٹوٹ کر گرنا۔

اَلْبَارِحَةَ : گزری ہوئی قریب ترراتوں کو کہتے ہیں یعنی سابقہ رات۔ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ اور رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ میں فرق بیان کرتے ہوئے حضرت ابوالعباس ثعلب وغیرہ کا کہنا ہے کہ:

"رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ زوالِ شمس سے پہلے کہا جاتا ہے، رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ کا اطلاق زوالِ شمس کے بعد ہوتا ہے۔"

اَلْبَارِحَةَ کا لفظ بَرِحَ سے مشتق ہے جس کے معنی زوال کے ہیں۔

قولہ : اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَكُنْ فِيْ صَلٰوةٍ

یہ قول حضرت حصینؒ کا ہے، حضرت حصینؒ نے اِس بات کی تصریح اس بنا پر ضروری سمجھی کہ حاضرین اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ میں نے نماز کی حالت میں یہ منظر دیکھا۔ اسلیے عبادت کے وہم کو دور کر دیا۔ اسلاف میں کسرِ نفسی اور اخلاص کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے کہ وہ اپنے آپ کو ریاء اور خودستائشی سے بچائے رکھتے اور ایسی نیکی جو اُن میں نہ ہوتی اس میں تصنع سے دُور رہتے۔

قُلْتُ حَدَّثَنَا

عَنْ بُرَيْدَةَ ابْنِ الْحُصَيْبِ أَنَّهُ قَالَ لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ قَالَ قَدْ أَحْسَنَ مَنِ انْتَهَى إِلَى مَا سَمِعَ۔

میں نے کہا کہ شعبی نے ہم سے بریدہ بن الحصیبؓ کی روایت سے حدیث بیان کی کہ نظرِ بد اور کسی زہریلی چیز کے کاٹ کھانے کے سوا اور کہیں جھاڑ پھونک یا دم مفید نہیں۔ سعید نے کہا جس شخص نے جو سنا، اُسی پر اکتفا کیا اور اُسی پر عمل پیرا رہا، تو اُس نے بہت اچھا کیا۔

قولہ : وَلٰكِنِّي لُدِغْتُ

اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ لُدِغْتُ اُس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کو زہریلی چیز جیسے سانپ یا بچھو وغیرہ کاٹ لے اور زہر جسم میں سرایت کر جائے۔

قولہ : اِرْتَقَيْتُ۔

یعنی میں نے دم کیا۔

صحیح مسلم میں اِسْتَرْقَيْتُ کا لفظ ہے۔ یعنی میں نے ایک آدمی کو بلایا جو مجھے دم کرے۔

قولہ : فَمَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ تم نے ایسا کیوں کیا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ انسان کسی سے اس کے مذہب کی صحت پر دلیل مانگ سکتا ہے۔

شعبی کا نام یہ ہے :

عامر[1] بن شراحیل الہمدانی۔ رحمہ اللہ

---

[1] امام شعبی رحمہ اللہ نے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی مگر ان سے سماع نہیں کیا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہ، ابن جریر رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور خلقِ کثیر سے بھی روایات نقل کی ہیں۔ شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے سفیدی میں سیاہی سے نہیں لکھا یعنی میں کچھ نہیں لکھتا تھا بلکہ حفظ پر دارو مدار رکھا

وَلٰكِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ ـ

البتہ ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُنایا کہ آپ نے فرمایا ،

یہ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴ھ میں وفات پائی

قولہ : عن بريدة رضی اللہ عنہ بضم الباء وبفتح الرا بردہ کی تصغیر

ان کا پورا نام یہ ہے :

بُرَیدۃ بن الحصیب بن الحارث الاسلمی رضی اللہ عنہ

جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں۔ ابن سعد کے قول کے مطابق ۶۳ھ میں فوت ہوئے۔

قولہ : لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْحُمَةٍ

امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اس حدیث کو مرفوعًا روایت کیا ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے عمران بن حصین سے مرفوعًا نقل کیا ہے۔ الہیثمی کے بیان کے مطابق روایت احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

اَلْعَیْنُ : نظر بد کو کہتے ہیں۔

اَلْحُمَةُ : سانپ اور بچھو وغیرہ کے زہر کو کہا جاتا ہے۔

الخطابی رحمہ اللہ نے حدیثِ بالا کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ

لَا رُقْيَةَ اَشْفٰى وَاَوْلٰى مِنْ رُقْيَةِ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَقَدْ رَقَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَرُقِيَ

نظر بد اور زہر کے کاٹنے میں جو دم کیا جائے اس سے زیادہ شفا بخش اور بہتر دم اور کوئی نہیں۔

قولہ : قَدْ اَحْسَنَ مَنِ انْتَهٰى اِلٰى مَا سَمِعَ

یعنی علم کی جو چیز ملی اس پر عمل پیرا ہوگیا تو اس نے بہت اچھا کیا، بخلاف اس کے کہ جو جہالت

عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَ مَعَهُ الرَّهْطُ وَ النَّبِيَّ وَ مَعَهُ الرَّجُلُ وَ الرَّجُلَانِ وَ النَّبِيَّ وَ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ۔

"مجھے بہت سی اُمتیں دکھائی گئیں۔ مَیں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی نبی کے ساتھ صرف ایک یا دو ہی آدمی ہیں اور ایسے نبی کو بھی دیکھا جس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔"

کی بنا پر کسی چیز پر عمل کرتا ہے یا جس چیز کو جانتا ہے اس کو بنیادِ عمل قرار نہیں دیتا وہ گناہ گار ہے اور غلط کار آدمی ہے۔ ان الفاظ میں سلف صالحین کے علم کی فضیلت اور ان کے حُسنِ ادب کا پتہ چلتا ہے۔

قولہ : حدثنا ابن عباس رضی اللہ عنہ

یہ ہیں عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کی تھی کہ

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ [1] — اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ بوجھ اور تفسیر کا علم عنایت فرما۔

اِس دعا کی برکت سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فقاہت اور تفسیر کے امام و مقتدیٰ مانے جاتے تھے۔ انہوں نے ۶۸ھ کو طائف میں وفات پائی۔

قولہ : عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ [2]

---

[1] یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں متعدد جگہوں پر نقل کی ہے۔

[2] یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

ترمذی اور نسائی میں بروایت عبثر بن قاسم عن حصین بن عبدالرحمن یہ الفاظ ہیں۔ اِنَّ ذٰلِكَ كَانَ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اسی طرح ثابت و محفوظ ہو تو اس سے ان لوگوں کے خیال کو قوت حاصل ہوتی ہے جو تعدد اسراء کے قائل ہیں اور یہ کہ واقعہ اسراء میں بھی پیش آیا۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واقعہ اسراء کے مدینہ منورہ میں اعادے کی بات مشتبہ ہے۔

قولہ: فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ

صحیح مسلم میں اَلرَّهْطُ کی جگہ لفظ اَلرُّهَيْطُ ہے۔ یہ تصغیر ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس افراد سے کم جماعت ہو تو اُسے اَلرَّهْطُ کہتے ہیں۔

قولہ: وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالنَّبِيَّ وَلَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ

حدیث مبارک کے ان الفاظ سے اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو کثرتِ تعداد کو صحتِ مذہب کی دلیل قرار دیتے ہیں[1]

---

[1] بعض ایسے انبیاء بھی مبعوث ہوئے جن کی اطاعت ایک شخص نے بھی نہ کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (الحجر - ۱۰-۱۱)	اے محمدؐ! ہم تم سے پہلے بہت سی گذری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کے پاس کوئی رسول آیا ہو اور انھوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ نجات پانے والے افراد کی تعداد قلیل ہی ہوتی ہے اور اکثریت نے بشری تقاضوں سے مجبور ہو کر انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کی اور اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (الانعام - ۱۱۶)	اور اے محمدؐ! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمھیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں۔
وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ○ (الاعراف - ۱۰۲)	ہم نے ان میں سے اکثر میں کوئی پاس عہد نہ پایا بلکہ اکثر کو فاسق ہی پایا۔
قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ	اے نبیؐ! ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو۔ پہلے گذرے ہوئے لوگوں کا کیسا

إِذْ رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي فَقِيلَ لِي هٰذَا مُوسٰى وَ قَوْمُهُ۔

اچانک میرے سامنے ایک انبوہِ کثیر آیا، میں نے خیال کیا کہ یہ میری اُمّت ہوگی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ یہ حضرت موسٰیؑ اور اُن کی قوم ہے۔

قولہٗ : اِذْ رُفِعَ لِی سَوَادٌ عَظِیمٌ

اس سے وہ شخص یا گروہ مراد ہے جو بہت دُور سے نظر آرہا ہو۔

قولہٗ : فَظَنَنْتُ اَنَّھُمْ اُمَّتِیْ

یہ شبہ اسلیے پیدا ہوا کہ جو افراد دُور سے دکھائی دیں اُن کو پہچاننا دشوار ہوتا ہے۔ دُور سے تو صرف انسانی صورت ہی نظر آتی ہے۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْاُفُقِ۔ لیکن آپ اُفق کو دیکھیں۔ مصنّف رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس نسخے سے مصنّفؒ نے حدیث نقل کی ہے اُس میں یہ الفاظ نہیں ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

قولہٗ : فَقِیْلَ لِیْ ھٰذَا مُوْسٰی وَقَوْمُہٗ

اِس سے حضرت موسٰی بن عمران مراد ہیں جن کو کلیم الرحمان بھی کہا گیا ہے اور قوم سے ان کے متّبعین مراد ہیں جنھوں نے قوم بنی اسرائیل سے ان کی اتباع کی۔[1]

قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝ انجام ہو چکا ہے۔

(الروم - ۴۲) ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔

قرآن مجید میں اس مفہوم کی اور بھی آیات ہیں۔ نجات پانے والے اگرچہ نہایت قلیل تعداد میں ہی ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں یہی سوادِ اعظم ہیں کیونکہ تھوڑے ہوتے ہوئے بھی ان کی قدر و منزلت اللہ تعالٰی کے ہاں بہت بلند ہے لہٰذا مسلمان کو لوگوں کی کثرت تعداد پر دھوکا نہ کھانا چاہیے کیونکہ بہت سے لوگ انکی وجہ سے دھوکے میں آگئے حتیٰ کہ بعض اہل علم بھی جاہلوں اور گمراہ افراد کے عقائد میں گرفتار ہو گئے اور کتاب و سنت کو پس پشت ڈال دیا

[1] حدیث کے ان الفاظ میں حضرت موسٰی علیہ السلام کے متبعین کی فضیلت کا پتا چلتا ہے جنھوں نے سابق

فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ فَقِيلَ لِي هٰذِهِ أُمَّتُكَ وَ مَعَهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَ لَا عَذَابٍ ۔

اِسکے بعد میں نے ایک بہت ہی بڑے انبوہ کو دیکھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ آپؐ کی اُمت ہے اور آپؐ کی اُمت میں ستّر ہزار افراد وہ ہیں جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔

قولہٗ : فَنَظَرْتُ

اُمّتِ محمدیہ کی اِس درجہ عظمت و توقیر اور ستّر ہزار افراد کے بلاحساب جنّت میں داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے توحید کو فکر و عمل میں سمونے کی کوشش کی۔

ابنِ فضیل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ :

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ مِنْ هٰؤُلَآءِ مِنْ أُمَّتِكَ سَبْعُونَ أَلْفًا (اے رسُولِ عربی!) آپ کی اِس اُمت میں سے ستّر ہزار افراد بلاحساب جنّت میں داخل ہونگے

نبیوں اور مُنزل من اللہ کتابوں جیسے توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن کریم کو تسلیم کیا اور ایمان لائے۔

بنی اسرائیل اختلاف سے پہلے کثیر تعداد میں تھے، ان میں انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے۔ البتہ بعثتِ انبیاءؑ کے بعد مختلف دھڑوں میں بٹ گئے۔

حدیث کے ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے پیروکار بہت زیادہ تھے۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞ دنیا بھر کے لوگوں پر انھیں فضیلت عطا کی۔

(الجاثیہ - ۱۶)

ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَخَاضَ النَّاسُ فِيْ أُولَٓئِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ وُلِدُوْا فِي الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ ذَكَرُوْا أَشْيَآءَ۔

یہ واقعات سُنا کر آں حضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ پس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ان ستّر ہزار افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ بعض کا کہنا تھا کہ یہ وُہ لوگ ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اِسلام میں پیدا ہوئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا۔ اِس کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور توجیہات بھی کیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت درج ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّهُمْ تُضِيْئُ وُجُوْهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ — ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے نظر آئیں گے۔

یہ فضیلت اِس لیے عطا کی گئی کہ ان کے دَور میں اور ان سے پہلے اتنی کثرت سے کافر تھے جن کا شمار ممکن نہیں تھا۔ جیسے جالوت اور بخت نصر وغیرہ کا گروہ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی سمجھ عطا کی اور ایمان کی دولت سے نوازا جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے دَور کے افضل ترین اشخاص متصوّر ہوتے۔ بعض لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی نافرمانی کی اور دین میں اختلاف پیدا کر دیا جس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں کی گئی ہے۔ ان ہی لوگوں کو یہودیوں کے خلاف بطور حجت ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور آپ کی نبوّت کو تسلیم نہیں کیا۔

فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوْهُ فَقَالَ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَ لَا يَكْتَوُوْنَ وَ لَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

آں حضرت ﷺ جب تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مختلف آراء کا اظہار کیا۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا بلکہ یہ وہ افراد ہوں گے جو دَم نہیں کرواتے۔ اور نہ وہ اپنے جسموں کو (بیماری میں) داغنے کے قائل ہیں اور نہ وہ فال لیتے ہیں اور وُہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

مسند احمد اور بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ

فَاسْتَزَدْتُ رَبِّیْ فَزَادَنِیْ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعِيْنَ أَلْفًا [1]

مَیں نے اپنے رب سے تعداد میں اضافے کی اِلتجا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار کا اضافہ کر دیا۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اِس حدیث کی سند جیّد ہے۔

قولہ: ثم نھض یعنی پھر اٹھ کھڑے ہوئے

قولہ: فخاض الناس الخ یعنی لوگ ان کے بارے میں بحث کرنے لگے خاض اسعضا یعنی معلوں نشلوں والے ہیں۔

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نصوصِ شرعیہ کے بارے میں حصولِ معلومات یا اظہارِ حق کی غرض سے بحث و مناظرہ کرنا جائز ہے۔

[1] اِس حدیث میں اُمتِ محمدیہ کی دوسری اُمتوں پر فضیلت واضح ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ اُمتِ محمدیہ دوسری تمام اُمتوں سے زیادہ ہوگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں اور ان کے متصل بعد یہ تعداد بکثرت تھی۔ شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئیں۔ علم و عرفان کی بارش ہوتی اور مسلمانوں نے مختلف علوم و فنون میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ یہ تینوں دور، جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے کی بشارت دی تھی، کتاب و سُنت پر عامل رہے، البتہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ عمل بالسُّنۃ کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ سلف صالحین میں جو دینی امور میں گہرائی پائی جاتی ہے اس کی وجہ اُن کا یہ احساس تھا کہ انھوں نے جو ترقی کی ہے وہ عمل کی وجہ سے ہے۔ [1]

مزید برآں اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں نیکی اور خیر کی محبت کس درجہ نمایاں تھی۔

قولہ: هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ

صحیحین میں لَا يَسْتَرْقُوْنَ ہی ثابت ہے۔ مسند احمد میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسی طرح ہے، لیکن مسلم شریف کی ایک روایت میں لَا يَرْقُوْنَ کا لفظ ضبط کیا گیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ وہ دم نہیں کرتے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَا يَرْقُوْنَ کا اضافہ راوی کا وہم ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لَا يَرْقُوْنَ کا لفظ ثابت نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُقیۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ [2] — جو شخص اپنے کسی بھائی کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہو تو اسے ضرور نفع پہنچائے۔

بلکہ ایک روایت میں تو یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ

لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا [3] — دم کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اُس میں شرک نہ ہو۔

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] اس واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس فضیلت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات پر مذاکرہ اور بحث و تمحیص کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس قسم کا مذاکرہ صرف شوقِ عمل کا نتیجہ ہوا کرتا تھا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی مسئلہ میں شرعی دلیل نہ ہو تو اس میں اجتہاد سے کام لیا جاسکتا ہے کیونکہ زیر بحث واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات بھر آپس میں مختلف آراء کی روشنی میں سوچتے رہے اور آپؐ نے کسی کو بھی بُرا خیال نہیں فرمایا۔ ہاں! یہ بات بطورِ خاص یاد رکھنے کی ہے کہ مجتہد کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے کو بلا دلیلِ شرعی دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے اور نہ ہی اس کو آخری اور فیصلہ کن قرار دے بلکہ اپنی رائے کو امکانی حد تک صحیح سمجھے اور یہ کہے کہ شاید اس بات میں شرعی حکم یہ ہو جیسے اس حدیث میں صحابہ کرامؓ نے ایسا ہی کیا ہے۔

[2] مسلم، ابن ماجہ، مسند امام احمد۔ بروایت جابرؓ

[3] مسلم، ابوداؤد۔ بروایت عوفؓ بن مالکؓ

دَم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دَم کیا۔ [1]

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ راقی اور مُسترقی میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مُسترقی تو وُہ سائل ہوتا ہے جو بصدقِ قلب غیر اللہ کی طرف مائل اور ملتفت ہو بخلاف راقی یا دَم کرنے والے کے کہ یہ بصدقِ قلب احسان کا اظہار کرتا ہے ــــــ پھر فرماتے ہیں کہ ستر ہزار افراد کی یہ صفت توکّل علی اللہ کی وجہ سے ہے کہ وہ کسی دَم کرنیوالے کے دَم اور داغ لگانے والے کے داغ کی خواہش کا اظہار بھی نہیں کرتے۔"

علامہ ابنِ قیمؒ رحمہ اللہ نے بھی اِسی مفہوم کی تائید کی ہے۔

قولہٗ : لَا یَکْتَوُوْنَ

مطلب یہ ہے کہ شفایابی کی غرض سے وہ کسی سے اِس بات کا مطالبہ بھی نہیں کرتے کہ انہیں داغا جائے جیسا کہ وہ کسی سے دَم کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کرتے، اِس لیے کہ ان کو قضائے الٰہی کے ساتھ اور مصیبت برداشت کرنے میں (جو لذت ملتی ہے ایسی لذت شفایابی کی ان تدبیروں میں حاصل نہیں ہوتی۔)

امام الموحدین العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دم کیا تھا جب آپؐ کو جادو کر دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں صراحت کے ساتھ منقول ہے۔

[2] وہ ستر ہزار افراد جو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے ان کی نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ شرک کی کسی بھی قسم میں مبتلا نہ ہوں گے اور اپنی حقیر سے حقیر ضرورت کو بھی انھوں نے غیر اللہ کے سامنے نہ رکھا، حتیٰ کہ دم کرانے اور سنگھی لگوانے تک کی پروا نہ کی۔ اِس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اُن کا اللہ پر توکّل اور بھروسہ تھا۔ اپنی مشکلات صرف خدا کے سامنے پیش کرتے تھے اور اللہ کی قضا و قدر کے علاوہ کسی کی طرف بھی ان کی توجہ نہ تھی۔ وہ صرف اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اُس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اللہ کی تقدیر اور اُس کی مرضی کے مطابق آتی ہیں لہٰذا وہ مصائب و مشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا رجوع الی اللہ منقول ہے کہ:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (یوسف - ۸۶)
اُنھوں نے کہا کہ "مَیں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔"

حامد فقی

داغ دینا خواہ خود کرے یا دوسرے سے طلب کرے ، دونوں صورتوں میں اس کا حکم برابر ہے۔"

داغ دینا فی نفسہ جائز اور مباح ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے لیے ایک طبیب کو بغرض علاج بھیجا۔

فَقَطَعَ لَهُ عِرْقاً وَكَوَاهُ	تو اُس نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک رگ کاٹ کر اُسے داغ دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرا واقعہ مکتوب ہے کہ

أَنَّهُ كُوِيَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَيٌّ	حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ذات الجنب کی وجہ سے خود کو داغ دلوایا

ایک روایت جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَوَى أَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو شوکہ (ایک قسم کی پھنسیوں کی بیماری) کی وجہ سے داغ دیا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ

اَلشِّفَاءُ فِي ثَلَاثٍ : شُرْبَةُ عَسَلٍ وَشَرْطَةُ مِحْجَمٍ وَكَيَّةُ نَارٍ وَأَنَا أَنْهَى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ وَ فِي لَفْظٍ وَمَا أُحِبُّ أَنْ أَكْتَوِيَ	تین چیزوں میں شفا ہے۔ شہد کھانے میں سنگھی لگوانے میں اور داغ دینے میں۔ لیکن میں اپنی اُمت کو داغ سے روکتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں داغ دینے کو پسند بھی نہیں کرتا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"کَیّ کی روایات چار قسم کی ہیں :

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اِس پر عمل کیا۔
- ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

○ اس کے ترک کرنے والے کی تعریف فرمائی۔

○ اِس عمل سے روکا۔

اِن روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ

ا ــــ آنحضرت ﷺ کے عمل سے اس کے جواز کا پتا چلتا ہے۔

۲۔ ناپسندیدگی دلیل منع (حُرمت) نہیں۔

۳ ــــ ترک اِس بنا پر افضل ہے کہ اِس میں توکّل کا پہلو پایا جاتا ہے۔

۴ ــــ اور اس کے روکنے سے مقصود ہے کہ اسے اپنے اختیار سے ترک کیا جائے اور اسے مکروہ بھی سمجھا جائے

قولہٗ : وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ

یعنی وہ جو جانور اور پرندوں وغیرہ سے شگون نہیں لیتے۔ اِس کی مزید تفصیل اور وضاحت "بیان الطیرۃ" میں آگے آرہی ہے۔

قولہٗ : وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

آنحضرت ﷺ نے اس اصل اور جامع بنیاد کی طرف اشارہ کیا ہے جس پر تمام افعال اور خصائل کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ ہے توکل علی اللہ یعنی سچے دِل سے اللہ کی طرف رُجوع ہونا، اس کی ذات پر کامل اعتماد و یقین رکھنا۔ توحید کا یہی وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں سے محبّت، خوف و رجاء اور اللہ تعالیٰ کو ربّ اور الٰہ تسلیم کرنے کے سوتے پھُوٹتے ہیں اور جہاں قضائے الٰہی کے فیصلوں پر اظہارِ خوشی کا ثمرہ مِلتا ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اِس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ بالکل ظاہری اسباب کا سہارا اختیار نہیں کرتے تھے کیونکہ ظاہری اسباب کو استعمال میں لانا تو ایک فطری اور واجبی امر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ توکل بھی تو ایک بڑے سبب کو اختیار کرنا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ (الطلاق - ۳) جو شخص اللہ پر توکّل کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے لیے کافی ہے۔

بلکہ توکل کا صحیح مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مکروہ افعال و اعمال کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بھی ان کو بروئے کار نہیں لاتے اور صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کہ وہ انکو کافی ہے مراد یہ ہے کہ وہ

اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور حاجت کے باوجود مکروہ کاموں سے گریز کرتے ہیں جیسے اکتواء اور استرقاء یعنی داغ لگوانا اور دم کروانا ان کاموں کو صرف اس بناء پر چھوڑ دیا کہ وہ مکروہ ہیں حالانکہ مریض تو ہر اس چیز سے فائدہ اٹھانے کو تیار ہو جاتا ہے جسے وہ اپنی شفا کا سبب سمجھ بیٹھا ہے خواہ وہ حقیقت میں مکڑی کے جالے کے برابر ہو البتہ مرض سے شفاء یابی کے لیے ان اسباب و وسائل کو بروئے کار لانا جن میں کوئی کراہت نہ ہو تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ عین توکل ہے ایسے اسباب کو چھوڑ دینا کوئی دین کی بات نہیں کیونکہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ	اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے
اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً	اُس کی شفا بھی نازل فرمائی ہے۔
عَلِمَهٗ مَنْ عَلِمَهٗ وَجَهِلَهٗ	بعض کو معلوم ہو سکا اور بعض کو نہیں
مَنْ جَهِلَهٗ	معلوم ہو سکا۔

مسند احمد میں حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا کہ چند اعرابی حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

اَنَتَدَاوٰی ؟	کیا ہم علاج کیا کریں؟
قَالَ : نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ !	آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اے اللہ کے بندو!
تَدَاوَوْا : فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ	علاج کرایا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر
لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ	بیماری کے لیے کوئی نہ کوئی دوا ضرور
لَهٗ شِفَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ	نازل فرمائی ہے سوائے ایک مرض کے
قَالُوْا : وَمَا هُوَ ؟	انہوں نے عرض کی کہ وہ کونسا مرض ہے
قَالَ : اَلْهَرَمُ	جسکا کوئی علاج نہیں؟ آپؐ نے فرمایا بڑھاپا

اس مقام پر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

مندرجہ بالا احادیث سے اسباب کو بروئے کار لانا اور علاج کے لیے کوشاں ہونا ثابت ہوا اور جو لوگ اسباب کے قائل نہیں ان کی تردید ہوتی ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوائی استعمال کرنے کا حکم ہے اور کہ یہ کوشش توکل کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ بھوک اور پیاس کو ختم کرنے کے لیے کھانا پینا اور گرمی، سردی سے بچاؤ کے لیے موسم کے مطابق کپڑے وغیرہ پہننا توکل کے

خلاف نہیں بلکہ توحید بھی مکمل تب ہوگی جب کہ ان اسباب کو اپنایا جائے جن کو اللہ تعالےٰ نے شرع اور تقدیر کے مطابق مقرر کر رکھا ہے

جو لوگ اسباب کو ترک کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ لبا اوقات ان کے توکل میں خلل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ دوسری طرف اسرار حکمت میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں کمزوری کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کو ترک کر دینا توکل سے زیادہ قریب ہے۔ اور ترک اسباب ایسی عاجزی کا نام ہے جو ایسے توکل کے سراسر منافی ہے جو درحقیقت دل میں اعتماد علی اللہ کا نام ہے جس سے دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے میں انسان کو مدد ملتی ہے اور وہ دین و دنیا میں فساد سے محفوظ رہتا ہے اور اس اعتماد کے لیے اسباب کو بروئے کار لانا انتہائی ضروری ہے جو شخص اسباب کو چھوڑ جاتا ہے گویا اس نے حکمت و دانائی اور شریعت کو چھوڑ دینے کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

پس انسان کو چاہیئے کہ وہ اسباب سے عاجزی کر کو توکل نہ سمجھ بیٹھے اور نہ توکل کو عاجزی سمجھے۔

علاج کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا علاج

۱ ـــــ مُباح ہے ؟ یا

۲ ـــــ ترکِ علاج افضل ہے ؟ یا

۳ ـــــ یہ مستحب ہے ؟ یا

۴ ـــــ واجب ہے ؟

○ امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ علاج کرانا مباح ہے، ان کی دلیل مندرجہ بالا احادیث ہیں۔

○ شافعیہ کے نزدیک ترکِ علاج افضل ہے۔ اس کی تفصیل امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھی ہے اور کہا ہے کہ مشہور سلف کا مسلک یہی ہے اور اسی مسلک کو الوزیر ابوالمظفر رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے۔

○ امام ابُو حنیفہ رحمہ اللہ علاج کی تاکید کرتے ہیں بلکہ وہ وجوبِ علاج کے قائل ہیں۔

○ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک علاج کرانا یا نہ کرانا دونوں برابر ہیں۔ ان کا اس بارے میں قول یہ ہے کہ :

لَا بَأْسَ بِالتَّدَاوِیْ وَلَا بَأْسَ بِتَرْکِهٖ ۔۔۔ علاج میں کوئی مضائقہ نہیں اور ترکِ علاج میں بھی حرج نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

فَقَامَ عُكَّاشَةُ بنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ أُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ أَنْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ أُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

عکاشہ بن محصنؓ نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تُو ان میں سے ہی ہے۔ اِس کے بعد ایک دُوسرے صحابی نے عرض کیا کہ میرے لیے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے عُکاشہؓ بازی لے گیا۔

امر ہے کہ" جمہور ائمہ کے نزدیک علاج کرانا واجب نہیں ہے، البتہ چند اصحابِ امام شافعی رحمۃ اللہ اور اصحابِ امام احمد رحمۃ اللہ نے علاج کو واجب قرار دیا ہے۔"

قولہٗ : فقام عکاشہ بن محصن :

عُکّاشہ بن محصن بن حُرثان الاسدی رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نام سابقین الاولین میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بہت خوبصورت جوان تھے۔ انھوں نے جنگِ بدر میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے تھے اور ان کو ہجرت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب مُرتدّین سے جنگ کی تو یہ اُس جنگ میں طلیحۃ الاسدی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ طلیحۃ الاسدی کی خوش قسمتی دیکھیے کہ یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں قادسیہ کی جو مشہور جنگ لڑی گئی اُس میں واقعہ جسر کے موقع پر شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم

قولہٗ : أُدْعُ اللهَ

صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ [1] — آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! عکاشہ رضی اللہ عنہ کو ان میں سے کر دے۔

اِس روایت میں اپنے سے فضل انسان سے دعا کرانے کی ترغیب ہے۔

قولہ : ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ اٰخَرُ

متنِ حدیث میں مُبہم لفظ استعمال ہوا ہے۔ کسی خاص شخص کا نام نہیں لیا گیا۔ ہمیں اس شخص کا نام تلاش کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

قولہ : فَقَالَ : سَبَقَكَ بِهَا عُكَاشَةُ

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِس دُوسرے شخص کے احوال و اعمال حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ جیسے نہ تھے، اِسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اسے جواب نہیں دیا۔

اگر آنحضرت ﷺ اسکی درخواست بھی منظور فرما لیتے تو حاضرینِ مجلس میں سے ہر شخص یہی درخواست پیش کرتا اور اِس طرح یہ سلسلہ طوالت اختیار کر لیتا۔ آنحضرت ﷺ نے یہیں پر بات ختم کر دی۔

مصنّف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"آنحضرت ﷺ نے اس دُوسرے شخص کے جواب میں تورِ معنی کلام سے کام لیا ہے اور یہ آنحضرت ﷺ کے خُلقِ عظیم پر دال ہے۔"

---

[1] رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعائیہ کلمات سے ثابت ہوا کہ زندہ شخص کا کسی کی شفاعت کرنا یہ ہے کہ وہ اس کے لیے دُعا کرے۔ البتہ وفات کے بعد وہ شخص مجبورِ محض ہو جاتا ہے پس جو شخص کسی فوت شدہ یا غیر حاضر شخص سے سوال کرتا ہے تو اُس نے ایسے شخص سے مانگا ہے جس کے دینے کی اِسے قدرت و طاقت نہیں ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے مدد طلب کرتا ہے جس کی اُسے طاقت نہیں ہے۔ تو گویا سائل نے اُس کو اللہ کا شریک بنا دیا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرکین عرب کیا کرتے تھے۔ اللہ کریم ان ہی کے بارے میں فرماتا ہے کہ :

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ-٢٢) — پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدِمقابل نہ ٹھہراؤ۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا اور تم سے پہلے لوگوں کا خالق و رازق ہے۔ اسی نے اپنے ظاہری و باطنی انعامات سے تمھیں نوازا ہے لہٰذا اس کے علاوہ کسی کی طرف مت جھکو اور ہر قسم کی عبادت خواہ قلیل ہو یا کثیر وہ خالص اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: مَعْرِفَةُ مَرَاتِبِ النَّاسِ فِي التَّوْحِيدِ۔

① توحید کے بارے میں لوگوں کے درجات کی معرفت۔

الثانیۃ: مَا مَعْنٰى تَحْقِيقِهِ۔

② توحید کی تحقیق یا اس کو زندگی میں سمونے کے کیا معنیٰ ہیں؟

الثالثۃ: ثَنَاءُهُ سُبْحَانَهُ عَلٰٓى إِبْرَاهِيمَ بِكَوْنِهِ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

③ اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اِس بات پر تعریف کرنا کہ اُن کا دامن شرک سے آلودہ نہ تھا۔

الرابعۃ: ثَنَاءُهُ عَلٰى سَادَاتِ الْأَوْلِيَاءِ بِسَلَامَتِهِمْ مِنَ الشِّرْكِ۔

④ اونچے درجے کے اولیائے کرامؒ کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی کہ اُن کا دامن شرک سے پاک ہے۔

الخامسۃ: كَوْنُ تَرْكِ الرُّقْيَةِ وَ الْكَيِّ من تَحْقِيقِ التَّوْحِيدِ۔

۵ دَم کرانے اور داغ دِلوانے کو چھوڑ دینا توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے میں شامل ہے۔

السادسۃ كَوْنُ الْجَامِعِ لِتِلْكَ الْخِصَالِ هُوَ التَّوَكُّلُ۔

۶ اِن اوصاف کا حامل ہونا ہی توکّل ہے۔

السابعۃ عُمْقُ عِلْمِ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم لِمَعْرِفَتِهِمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَنَالُوا ذٰلِكَ إِلَّا بِعَمَلٍ۔

۷ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علم و معرفت کی گہرائی اِس بنا پر تھی کہ وہ اِسے عمل کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

الثامنۃ حِرْصُهُمْ عَلَى الْخَيْرِ۔

۸ اِس سے اعمالِ صالحہ کے لیے اُن کی حرص و محبّت کا پتا چلتا ہے۔

التاسعۃ فَضِيلَةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالْكَمِّيَّةِ وَالْكَيْفِيَّةِ۔

۹ اُمّتِ محمّدیہ کی اِس فضیلت کا علم ہوتا ہے کہ وہ رفعتِ درجات اور کثرتِ تعداد کے لحاظ سے تمام اُمّتوں سے افضل ہے۔

العاشرۃ فَضِيلَةُ أَصْحَابِ مُوسٰى۔

۱۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت کی فضیلت اور شرف

الحادیۃ عشرۃ عَرْضُ الْأُمَمِ عَلَيْهِ عليه السلام

۱۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام انبیائے کرام کی اُمّتوں کا پیش کیا جانا۔

الثانیۃ عشرۃ: أَنَّ كُلَّ أُمَّةٍ تُحْشَرُ وَحْدَهَا مَعَ نَبِيِّهَا۔

⑫ یہ کہ میدانِ حشر میں تمام اُمتیں اپنے اپنے انبیا کے ساتھ ہوں گی۔

الثالثۃ عشرۃ: قِلَّةُ مَنِ اسْتَجَابَ لِلْأَنْبِيَاءِ۔

⑬ انبیاء کی دعوت کو عام طور پر کم ہی لوگوں نے قبول کیا۔

الرابعۃ عشرۃ: أَنَّ مَنْ لَّمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ يَأْتِي وَحْدَهُ۔

⑭ جس نبی کو کسی شخص نے بھی تسلیم نہیں کیا وہ اکیلا ہی دربارِ الٰہی میں پیش ہوگا۔

الخامسۃ عشرۃ: ثَمَرَةُ هٰذَا الْعِلْمِ وَ هُوَ عَدَمُ الْإِغْتِرَارِ بِالْكَثْرَةِ وَ عَدَمُ الزُّهْدِ فِي الْقِلَّةِ۔

⑮ علمِ صحیح کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان کثرتِ تعداد پر غرّہ نہ کرے اور قلّتِ تعداد سے پست ہمّت نہ ہو۔

السادسۃ عشرۃ: أَلرُّخْصَةُ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَةِ۔

⑯ بچھو اور سانپ وغیرہ موذی چیزوں کے زہر اور نظرِ بد سے دَم کرانے کی رخصت۔

السابعۃ عشرۃ: عُمْقُ عِلْمِ السَّلَفِ لِقَوْلِهٖ

(قَدْ اَحْسَنَ من انتهٰی إلیٰ ما سمع ولٰکن کذا و کذا) فعلم ان الحدیث الاوّل لا یخالف الثّاني۔

⑰ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ "قَدْ اَحْسَنَ من انتھٰی الی ما سمع" سلفِ اُمّت کے تبحّرِ علمی کی نشان دہی ہوتی ہے کہ پہلی حدیث دوسری حدیث کے خلاف نہیں۔

الثامنۃ عشرۃ بُعْدُ السَّلَفِ عَنْ مَدْحِ الْإِنْسَانِ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ

⑱ سلف صالحین کا بلا استحقاق کسی کی مدح وستائش سے دُور رہنا۔

التاسعۃ عشرۃ قوله : " أَنْتَ مِنْهُمْ " عَلَمٌ مِّنْ أَعْلَامِ النُّبُوَّةِ۔

⑲ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "اَنْتَ مِنْهُمْ" آپ کی علاماتِ نبوّت میں سے تھا۔

العشرون فَضِيْلَةُ عُكَّاشَةَ۔

⑳ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا علم۔

الحادیۃ والعشرون إِسْتِعْمَالُ الْمَعَارِيْضِ۔

㉑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذومعنی کلام استعمال کرنا

الثانیۃ والعشرون حُسْنُ خُلُقِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم

㉒ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ خلق۔

باب

الخوف من الشرک

اِس باب میں اِس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ شِرک سے ڈرنا ضروری ہے

قول اللہ تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۔ (النساء : ٤٨)

اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دُوسرے جس قدر گناہ ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔

قولہٗ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اطلاع دی ہے کہ جو شخص خدا سے بحالت شرک ملا اللہ تعالیٰ اُسکی مغفرت نہیں کریگا۔

قولہٗ: وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ

یعنی شرک کے علاوہ اُس نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اگر اللہ چاہے گا تو انکی مغفرت فرمادے گا۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک شرک اعظم الذنوب ہے۔ کیونکہ اُسکا یہ فرمان ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں توبہ کیے بغیر مر گیا اُس کی مغفرت نہیں ہو گی البتہ شرک کے علاوہ تمام گناہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ اس کے مرتکب کو چاہے تو معاف فرمادے اور اگر چاہے تو اس کی وجہ سے اُسے عذاب دے۔ زیر نظر آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو شرک سے بہرحال انتہائی طور پر ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک تمام قبیح افعال سے زیادہ قبیح اور تمام ظلموں میں سب سے بڑا ظلم ہے اور یہ ایسا مکروہ عمل ہے جو ربّ العالمین کی ذاتِ اقدس میں نقص اور عیب نکالتا ہے اور وہ تمام کام جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص تھے، شرک کی وجہ سے اُن کی نسبت دُوسروں کی طرف ہو گئی اور خداوند تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی دُوسرا پیش کرنا پایا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝ (الانعام - ١)

پھر بھی وہ لوگ جنھوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، دوسروں کو اپنے ربّ کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں

اِس وجہ سے بھی یہ بدترین فعل ہے کہ یہ خلق و امر کے بنیادی مقاصد کے سراسر منافی ہے اور ہر اعتبار سے خلاف ہے۔ شرک کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بُغض وعناد اور کینہ رکھا جائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے کِبر و بغاوت کا اظہار کیا جائے۔ اُس کے سامنے اپنے آپ کو گرانے اور مطیع ہونے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، جب کہ اِس کا حق صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔ پوری انسانیت کی بہتری اور بھلائی اِس میں ہے کہ اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ جب زمین اللہ کی اطاعت سے خالی ہو جائے گی تو اِس میں فساد برپا ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِى الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ " (صحیح مسلم)...	قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ زمین میں "اللہ اللہ" کہنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

شرک اِس لیے بھی بدترین فعل ہے کہ اِس سے خالق اور مخلوق کے درمیان تشبیہ پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام خصوصیاتِ الُوہیّت میں یکتا ہے۔

کِسی سے خوف یا اُمید ہو تو اَللہ،
توکّل کرے تو اَللہ پر
اَور اِسی طرح کی ہر قِسم
اکیلے خُدا کے لیے ہو

یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اب اگر کوئی شخص دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، دوسروں سے ڈرتا ہے اور دوسروں پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہ گویا مخلوق کو خالق کے ساتھ ملا دینے کی کوشش کرتا ہے اور تشبیہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

یعنی ایسے شخص کو خدا قرار دے لیتا ہے جو

- نہ تو اپنی جان کو نفع پہنچا سکتا ہے،
- نہ اپنی جان کو نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے،
- نہ اُسے موت پر اختیار ہے،
- اور نہ زندگی پر دسترس۔

- اور نہ اُسے اِس پر قدرت ہے کہ خود بخود مرنے کے بعد جی اُٹھے۔

ایسی کمزور اور بے بس مخلوق کو اس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا جو

- تمام طرح کی ستائش کا سزا وار ہے۔
- جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔
- جس کی زمین و آسمان میں بادشاہت ہے۔
- اور جس کے ہاں ہر شے کو بالآخر لوٹنا ہے۔
- اُسی کے قبضہ و قدرت میں ہر طرح کی بھلائی اور خیر ہے۔
- تمام معاملات پر کنٹرول رکھتا ہے اور ان کا مرجع بھی وہی ہے
- وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا۔
- وہ جِسے دینا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا
- اور جِس سے کسی نعمت کو روک لے اُسے کوئی دے نہیں سکتا۔
- جب وہ لوگوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے تو اُسے بند کرنے والا کوئی نہیں ہے۔
- اور جس کے لیے بند کر دے تو اُس کے لیے کھولنے والا کوئی نہیں۔
- وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔

پس جو فی نفسہٖ عاجز، مسکین اور فقیر ہو، اس کو اُس ذات سے تشبیہ دینا جو بذاتِ خود قادر اور غنی ہو، یہ انتہا درجے کی بُری تشبیہ ہے۔

اِللہ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام وجوہ سے کامل ترین ذات ہو جس میں کسی طرح کوئی نقص نہ ہو۔ یہی وُہ اعلیٰ صفت ہے جس کی بنا پر وہ تمام عبادات کا تنہا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تعظیم و توقیر، خشیّت و دعاء، رجاء و انابت، توکل و توبہ، استعانت اور انتہائی محبت و شفقت، کمال تضرع و تذلل کے ساتھ، عقل، فطرت اور شرع کا یہ تقاضا ہے کہ یہ تمام چیزیں بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی کو زیب نہیں دیتیں۔

جس کم عقل نے یہ صفات کسی مخلوق میں سمجھیں اُس نے غیر اللہ کو ایسی ذات سے تشبیہ دی جس کے کوئی مشابہ اور ہم پلّہ نہیں اور جس کا کوئی شریک ہے نہ نظیر ہے۔

وقال الخليل علیہ السلام: وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝
(ابراھیم: ۳۵)

اور مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچا۔

ان ہی امور کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ وہ شرک جیسے بدترین عمل کو ہرگز نہ بخشے گا۔ باوجود اس کے کہ وہ اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے چکا ہے۔

علّامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام کا بھی یہی مفہوم ہے۔

زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں خوارج کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وُہ کافر ہے۔ معتزلہ کا بھی ردّ ہوتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ جہنّم میں رہے گا۔ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کو نہ مومن کہو نہ کافر۔

آیت وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ کو توبہ کرنے والے شخص پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شرک سے توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بخشا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ	کہدیجئے اے میرے بندو! جنھوں نے
أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا	اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ
تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ	کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔
إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ	یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر
جَمِيعًا ۚ (الزمر - ۵۳)	دیتا ہے۔"

اِس آیتِ کریمہ میں عام اور مطلق گناہ مراد ہیں کیونکہ یہاں توبہ کرنے والا شخص مراد ہے۔

اور اُوپر والی آیت إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ کو خاص کرنے کے بعد معلق یعنی مشروط رکھا۔ اس سے وُہ شخص مُراد ہے جس نے توبہ نہیں کی۔

(یہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارت کا خلاصہ ہے)

قولہ قَالَ الْخَلِيلُ علیہ السلام وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ:

آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اصنام کی عبادت سے بچائے رکھنا اور ہمیں اصنام کی عبادت سے دُور رکھنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کی اولاد کو اصنام کی عبادت سے صرف دُور ہی نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔

اِس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصنام کے بارے میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ — ان اصنام نے بہت سی مخلوق کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے۔

لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا چاہیے مبادا ان کی وجہ سے اس دَور میں بھی یہ گمراہی نہ پھیل جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں اصنام ہی کی وجہ سے لوگ راہِ راست سے بھٹکتے رہے۔

جب انسان کو اِس صورتِ حال کا یقین ہو جائے کہ اصنام کی وجہ سے ہی لوگ شرکِ اکبر کی بیماری کا شکار ہوتے تھے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ وُہ اِس میں گرفتار ہونے سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور ہمیشہ اِس گناہ سے ڈرتا رہے جس کو اللہ نے معاف نہ کرنے کا اِعلان فرمایا ہے۔

ابنِ جریر رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ابراہیم التیمی کا یہ قول روایت کیا ہے کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اِس قول کے بعد کون ہے جو کہ (وقوعِ شرک کی) آزمائش سے بے خوف رہ سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک کی آفت سے وہی شخص بے خوف ہو سکتا ہے جو اس کی سنگینی سے بے خبر ہو اور وہی شخص شرک اور اِس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ کی کتاب اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات کا علم ہو اور توحید کے اسرار و رموز اُس کے سامنے ہوں اور اُسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلمِ عظیم کے نام سے پکارا ہے۔

صَنَمٌ : پتھر وغیرہ سے بنائی ہوئی تصویر کو صنم کہتے ہیں۔

وَثَنٌ : جو صرف تصویر ہو اسے وثن کہتے ہیں۔ امام طبری نے حضرت مجاہد سے یہی فرق ذکر کیا ہے۔

صنم کو وثن سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ:

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ — اللہ تعالیٰ کے سوا تم بتوں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا۔

www.KitaboSunnat.com

اِفْكًا — گھڑتے ہو۔

وثن عام ہے۔ ہر صنم کو وثن کہا جا سکتا ہے۔ قبر بھی وثن میں داخل ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے طویل حدیث کا ایک حصہ نقل فرمایا ہے۔ یہ روایت مسند احمد کی ہے۔

پوری حدیث مسند احمد، طبرانی اور بیہقی میں موجود ہے۔ پوری حدیث مع سند کے یہ ہے۔

"حدثنا یونس حدثنا لیث عن یزید یعنی ابن الهاد عن عمرو عن محمود بن لبید ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال:

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ	مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ
عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ	اور ڈر شرکِ صغر کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
قَالُوْا وَ مَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟	نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
يَا رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)	شرکِ اصغر کیا ہے؟
قَالَ: اَلرِّيَاءُ	آپ نے فرمایا کہ ریاء، اور دکھلاوے کو شرکِ
يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	صغر کہتے ہیں۔ قیامت کے دن جب اللہ کریم
اِذَا جَازَى النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ،	اپنے بندوں کو جزا و سزا کا حکم سنائے گا تو
اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ	کہے گا کہ اے ریاکارو! جن کو خوش کرنے
تُرَاءُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا	کیلئے تم عمل کرتے تھے ان سے جا کر جزاء
هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً	حاصل کرو اور وہاں جا کر دیکھو کیا تمہیں اجر ملتا ہے؟

اس روایت کی سند میں محمود بن لبید رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں امام منذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نقل کرنا ثابت نہیں ہے۔

ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری رح نے کہا ہے۔

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شمار ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ کی بات کو ابن عبدالبر اور ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ نے ترجیح دی ہے۔

طبرانی نے جید اسناد سے محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے احادیث نقل کی ہیں۔

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ ۹۹ برس کی عمر پا کر ۹۶ھ یا ۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

وفی الحدیث: "أَخْوَفُ مَآ أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ فَسُئِلَ عَنْهُ فَقَالَ: الرِّيَاءُ"

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے۔ شرکِ اصغر کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ ریا ہے۔

قولہٗ أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر۔

زیرِ بحث حدیث میں رحمتِ دو عالم ﷺ کی شفقت، محبت اور مخلوقِ خدا سے رحمت اور بالخصوص اپنی اُمتِ مرحومہ پر شفقت کا پتا چلتا ہے کہ آپؐ کو اُمت کے ساتھ کس قدر پیار تھا۔ بھلائی اور خیر کے ہر کام کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی اور اُمت کی رہنمائی فرمائی۔ شر کے ہر کام کی وضاحت فرمائی اور اس سے باز رہنے کا حکم دیا جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے ایک صحیح حدیث میں وارد ہے

مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے جس رسول کو بھی مبعوث فرمایا اسکی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اُمت کو جس بھلائی کا بھی اسے علم ہو اپنی اُمت کو اس سے آگاہ کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مقام اور اُن کے کمالِ علم اور قوتِ ایمانی کے باوجود جب ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو شرکِ اصغر کا خطرہ تھا تو ان نفوسِ قدسیہ کے بعد آنے والے مسلمانوں پر شرکِ اصغر یا اس سے بڑے شرک کا خوف کیوں نہیں کھائیں گے۔ جبکی علمی حیثیت بھی کمزور ہے اور خصوصًا دورِ حاضر کے علماء کا تو یہ حال ہے کہ وہ توحید کو بس اتنا ہی سمجھتے ہیں، جتنا کہ مشرکینِ عرب نے سمجھا تھا۔ یہ لوگ اِس حقیقت سے نا آشنا ہیں کہ کلمۂ اخلاص (یعنی لَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ) نے ہر طرح کے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے۔

اَبُو یعلیٰ اور ابن المنذر نے عن حذیفہ بن الیمان عن ابی بکر الصدیق ایک روایت نقل کی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

أَلشِّرْكُ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ — شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ (رواه البخاري)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں آں حضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص غیر اللہ کو پکارتے پکارتے مرگیا وہ جہنّم میں داخل ہوگا۔

النَّمْلِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! (ﷺ) وَ هَلِ الشِّرْكُ اِلَّا مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْ مَا دُعِيَ مَعَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ - اَلشِّرْكُ فِيْكُمْ اَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ربِ کریم کے علاوہ کسی کی عبادت یا اس کے علاوہ کسی کو پکارنے کے بغیر بھی کوئی شرک ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تجھے تیری ماں گُم پائے، شرک چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہے۔

آگے چل کر اسی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ:

اَنْ تَقُوْلَ : اَعْطَانِيَ اللّٰهُ وَ فُلَانٌ وَالنِّدُّ اَنْ يَّقُوْلَ الْاِنْسَانُ : لَوْ لَا فُلَانٌ قَتَلَنِيْ فُلَانٌ (من الدر)

یہ بھی شرک ہے کہ انسان یہ کہے کہ مجھے یہ چیز اللہ اور فلاں نے دی ہے۔ "ند" بنانا یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو فلاں شخص مجھے قتل کر دیتا۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "النِّد" شبیہ اور ہمسر کو کہتے ہیں جیسے فُلَانٌ نِدُّ فُلَانٍ وَ نَدِيْدُهٗ یعنی فلاں شخص فلاں کا مثیل اور ہمسر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ ۔۲۲) کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ، اور تم تو جانتے ہو۔

قولہ: مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يَدْعُوْا

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں شریک بنانا جیسے کسی کو پکارنا، سوال کرنا اور غیر اللہ کی دہائی دینا اور اس سے مدد طلب کرنا وغیرہ۔ ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا جو اس طرح کے شرک کا مرتکب ہوگا۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے بہت ہی خوب فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

وَ الشِّرْكَ فَاحْذَرْهُ فَشِرْكٌ ظَاهِرٌ ذَا الْقِسْمُ لَيْسَ بِقَابِلِ الْغُفْرَانِ

وَ هُوَ اتِّخَاذُ النِّدِّ لِلرَّحْمٰنِ اَيًّا كَانَ مِنْ حَجَرٍ وَمِنْ اِنْسَانٍ

يَدْعُوْهُ اَوْ يَرْجُوْهُ ثُمَّ يَخَافُهُ وَيُحِبُّهُ كَمَحَبَّةِ الدَّيَّانِ

(ترجمہ) یعنی شرک سے بچ کر رہو کیونکہ ظاہری شرک ایسی قسم ہے جو کہ قابلِ مغفرت نہیں ہے شرک یہ ہے کہ کسی کو، خواہ وہ پتھر ہو یا انسان، رحمٰن کے لیے "ند" قرار دینا اسکو پکارے، اس سے امیدیں وابستہ کرے، پھر اس سے ڈرے اور اسطرح محبت کرے جیسے اللہ سے کی جاتی ہے

غیر اللہ کو شریک قرار دینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ا۔ غیر اللہ کو تمام عبادات میں یا کسی خاص عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اس کو شرکِ اکبر کہتے ہیں۔

۲۔ دوسری قسم شرکِ اصغر[1] ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ

مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ اَوْ لَوْ لَا اللّٰهُ وَاَنْتَ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور تم چاہو گے یا اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو ...

یا ریا یا معمولی دکھلاوا وغیرہ

کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا

مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ جو اللہ تعالیٰ اور آپ چاہیں۔ آپ نے

قَالَ: اَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا فرمایا کہ تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے

---

[1] بہ نسبت پہلی قسم کے۔

ولمسلم عن جابر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اِس حالت میں موت آئی کہ اُس نے شرک نہیں کیا، تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

بَلْ مَا شَآءَ اللهُ وَحْدَهٗ — بلکہ وہی ہوگا جو صرف اللہ تعالےٰ اکیلا چاہے گا

(مسند امام احمد، ابن ابی شیبہ، الادب المفرد للبخاری، نسائی، ابن ماجہ)

زیرِ بحث حدیث میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ غیر اللہ کو ایسے معاملات اور اعمال و افعال میں پکارنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہوں، شرکِ جلی ہے جیسا کہ فوت شدہ افراد سے شفاعت طلب کرنا کیونکہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت اور اختیار میں ہے۔ اِس میں کسی غیر اللہ کو قطعًا کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں صرف اُسی شخص کو شفاعت کرنے کی اجازت دے گا جو توحید کے نِتھرے ہوئے عقیدہ پر فوت ہُوا ہو۔

اِس کی مزید تفصیل "بابُ الشّفاعۃ" میں بیان ہوگی اِن شاءاللہ۔

قولہ : عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ

جابر بن عبداللہ بن حرام الانصاری ثم السلمی رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بے شمار مناقب اور فضائل ان کی سیرت لکھنے والوں نے بیان کیے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بصارت آخر عمر میں ختم ہوگئی تھی۔ ۹۴ برس کی عُمر پاکر ۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

وَ مَنْ لَقِيَهُ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ

(رواہ البخاری)

اور جو شرک کرتے کرتے مَر گیا وہ جہنمی ہے۔

قولہٗ: مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا

اِس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"جس نے توحیدِ اُلوہیّت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا نہ پیدائش میں کسی کو شریک بنایا اور نہ عبادت میں کسی کی شرکت کو تسلیم کیا۔ شریعتِ اسلامیہ میں اہلِ سُنّت کا اِس پر اتفاق ہے کہ جو شخص شرک سے تائب ہو کر فوت ہوا وہ لازمًا جنّت میں داخل ہو گا اگرچہ دخُولِ جنّت سے پہلے اُسے مختلف قسم کے عذاب ومحن سے گزرنا پڑے۔

جو شخص شرک کی حالت میں مَرا وہ قطعًا جنّت میں نہ جا سکے گا، نہ اُس پر رحمتِ خُداوندی کا نزُول ہو گا اور ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار رہے گا۔ نہ عذاب ختم ہو گا اور نہ یہ حالت کبھی ختم ہو گی

علاّمہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اِس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

"مُشرک خواہ یہودی ہو یا نصرانی، اہلِ کتاب میں سے ہو یا وثنی۔ کسی قسم کا بھی مُشرک ہو وہ جہنّم کا ایندھن بنے گا۔ اہلِ حق کے نزدیک کسی کا کفر عنادی ہو یا غیر عنادی اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مِلّتِ اسلامیہ کی جو شخص مخالفت کرے یا مخالفت کے بعد اس پر کُفر کا اطلاق ہوتا ہو، ان میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ جو شخص شرک کے بغیر جہنّم میں جائے گا، اُسے بہرحال نجات مل جائے گی۔

جو موحد شخص کبیرہ گناہوں پر اصرار سے بچتے ہوئے فوت ہوا وہ بِلا عذاب کے جنّت میں داخل ہو گا اور جو کبیرہ گناہ پر مُصر مَرا تو وہ اللہ کی مشیّت کے تابع ہے اگر اُسے معاف کر دیا گیا تو پہلے ہی جنّت میں [illegible] ہو گا ورنہ سزا بھگت کر جنّت میں پہنچ جائے گا۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَلْخَوْفُ مِنَ الشِّرْكِ -

① شرک سے ڈرنا۔

الثانیۃ أَنَّ الرِّيَآءَ مِنَ الشِّرْكِ -

② ریاء شرک میں سے ہے۔

الثالثۃ أَنَّهُ مِنَ الشِّرْكِ الْأَصْغَرِ -

③ ریاء شرکِ اصغر ہے۔

الرابعۃ أَنَّهُ أَخْوَفُ مَا يُخَافُ مِنْهُ عَلَى الصَّالِحِينَ -

④ نیک لوگوں پر بہ نسبت اور چیزوں کے ریا کا زیادہ خوف کیا جاتا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ:

آنحضرت ﷺ نے صرف شرک کی نفی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ عدمِ شرک توحید اور رسالت کے اثبات کو مستلزم ہے۔

جیسا کہ جو شخص رسولوں کو جھٹلاتا ہے گویا وہ اللہ کی تکذیب کرتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی وہ مشرک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آپ یہ کہیں کہ جس نے وضو کیا اُس کی نماز درست ہے۔ جو شخص وضو کر کے باقی ماندہ شرطوں کو ملحوظ رکھتا ہوا نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔

اسی طرح حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ایمان اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا فوت ہوا تو وہ جنتی ہے " جہاں اجمال ہو وہاں اجمال اور جہاں تفصیل ہو، وہاں تفصیل ہے۔

الخامسۃ: قُرْبُ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ۔

⑤ جنّت اور دوزخ کا قریب ہونا۔

السادسۃ: اَلْجَمْعُ بَيْنَ قُرْبِهِمَا فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ۔

⑥ جنّت اور دوزخ کے قریب ہونے کو ایک ہی حدیث میں جمع کرنا۔

السابعۃ: أَنَّهُ مَن لَقِيَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ وَ مَنْ لَقِيَهُ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ أَعْبَدِ النَّاسِ۔

⑦ جو بلا شرک کیے اللہ تعالیٰ سے مِلے گا وہ جنّت میں جائے گا اور جو شرک کرتے کرتے اللہ سے مِلے گا وہ جہنّم میں جائے گا اگرچہ وہ بڑا عابد زاہد کیوں نہ ہو۔

الثامنۃ: أَلْمَسْئَلَةُ الْعَظِيمَةُ سُؤَالُ الْخَلِيلِ لَهُ وَ لِبَنِيهِ وِقَايَةَ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ۔

⑧ سب سے اہم مسئلہ یہ بیان ہُوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنے اور اپنی اولاد کے لیے دُعا کرنا کہ اُن کو اللہ اصنام کی عبادت سے محفوظ رکھے۔

التاسعۃ: إِعْتِبَارُهُ بِحَالِ الْأَكْثَرِ لِقَوْلِهِ:

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ۔

⑨ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا اکثر لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کرنا، جیسا کہ کہا اے اللہ! ان بُتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

الغاشرة

فِيهِ تَفْسِيرُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ اللّٰهُ كَمَا ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ

⑩ اس میں کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اللّٰهُ کی تفسیر وتوضیح ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

الحادية عشرة

فَضِيلَةُ مَنْ سَلِمَ مِنَ الشِّرْكِ۔

⑪ جو شخص شرک سے بچ رہا، اُس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت۔

باب

الدعاء الی شہادۃ

أن لا إله إلا الله

اس باب میں

لا إله إلا الله

کی شہادت و گواہی کے بارے میں

وضاحت مذکور ہے۔

اس باب میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کی شہادت و گواہی کے بارے میں وضاحت مذکور ہے

اس سے پہلے مصنف رحمہ اللہ نے توحید اور اُس کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور پھر شرک اور اس کے لوازم کی وضاحت کی اور یہ بتایا کہ مخالفت کی صورت میں خوف کا کیا کیا خطرہ ہے۔

اس باب میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو شخص مندرجہ بالا احکام کو سمجھ لے اور ان کو یاد کر کے ان پر عمل پیرا ہو جائے تو اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ اُسے چاہیے کہ وہ مخلوقِ خدا کو حکمت اور موعظہ حسنہ سے اللہ کی طرف دعوت دے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اُن کے متبعین کا طرزِ عمل رہا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے جب یہ آیت پڑھی کہ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ تو بے ساختہ پکار اُٹھے کہ دیکھو:

یہ ہیں اللہ کے حبیب،

یہ ہیں اللہ کے ولی،

یہ ہیں اللہ کے منتخب بندے اور

یہ ہیں جو اہلِ ارض میں سب سے زیادہ اللہ کو پیارے ہیں،

یہ ہیں جن کی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا،

یہ ہیں جو اپنی قبول شدہ دعا کی طرف مخلوقِ خدا کو بلاتے ہیں،

یہ ہیں جنھوں نے قبولیتِ دُعا کے بعد بھی عملِ صالح کا سلسلہ جاری رکھا،

یہ ہیں جنھوں نے اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کہا،

قولہ تعالیٰ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (یوسف: ۱۰۸)

تم اِن سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، مَیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ مَیں خود بھی پُوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

اور یہ ہیں زمین میں اللہ کے خلیفے اور نائب۔

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہُوئے فرمایا کہ اے محمدؐ! لوگوں کو بتا دو کہ جس دعوت کو مَیں تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور وہ طریق اور راستہ جس پر مَیں چل رہا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، صرف اللہ کی اخلاص کیساتھ عبادت بجالانا اور تمام باطل معبُودوں اور اوثان کو چھوڑ کر صِرف اللہ تعالےٰ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اس کی نافرمانی سے دامن بچاکے رہنا۔ یہی میرا راستہ اور میری دعوت کا لُبِّ لباب ہے، میں اِسی کی طرف تم کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ یہ دعوت مَیں پُوری بصیرت یقینِ کامل اور علم کی روشنی میں دے رہا ہوں۔ مَیں اور میرے پیروکار اور مجھ پر ایمان لانے والے سب اِسی دعوت کی تبلیغ کا حق ادا کر رہے ہیں۔

سُبحان اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ پاک و بے نیاز اور عظمت والا ہے اُس کی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور اُس کی سلطنت میں کوئی دُوسرا معبُود نہیں۔

وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: یعنی مَیں اہلِ شرک اور اُن کے شرکیہ عقائد اور اعمال سے بری الذمہ ہُوں، نہ میں اُن کا ساتھی ہوں اور نہ وہ میرے ساتھی ہیں۔"

صاحبِ شرح المنازل رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

اُس سے یہ مقصود ہے کہ تم اِستدلال سے علم و یقین کے اِس درجہ پر فائز ہو جاؤ جسے بصیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بصیرت میں حقیقتِ معلومہ اِسی طرح قطعی ہوتی ہے جس طرح دیکھی بھالی شے یا مرئیات امر یہ وہ خصوصیت ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بہرہ مند تھے اور یہ علماء کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔"

قولہٗ: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ:
وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ میں عطف کی دو صورتیں ہیں۔ اگر واؤ کا عطف اَدْعُوْ سے متعلق ہو تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ

"مَیں اور میرے صحابہؓ، سب بصیرت کے ساتھ دعوت اِلی اللہ میں مصروف ہیں۔"

عطف کی دونوں صُورتوں میں آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح معنوں میں تابعدار وہی ہیں جو بصیرت رکھتے ہیں اور داعی اِلی اللہ ہیں۔ جو اِن میں سے نہیں وہ حقیقت میں آپؐ کا تابعدار نہیں ہے خواہ وہ آپؐ کی طرف منسُوب یا آپ کی تابعداری کا مُدعی ہو۔"

آخر میں مصنّف رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

اِس آیتِ کریمہ سے جو مسائل سامنے آتے ہیں، وُہ یہ ہیں:

۱۔ انسان اخلاص کو کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ اکثر لوگوں کا یہ عالم ہے کہ اگرچہ وہ بزعمِ خود دعوت اِلی اللہ میں مصروف ہیں لیکن حقیقت میں اُن کی دعوت کا مرکز و محور خود اُن کی ذات ہی ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بصیرت اہم ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ توحید کی طرف بلانے کی بہترین علامت یہ ہے کہ اِس میں اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے منزّہ ٹھہرایا جائے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم
لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَهٗ

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ شرک کے بدترین اور قبیح ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اِس سے اللہ تعالیٰ بے عیب نہیں رہتا۔

۵۔ پانچویں بات یہ ثابت ہوئی کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ مشرکین سے دُور رہے، اگرچہ وہ خود شرک کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔

علّامہ ابن قیّم رحمہ اللہ آیت اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے مدعوّین کے لحاظ سے اِس آیت میں دعوت کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔

طالبِ حق، جو حق بات کو پسند کرتا اور ترجیح دیتا ہو بشرطیکہ حق بات اُسکے ذہن و قلب میں اُتر جائے۔ ایسے شخص کے ساتھ حکمت اور دانائی سے بات کرنی چاہیے، بحث اور جدال سے نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سامع باطل میں اُلجھا ہوا ہے، لیکن اگر کوشش اور محنت کے بعد حق بات اِس کی سمجھ میں آجائے تو اِسے ترجیح دے گا اور قبول کرلے گا۔ ایسے شخص کو ترغیب و ترہیب کے انداز سے نصیحت کرنی چاہیے۔
تیسری شکل یہ ہے کہ سامع مقابلے اور عناد پر اُتر آیا ہے۔ ایسے شخص کو بطریق احسن دلیل سے سمجھانا چاہیے، اگر مان جائے تو فبہا، ورنہ ممکن ہو تو مجادلہ سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔"

إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ شَهَادَةُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ۔

وَفِي رِوَايَةٍ : إِلَىٰ أَنْ يُّوَحِّدُوا اللّٰهَ

"تمھارا سامنا اہلِ کتاب سے بھی ہوگا، تمھیں چاہیے کہ سب سے پہلے اُنکو کلمہ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کی دعوت دو۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلیں"۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرتِ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنا

قولہ : لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے۔

واقدی، ایک سند کے حوالے سے، جو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے، کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے بعد ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تھا جیسا کہ طبقات ابنِ سعد میں اسی سے مروی ہے۔ لیکن اِس بات پر سب مؤرخین کا اِتفاق ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں واپس مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کے بعد شام تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب کے لیے اِتنا کہہ دینا کافی ہے کہ :

اِنَّہٗ اَتٰی اِلَی الْیَمَنِ مُبَلِّغًا عَنْہُ ﷺ وَ مُفَقِّھًا وَ مُعَلِّمًا وَ حَاکِمًا

وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اہلِ یمن کی طرف مبلغ، فقیہ، معلّم اور حاکم مقرر ہو کر گئے تھے۔

قولہٗ : اِنَّکَ تَأْتِیْ قَوْمًا مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ کیونکہ ان کی تعداد بنسبت مشرکینِ عرب کے یمن میں زیادہ (یا بہت زیادہ) تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قبل از وقت خبردار کیا تاکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اُن سے مناظرہ کیلئے تیار رہیں۔"

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ کا ارشاد گویا اِس منصب کی تیاری کے مترادف تھا۔ غرض یہ تھی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پہلے سے قلب و ذہن کو اِس ذِمہ داری کے لیے پوری طرح آمادہ اور تیار کر لیں۔"

قولہٗ : اِلٰی اَنْ یُّوَحِّدُوا اللّٰہَ

یہ روایت صحیح بخاری کتاب التوحید میں موجود ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے یہاں یہ روایت نقل کر کے واضح کیا ہے کہ اِس روایت کے مفہوم اور کلمۂ شہادت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنٰی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کیا جائے اور اِس کے علاوہ سب کی عبادت سے اِنکار کر دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جو وصیت فرمائی تھی ایک روایت کے مطابق اُس کے الفاظ یہ ہیں:

فَلْیَکُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ عِبَادَۃُ اللّٰہِ

سب سے پہلے جس چیز کی تم دعوت دو، وُہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونی چاہیے۔

دعوت الی اللہ کے معنٰی طاغوت کا اِنکار اور ایمان باللہ کا اِقرار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ	اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے
يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ	اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ	ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی
لَهَا ط (البقرہ - ۲۵۶)	ٹوٹنے والا نہیں۔

یہ مضبوط کڑی یا عُروۃ الوثقیٰ توحید ہی کا اقرار و اعتراف ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

اُدْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ	سب سے پہلے اِس بات کی دعوت دینا
اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ	اور مَیں اُس کا رسُول ہوں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اقرار اور شہادت کے لیے سات شرائط کا پایا جانا لازمی ہے کلمۂ شہادت کا اقرار کرنے والوں میں جب تک یہ شرائط نہ ہوں گی اُس وقت تک اِس کے فوائد برکات کا حصول ممکن نہیں ہے۔

۱۔ کلمۂ شہادت کا اقرار کرنے والا ایسے علم سے بہرہ مند ہو جو جہالت کی ضد ہے۔

۲۔ ایسے یقین سے آراستہ ہو جو شک سے پاک ہے۔

۳۔ ایسی پذیرائی سے مالا مال ہو جس میں تردید کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

۴۔ ایسی اطاعت اُس کو نصیب ہو جس میں شرک کا امکان نہ ہو۔

۵۔ ایسے اخلاص پر فائز ہو جس میں شرک کا کوئی پہلو نہ پایا جائے۔

۶۔ صدقِ مقال کا وہ مقام حاصل ہو کہ جس میں کِذب نہ ہو۔

۷۔ توحید سے ایسی محبّت رکھے جس میں شرک کی مخالفت پائی جائے۔

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ توحید یہ ہے کہ وہ عبادت میں اخلاص پیدا کرے اور اِس میں شرک کی ملاوٹ نہ ہونے دے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر نوع کی عبادت کو ٹھکرا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس قسم کی عبادت وہ پہلا فریضہ ہے جو مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ اسی لیے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے سب سے پہلی بات جو اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کی وہ یہی تھی کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ	صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اُس

فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَآئِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَآئِهِمْ ۔

اگر وہ توحید کا اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر اس کا بھی اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ نے ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالدار لوگوں سے وصول کر کے ان کے فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی جائے۔

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللهَ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

ان دونوں آیات کا مطلب وہی ہے جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"شریعتِ اسلامی کے مطالعہ سے بالبداہت یہ ثابت ہے، نیز ائمۂ اسلام کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کی روح یا سب سے پہلے انسان جس چیز کا مکلف اور مامور ہے وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کا اقرار ہے۔ یہی کلمہ وہ حدِ فاصل ہے جس کے اقرار کے بعد ایک کافر مسلمان کہلاتا ہے اور دشمن دوست بن جاتا ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے اقرار سے پہلے انسان کی جان اور اس کا مال مسلمانوں کے لیے جائز اور مباح تھے، اور

اس کے اقرار کے بعد اُس کی جان اور مال مسلمانوں پر حرام قرار پائے۔
کوئی شخص اگر کلمہ شہادت کا صدقِ دل سے اقرار کرے گا تو ایمان اسکے قلب میں داخل ہو جائے گا اور اُسے مومن کہا جائے گا اور اگر کسی شخص نے صرف زبان سے اقرار کیا اور دل میں اس پر یقین نہ کیا تو ایسے شخص کو بظاہر مسلمان ہی کہا جائے گا لیکن حقیقت میں وہ مومن نہ ہوگا۔
البتہ جو شخص قدرت اور طاقت کے ہوتے ہوئے اِس کلمہ شہادت کا اقرار نہ کرے، ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔ اِس پر سلف صالحین، ائمہ کرام اور جمہور محدثین کا اتفاق ہے۔"

مصنف رحمہ اللہ نے اِس باب سے جو مسائل اخذ کیے ہیں، ان میں وہ لکھتے ہیں کہ

"بعض اوقات انسان کو علم تو ہوتا ہے لیکن "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے صحیح مفہوم کی معرفت سے نابلد ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اِسکے تقاضوں پر عمل نہیں کر سکتا۔"

ایسے علماء کی اب کثرت ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تعداد نہ بڑھائے۔ آمین۔

قولہ : فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ

یعنی اِس کا اقرار کرلیں اور مان جائیں۔

قولہ : فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ

اِس فرمانِ نبوی سے پتا چلا کہ کلمہ شہادت کے اقرار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت مان لینے کے بعد سب سے بڑا کام جو ایک مسلمان کو کرنا چاہیے، وہ نماز کا ادا کرنا ہے۔ گویا شہادتین کے اقرار کے بعد نماز سب سے بڑا فریضہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ :

"کفار سے دنیا میں فرائض کا مطالبہ تو اسلام لانے کے بعد ہی کیا جائے گا البتہ وہ شریعتِ اسلامیہ کی بجا آوری میں مُسلمانوں کے ساتھ خطاب میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ ان کے انکار پر ان کے عذاب میں اضافہ ہوگا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کفار فروعِ شریعت کے ادا کرنے کے بھی مکلف

فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ ۔ اخرجاه

اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو ان کے عمدہ مال وصول کرنے سے احتراز کرنا اور مظلوم کی آہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی آہ و پکار اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

ہیں۔ اکثر اہلِ علم کا یہی مسلک ہے۔"

قولہ: فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ

اِس ارشادِ نبوی سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ، اُمراء سے لے کر فقراء میں تقسیم کر دینی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے فقراء کا خصوصی طور پر ذکر اِس لیے فرمایا ہے کہ آٹھ مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا حق مقدم اور مؤکد ہے بنسبت دُوسرے مصارف کے۔

ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ امامِ وقت ہی زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے، یا تو وہ خود وصول کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعے سے وصول کرے۔ جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اُس سے زبردستی اور سختی سے وصول کی جا سکتی ہے۔

اس حدیث سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ زکوٰۃ کو (آٹھوں قسموں میں سے) صرف ایک قسم کے لیے بھی نکالا جا سکتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔

غنی اور غیر مؤلفۃ القلوب کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مجنون اور بچے کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، جیسا کہ عمومِ حدیث کی رُو سے جمہور کا قول ہے۔

شارحِ کتاب علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فرمان کی رُو سے جب صرف فقیر،
کا لفظ بولا جائے تو اس میں مسکین بھی شامل ہوتا ہے اور اسی طرح جب صرف
مسکین کا لفظ استعمال ہوگا تو اس پر بھی فقیر کا اطلاق ہوتا ہے۔"

کرائم، جمع کریمہ کی ہے۔ یہ لفظ اُس جانور پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص اور خرابی نہ ہو مثلاً شکل وصورت میں حسین ہو، جسمانی لحاظ سے موٹا تازہ ہو، لحیم اور صاحبِ صوف بھی ہو۔ یہ نووی ؒ نے ذکر کیا ہے۔ ایسا جانور عمدہ، نفیس اور زیادہ قیمتی ہوگا۔

حدیثِ نبویؐ کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عامل کے لیے عمدہ اور نفیس جانور وصول کرنا حرام ہے اور زکوٰۃ دینے والے کو گھٹیا اور ردّی جانور دینا حرام ہے بلکہ درمیانے درجے کا مال ادا کرنا چاہیے۔ ہاں، زکوٰۃ دینے والا اگر اپنی خوشی سے عمدہ جانور پیش کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قولہٗ: وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ

اِس کا مطلب یہ ہے کہ مظلوم کی دعا کو روک دینے کے لیے ترکِ ظلم اور ادائے عدل کو سپر بناؤ۔ کیونکہ عدل وانصاف اور ترکِ ظلم، یہ دو اعمال ایسے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان دنیا اور آخرت کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اِس حدیث میں اِس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کو ظلم کی ہر نوع سے بچتے رہنا چاہیے۔

قولہٗ: فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ

فَاِنَّهٗ کی ضمیر، ضمیرِ شان ہے۔ یعنی بات یہ ہے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی ایسا پردہ یا حجاب نہیں ہے جو قبولیت دعا کو ردّ کرے۔

اِس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عادل خواہ ایک ہی ہو، اُس کی بات قابلِ عمل اور حجت ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امامِ وقت اپنے نائب کو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیج سکتا ہے۔ امام کو چاہیے کہ وہ اپنے عمّال اور نائبین کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت کرے اور ان کو ضروری تعلیمات سے بہرہ ور کرے، ظلم سے بچتے رہنے کی تاکید کرے، ظلم کے بُرے انجام سے ڈرائے۔ اپنے نائب کو یہ سمجھانا بھی ضروری ہے کہ تمام احکام بیک وقت نافذ نہ کیے جائیں بلکہ بتدریج اور آہستہ آہستہ نافذ کیے جائیں اور یہ کہ اہم معاملات اور بنیادی مسائل کو اوّلیت دے۔

زیرِ بحث حدیث میں روزے اور حج کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے اہلِ علم کو کئی طرح کے اشکال پیدا ہوئے ہیں۔ اِس سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

" بعض علمائے نے یہ جواب دیا ہے کہ:

" بعض راویوں نے حدیث کو مختصر بیان کیا ہے۔"

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ راوی کی دیانت و امانت پر حملہ ہے، اس لیے کہ اِس قسم کا اختصار وہاں واقع ہوتا ہے جہاں حدیث ایک ہی ہو۔ جیسا کہ عبدالقیس کے وفد کے بارے میں حدیث ہے جس میں بعض نے روزے کا ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔ وہ دو روایات جو مختلف سندوں سے مروی ہوں ان میں اِس قسم کا اِختصار نہیں ہوتا۔

زیرِ بحث حدیث میں جو اختصار ہے اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ جیسے جیسے احکام و فرائض نازل ہوتے گئے اسی طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے رہے۔ جیسا کہ سب سے پہلے شہادتین کا اقرار فرض ہوا، اس کے بعد نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ نماز کی فرضیّت کا حکم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِبتدائے وحی میں ہی ہو گیا تھا۔ چونکہ حج کی فرضیت تقریبًا تمام احکام کے بعد ہوئی اس لیے عام حدیثوں کی طرح اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہوا وہ تو متاخر احادیث میں مذکور رہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موقع و محل کے مطابق مسائل بیان فرمایا کرتے تھے۔

بعض مواقع پر صِرف وہ احکام بیان فرمائے جن کے تارک سے جنگ کی جاسکتی ہے جیسے نماز، زکوٰۃ۔

بعض مواقع پر صرف نماز اور روزہ کا بیان ہوا کیونکہ سامعین میں سے کسی پر زکوٰۃ فرض نہ تھی تو زکوٰۃ کا حکم بھی نہ دیا۔

بعض اوقات نماز، روزہ اور زکوٰۃ تینوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ان تینوں مقامات میں حج کا ذِکر نہیں کیا۔ اِس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ جب

یہ احکام بیان کیے گئے اُس وقت حج فرض ہی نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مخاطب اور سامع پر حج فرض ہی نہیں تو بیان کرنا بے کار تھا۔

البتہ نماز اور زکوٰۃ کا معاملہ دیگر فرائض کی نسبت بالکل جداگانہ ہے کیوں کہ ان کے تارک سے تو اللہ تعالیٰ نے قتال کرنا ضروری ٹھہرایا ہے کیونکہ ان دونوں عبادتوں کا تعلق ظاہر سے ہے لہٰذا ان کو وضاحت سے بیان کیا گیا بخلاف روزے کے، روزے کا تعلق صرف باطن سے ہے، جیسے وضو اور غسلِ جنابت وغیرہ۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن پر صرف اعتماد کیا جاسکتا ہے، کسی دوسرے کو ظاہری طور پر ان کا علم محال ہے۔ ممکن ہے کہ انسان روزہ کی نیت نہ کرے اور خفیہ طور پر کھاتا پیتا پھرے، جیسا کہ یہ ممکن ہے کہ انسان اپنی جنابت اور حدث دوسرے سے چھپا لے۔ آنحضرت ﷺ کا طریق یہ تھا کہ آپؐ ان ظاہری اُعمال کو بیان فرماتے جن کے تارک سے جنگ کی جاسکتی ہے اور ان کا اقرار کرلے تو مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز اور زکوٰۃ پر اِسلام کو موقوف رکھا اگرچہ روزہ بھی فرض تھا، جیسا کہ سورۂ براۃ کی دو آیات ہیں[1]، اگرچہ یہ آیت فرضیتِ روزہ کے بعد نازل ہوئی لیکن اِس میں روزے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اِسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی اِس رِوایت میں روزے کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی ذیل میں آجاتا ہے اور اس لیے بھی نہیں ذِکر کیا گیا کہ اس کا تعلق باطن سے ہے، اور حج کا اِس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کا وجوب خاص ہے، عام نہیں، کیونکہ عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ فرض ہے۔"

قولہٗ : اَخْرَجَاهُ اِس سے مُراد صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں۔

یہ حدیث مسند امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ میں بھی موجود ہے۔

---

[1] وہ آیات یہ ہیں:۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ براۃ ـ ۵)

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ توبہ ـ ۱۱)

و لهما عن سهل ابن سعد رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يُحِبُّهُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ.

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگِ خیبر کے دِن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں کل ایسے شخص کو پرچم دُوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول ؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسُول ؐ اُس سے محبت کرتے ہیں۔

قولہٗ : عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ : ان کا مختصر طور پر نام ونسب یہ ہے:۔

ابوالعبّاس سہل بن سعد بن مالک بن خالد الانصاری الخزرجی الساعدی رضی اللہ عنہ

حضرت سہل رضی اللہ عنہ اور اُن کے والدِ محترم حضرت سعد رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ ۸۸ھ میں فوت ہوئے۔ وفات کے وقت اُن کی عمر سو سال سے زائد تھی۔

صحیحین میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

كَانَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ خَيْبَرَ وَكَانَ اَرْمَدَ فَقَالَ : اَنَا اَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ فَخَرَجَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِيْ فَتَحَهَا اللهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْ	غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی آنکھ میں تکلیف تھی۔ پھر بولے کیا میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جاؤں؟ (ایسا نہیں ہوسکتا) چنانچہ گھر سے نکلے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ جس رات کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اسی رات کو رسُول اللہ

صَبَاحِهَا قَالَ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلٌ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَوْ قَالَ: يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ رضی اللہ عنہ وَمَا نَرْجُوْهُ فَقَالُوْا: هٰذَا عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ فَأَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّايَةَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: "میں صبح ایسے شخص کو پرچم دونگا جس کے ساتھ اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں" یا یہ فرمایا کہ "وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے" اس کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہماری توقع کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم ان کو دیدیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا تھمانا

قولہ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ:

إِنِّيْ دَافِعٌ اللِّوَاءَ إِلٰى رَجُلٍ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

میں ایسے شخص کو پرچم دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں۔

اہل لغت نے آنحضرت ﷺ کے پرچم کے بارے میں متعدد باتیں بیان کی ہیں۔ لیکن امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ کے پرچم کی مندرجہ ذیل شکل نقل کی ہے:

كَانَتْ رَايَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَوْدَاءَ وَلِوَاؤُهٗ أَبْيَضَ

رسول اللہ ﷺ کا پرچم سیاہ رنگ کا تھا البتہ چھوٹے چھوٹے جھنڈے سفید رنگ کے تھے۔

طبرانی میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ ابن عدی نے مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے کہ

مَكْتُوْبٌ فِيْهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

اس پرچم پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔

يَفْتَحِ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا؟ فَلَمَّا أَصْبَحُوا غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُّعْطَاهَا۔

اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرما دے گا، چنانچہ رات بھر صحابہ رضی اللہ عنہم سوچتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جائے گا؟ صبح کے وقت تمام صحابۂ کرام، رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ پرچم اُسے دیا جائے

قولہ: يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

آنحضرت ﷺ کے اِس ارشادِ گرامی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ وصف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسُول ﷺ تو ہر متقی مومن سے محبّت رکھتے ہیں۔ اِسی طرح ہر متقی مومن اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ ہاں، حدیث اُن ناصبیوں کے خلاف حجّت اور دلیل ہے جو العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں رکھتے اور انھیں کافر و فاسق قرار دیتے ہیں، مثلاً خوارج۔ لیکن ان روافض کی یہ بات بھی اسی قبیل سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو نصوص فضائلِ صحابہ پر دلالت کناں ہیں، وہ ان کے ارتداد سے قبل کے ہیں (نعوذ باللہ)۔

سوال یہ ہے کہ اِس سلسلے میں ان میں اور خوارج میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے جو اِسی نوعیت کی باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب معتقدات باطل ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی قطعی طور سے مدح نہیں کرتا جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ کافر ہو کر مریں گے۔

اِس حدیث میں اللہ کی صفتِ محبت بھی ثابت ہوتی ہے، جس کے جہمیہ اور ان کے متبعین مخالف ہیں۔

قولہٗ : يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد میں صراحت کے ساتھ حصولِ کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے (یہ کوئی علمِ غیب نہیں ہے بلکہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے

قولہٗ : فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ

يَدُوكُونَ کے معنٰی ہیں غور و خوض کرنا، سوچ بچار کرنا۔

حدیث کے اِن الفاظ سے اعمالِ خیر پر صحابہ کرامؓ کی حرص اور اہتمام کا پتا چلتا ہے کہ عملِ خیر کے لیے وُہ کتنے بے چین رہتے تھے نیز ان کے ایمان کی پختگی اور علم کی بلندی کا بھی پتا چلتا ہے۔

قولہٗ : فَلَمَّا اَصْبَحُوْا غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ:

اِنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ :	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
"مَا اَحْبَبْتُ الْاِمَارَةَ اِلَّا يَوْمَئِذٍ"	میرے دِل میں امارت کا کبھی خیال پیدا نہیں ہوا لیکن آپ کا یہ ارشاد سُن کر میرے دِل میں بھی امارت کیلئے محبت پیدا ہوئی

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ظاہری و باطنی ایمان کی بشارت ہے اور اِس بات کی وضاحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تھے اور

فَقَالَ أَيْنَ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ؟
فَقِيلَ هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ
فَأُتِيَ بِهِ فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَ دَعَا لَهُ
فَبَرَأَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ۔
فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ أُنْفُذْ عَلَى
رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ علیؓ بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابۂ کرام نے عرض کی کہ اُن کی آنکھ درد کر رہی ہے۔ صحابہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لعابِ دہن ڈالا اور دُعا فرمائی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُسی وقت اِس طرح تندرست ہو گئے جیسے کہ اُن کو کوئی درد ہی نہ تھا۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پرچم دیا اور فرمایا کہ مجاہدین کو لے کر فوراً نکل جاؤ اور خیبر میں جا کر دم لو۔

ہر مؤمن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبّت رکھنی ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخصِ معیّن کے متعلق کسی بات کی شہادت دیتے یا اُس کے لیے دعا فرماتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کو بھی یہ شرف حاصل ہو۔ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے افراد کو اِس قسم کی دعا اور شہادت سے نوازا ہے لیکن اِس خصوصیّت کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہی نوعیت کا تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنّت کی بشارت دی تھی۔ اگرچہ

آنحضرت ﷺ نے دیگر حضرات کو بھی جنّت کی بشارت دی ہے، لیکن جو بات خصوصیّت میں پائی جاتی ہے وہ عموم میں نہیں ہوتی۔

اِسی طرح ایک آدمی کو شراب پینے کی سزا دی گئی اور آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول سے محبت رکھتا ہے۔"

قولہٗ : اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

آنحضرت ﷺ کے ان سوالیہ الفاظ سے معلوم ہوا کہ امام وقت کو اپنی رعیّت میں سے اگر کسی شخص کی غیر حاضری کا علم ہو جائے تو اس کے بارے میں پوچھنا چاہیے اور اُس کی عدم موجودگی کے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔

قولہٗ : فَقِیْلَ : هُوَ یَشْتَكِیْ عَیْنَیْهِ

یعنی اس کی آنکھ میں آشوب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے درج ذیل حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

اُدْعُوا لِیْ عَلِیًّا رضی اللہ عنہ فَاُتِیَ بِهٖ اَرْمَدَ — علی کو بلاؤ! چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحالت آشوب چشم لایا گیا

کتاب التوحید کے ایک صحیح نسخہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

فَقِیْلَ هُوَ یَشْتَكِیْ عَیْنَیْهِ — صحابہؓ نے عرض کی کہ اُسکی آنکھوں میں درد ہے

فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ — لیکن اسکے باوجود آپؐ نے علیؓ کو بلا بھیجا۔

صحیح مسلم میں حضرت ایاس بن سلمہ بن الاکوع عن ابیہ سے ایک روایت ہے:

فَاَرْسَلَنِیْ اِلٰی عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ فَجِئْتُ بِهٖ اَقُوْدُهٗ اَرْمَدَ — آپؐ نے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ اُسے بلا کر لاؤں۔ چنانچہ مَیں ان کو لایا اور انکی آنکھ آشوب کا شکار تھی۔

قولہٗ : فَبَصَقَ : یعنی لعابِ دہن لگانا۔

قولہٗ : وَدَعَا لَهٗ فَبَرَأَ : بَرَاءَ کے معنی فوراً اسی وقت تندرست ہو جانا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے تندرست ہوئے کہ جیسے ان کو پہلے کبھی یہ تکلیف ہی نہ تھی۔

ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ۔

اور پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا۔

طبرانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ :

فَمَا رَمِدْتُ وَلَا صُدِعْتُ مُنْذُ دَفَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَيَّ الرَّايَةَ

جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پرچم تھمایا ہے اُس وقت سے آج تک تو میری آنکھ دُکھی ہے اور نہ میرے سَر میں درد ہُوا ہے۔

قولہ : اُنْفُذْ عَلٰی رِسْلِكَ : اُنْفُذْ کے معنٰی جاوٴ۔

رِسْلِكَ : ایسی چال جس میں تیزی نہ ہو۔

بِسَاحَتِهِمْ : زمین کے اُس حصّہ کو کہا جاتا ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت ہو اور اُس کے قبضہ میں بھی ہو۔

زیرِ بحث حدیث میں مندرجہ ذیل مسائل اخذ ہوتے ہیں :

- شہادتین کے اقرار کی دلیل اور حُجّت۔
- ایسے اسباب کو بروئے کار لانا جو جائز، مستحب یا واجب ہیں، یہ توکل کے خلاف نہیں ہیں۔
- آدابِ جنگ کا ذکر کہ اس میں تیزی سے کام نہ لیا جائے طیش اور غصّے کو ترک کر دیا جائے اور اِس قسم کی باتیں نہ کی جائیں اور ایسی آوازیں نہ نکالی جائیں جن کا کوئی فائدہ نہ ہو۔
- امامِ وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے عمّال و حُکّام کو نرمی اختیار کرنے کی تعلیم دے، لیکن ایسی نرمی جس میں کمزوری اور حوصلہ شکنی کو کوئی دخل نہ ہو۔

قولہ : ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ

یہاں اِسلام سے مراد یہ ہے کہ وُہ "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ" کا اقرار کریں۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے اسلام سے مراد یہ ہے کہ وہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" کی شہادت دیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کریں مثلاً

- ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرنا اور
- صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم قرار دے لینا۔

زیرِ بحث حدیث کا مطلب اور مفہوم وہی ہے جو اس آیتِ کریمہ کا ہے کہ:

قُلْ: یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران - ۶۴)	کہو اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہدو ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں

اِسلام کی تشریح کے سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْاِسْلَامُ ھُوَ الْاِسْتِسْلَامُ لِلّٰہِ وَھُوَ الْخُضُوْعُ لَہٗ وَالْعُبُوْدِیَّۃُ لَہٗ	اسلام یہ ہے کہ انسان احکامِ خداوندی کے سامنے سرِتسلیم خم کر دے، اسکی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع، اختیار کرے، اسکے سامنے عبودیت کاملہ کا اظہار کرے

اہلِ لغت نے بھی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔

دینِ اسلام وہ دینِ حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور جسکی اشاعت و تبلیغ کے لیے اُس نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا۔ صرف اسی ایک خدا کے سامنے سرِتسلیم خم کیا جاتا ہے۔ اِس کامل سپردگی کا مرکز و مسکن انسان کا دِل ہے۔ غرض یہ ہے کہ تمام عبادات میں سب کو چھوڑ کر صرف اُسی کے سامنے خشوع اور خضوع کا اظہار کیا جاتا ہے۔

وَ أَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى فِيْهِ۔

اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق اُن پر عائد ہوتے ہیں وہ بتانا۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور دُوسروں کو بھی الٰہ سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور جو شخص اس کی عبادت سے منہ موڑتا ہے وہ بھی مسلمان نہیں ہے۔ قلب اور جوارح کے مشترک عمل کا نام اِسلام ہے لیکن ایمان کی اصل، دل کی تصدیق، اُس کا اقرار اور اُس کی معرفت ہے۔"

اِس سے ظاہر ہوا کہ تمام عبادات میں توحید کا اقرار اور شرک کی کُلّیۃً نفی، اسلام کا اصل الاصُول ہے اور یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہے کہ توحید کے معاملے میں صرف اللہ تعالےٰ کے سامنے جھکا جائے، اُسی کی اطاعت کو اپنے آپ پر لازم قرار دیا جائے، انہی باتوں کو مانا جائے جن کا اُس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی زبان کے ذریعے سے لوگوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے سب سے پہلے رسُول حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (نوح - ۳)

(اے میری قوم! میں تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی بندگی کرو اور اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

زیرِ بحث حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہُوا کہ جنگ سے پہلے دعوتِ توحید دینا ضروری ہے۔ ہاں دشمن کو اگر پہلے سے دعوت پہنچائی جا چکی ہے تو پھر ان سے قتال جائز ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر اچانک حملہ کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تھا کہ بنو مصطلق مسلمانوں پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں اور اگر دشمن کو پہلے دعوتِ اِسلام نہیں دی گئی تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو دعوت دینا واجب ہے۔

قولہ: وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْهِ

اگر اسلام قبول کرلیں تو پھر ان پر جو ضروری اور واجب حقوق ہیں وہ بتانا جیسے نماز، زکوٰۃ۔

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدْ مَنَعُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا[1]

جب ان احکام کو مان لیں تو انھوں نے اپنا مال و اسباب اور اپنے خون مجھ سے محفوظ کرلیے، البتہ اسلام کے حقوق کے بارے میں کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مانعینِ زکوٰۃ سے اعلانِ جنگ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے

كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا

آپ ان سے کیونکر جنگ لڑ سکتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم ملا ہے جب تک کہ وہ لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار نہ کرلیں، اگر اقرار کرلیں تو انھوں نے اپنا مال و اسباب اور اپنے خون مجھ سے بچا لیے، البتہ اسلام کے حقوق معاف نہیں کیا جا سکتا۔

وحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ:

فَاِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَفَاقًا لَا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا[2]

زکوٰۃ، بیت المال کا حق ہے۔ بخدا، اگر یہ لوگ بکری کا بچہ بھی روکنے کی کوشش کریں گے جو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ادا کرتے تھے، تو ان سے جنگ کی جائے گی۔

اِس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ امام وقت کو چاہیے کہ وہ تبلیغ دین کے لیے مُبلّغین کی ایک جماعت بھیجے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا معمول تھا۔

---

[1] بخاری و مسلم

[2] بخاری و مسلم

فَوَ اللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ : يُدُوكُونَ أَيْ يَخُوضُونَ "

پس اے علی رضی اللہ عنہ ! بخدا، اگر ایک آدمی بھی تیرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تو یہ تیرے لیے سُرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

یدوکون کے معنیٰ ہیں غور وفکر کرنا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ

أَلَا إِنِّي وَاللّٰهِ مَا أُرْسِلُ عُمَّالِي إِلَيْكُمْ لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ وَلَا لِيَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ وَلٰكِنْ أُرْسِلُهُمْ إِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوكُمْ دِيْنَكُمْ وَ سُنَنَكُمْ

بخدا، میں اپنے عمال اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمھیں پیٹنا شروع کر دیں اور نہ اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمھارے مال حاصل کریں بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ تمھیں تمھارے دین اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دیں۔

قولہ : فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ

اِس جملہ میں اَنْ مصدریہ ہے اور اَنْ سے قبل لام مفتوحہ ہے کیونکہ وُہ لام قسمیہ ہے۔ اَنْ اور اس کے بعد صیغۂ فعل مصدر کی تاویل میں ہے اور مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر "خَيْرٌ" ہے۔

حُمْر : حاء مضموم اور میم ساکن ہے۔ اِس کی مفرد اَحْمَرُ آتی ہے۔ احمر وہ اونٹ ہے جو اہلِ عرب کے نزدیک بہترین اونٹ شمار کیا جاتا تھا۔

النَّعَمُ : نون اور عین پر زبر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"اُخروی اُمور کو دینی اُمور کے ساتھ تشبیہ صرف اِس لیے دی گئی ہے تاکہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَنَّ الدَّعْوَةَ إِلَى اللهِ طَرِيقُ مَنِ اتَّبَعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ

① جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرلے اُس کیلئے ضروری ہے کہ دعوت اِلی اللہ کا فریضہ ادا کرے۔

الثانیۃ اَلتَّنْبِيهُ عَلَى الْإِخْلَاصِ لِأَنَّ كَثِيرًا لَوْ دَعَا إِلَى الْحَقِّ فَهُوَ يَدْعُوا إِلَى نَفْسِهِ ۔

② اخلاصِ نیت کی ترغیب۔ کیونکہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دعوت اِلی اللہ کو لے کر اُٹھتے بھی ہیں تو اِس میں وہ مخلص نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگوں کو اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں۔

الثالثۃ أَنَّ الْبَصِيرَةَ مِنَ الْفَرَائِضِ ۔

③ بصیرت کا حصول فرائض میں سے ہے ۔

بات آسانی سے سمجھ میں آسکے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے انعامات کا ایک ذرہ بھی دنیا و مافیہا سے افضل و اعلیٰ اور بہتر ہے۔"

اِس حدیث سے اُس شخص کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جس کے ذریعے کوئی ایک شخص بھی مسلمان ہوجائے۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی خبر یا فتویٰ پر بلا قسم لیے اگر کوئی شخص قسم کھالے تو جائز ہے۔

الرابعة مِنْ دَلَائِلِ حُسْنِ التَّوْحِيدِ أَنَّهُ تَنْزِيهُ اللهِ تَعَالىٰ عَنِ الْمَسَبَّةِ۔

④ حُسنِ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک مانا جائے۔

الخامسة أَنَّ مِنْ قُبْحِ الشِّرْكِ كَوْنَهُ مَسَبَّةً لِلّٰهِ۔

⑤ شرک کے بدترین ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے لیے عیب ثابت کرنے کے مترادف ہے۔

السادسة وَ هِيَ مِنْ أَهَمِّهَا : إِبْعَادُ الْمُسْلِمِ عَنِ الْمُشْرِكِينَ لِئَلَّا يَصِيرَ مِنْهُمْ وَ لَوْ لَمْ يُشْرِكْ۔

⑥ چھٹا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ اِنسان مشرکین سے میل جول نہ رکھے اگرچہ وُہ خود شرک کا مرتکب نہ بھی ہوتا ہو۔

السابعة كَوْنُ التَّوْحِيدِ أَوَّلَ وَاجِبٍ۔

⑦ توحید کو قبول کرنا تمام واجباتِ دین پر مقدم ہے۔

الثامنة أَنْ يَبْدَأَ بِهِ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلوٰةِ۔

⑧ ہر مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ کی طرف دعوت دینے سے پہلے توحید کا نقش اور اِس کی تعلیم خود اپنے سینے میں مرتسم کرلے۔

التاسعة أَنَّ مَعْنَى : "أَنْ يُّوَحِّدُوا اللهَ"

مَعْنٰی شَہَادَۃِ : أَنْ لَآ إِلٰہَ إِلَّآ اللّٰہُ ۔

⑨ رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادِ گرامی " اَنْ یُّوَحِّدُوا اللّٰہَ " اور کلمہ شہادت " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " کا مطلب ایک ہی ہے۔

العاشرۃ اَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ یَکُوْنُ مِنْ أَھْلِ الْکِتٰبِ وَ ھُوَ لَا یَعْرِفُھَا أَوْ یَعْرِفُھَا وَ لَا یَعْمَلُ بِھَا۔

⑩ اہلِ کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں جو توحید کی معرفت ہی نہیں رکھتے یا معرفت تو رکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔

الحادیۃ عشرۃ أَلتَّنْبِیْهُ علی التَّعْلِیْمِ بِالتَّدْرِیْجِ۔

⑪ تعلیم کو آہستہ آہستہ اور بتدریج رائج کیا جائے۔

الثانیۃ عشرۃ أَلْبَدَاءَۃُ بِالْأَھَمِّ فَالْأَھَمِّ ۔

⑫ سب سے پہلے زیادہ اہم اور اس کے بعد دیگر مسائل بتائے جائیں۔

الثالثۃ عشرۃ مَصْرِفُ الزَّکٰوۃِ ۔

⑬ مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل۔

الرابعۃ عشرۃ کَشْفُ الْعَالِمِ الشُّبْھَۃَ عَنِ الْمُتَعَلِّمِ

⑭ استاد کو چاہیے کہ وہ طالبِ علم کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے

الخامسۃ عشرۃ أَلنَّھْیُ عَنْ کَرَائِمِ الْأَمْوَالِ ۔

⑮ محصّل زکوٰۃ کو چاہیے کہ وہ عمدہ مال پر ہاتھ نہ ڈالے۔

السادسۃ عشرۃ إِتِّقَاءُ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ -

⑯ مظلوم کی پکار اور اُس کی آہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

السابعۃ عشرۃ أَلْإِخْبَارُ بِأَنَّهَا لَا تُحْجَبُ -

⑰ کیونکہ مظلوم کی پکار اور عرش الٰہی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

الثامنۃ عشرۃ مِنْ أَدِلَّةِ التَّوْحِيدِ مَا جَرٰى عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ سَادَاتِ الْأَوْلِيَاءِ مِنَ الْمَشَقَّةِ وَ الْجُوْعِ وَ الْوَبَاءِ -

⑱ توحید خالص کی درحقیقت وہ علامتیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگی میں نمایاں ہیں۔ ان کو مشقتیں برداشت کرنا پڑیں۔ وہ بھوک اور پیاس سے دوچار ہوئے اور انھوں نے بیماریوں کو صبر و استقامت سے جھیلا۔

التاسعۃ عشرۃ قَوْلُهُ : " لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ " . عَلَمٌ مِّنْ أَعْلَامِ النُّبُوَّةِ -

⑲ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "میں کل ایسے شخص کو پرچم دوں گا۔" یہ آپؐ کے اعلامِ نبوت میں سے ایک علامت ہے۔

العشرون تَفْلُهُ فِي عَيْنَيْهِ عَلَمٌ مِّنْ أَعْلَامِهَا أَيْضًا -

(۲۰) رسولِ اکرم ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں اپنا لعابِ دہن ڈالنا بھی ایک علامتِ نبوت ہے۔

الحادیۃ والعشرون فَضِیلَۃُ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ

(۲۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔

الثانیۃ والعشرون فَضْلُ الصَّحَابَۃِ فِي دَوْكِهِمْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَ شُغْلِهِمْ عَنْ بِشَارَةِ الْفَتْحِ ۔

(۲۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، کہ وہ ساری رات اِس سوچ میں رہے کہ کس کو پرچم ملتا ہے اور وہ فتح و کامرانی سے واپس آتا ہے۔

الثالثۃ والعشرون أَلْإِيمَانُ بِالْقَدَرِ لِحُصُولِهَا لِمَنْ لَمْ يَسْعَ لَهَا وَ مَنْعِهَا عَمَّنْ سَعٰى ۔

(۲۳) تقدیر پر ایمان کہ جو شخص کسی چیز کے حصول کی کوشش نہیں کرتا، اس کو دیدینا۔ اور جو کوشش کرتا ہے اُس سے روک لینا۔

الرابعۃ والعشرون أَلْأَدَبُ فِي قَوْلِهِ : " عَلٰى رِسْلِكَ " ۔

(۲۴) رسولِ اللہ ﷺ کا یہ فرمانا "اطمینان سے جاؤ" یہ آدابِ جنگ میں سے ایک ہے۔

الخامسۃ والعشرون أَلدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ قَبْلَ الْقِتَالِ ۔

(۲۵) جنگ شروع کرنے سے پہلے دُشمن کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنا۔

السادس والعشرون أَنَّهٗ مَشْرُوْعٌ لِّمَنْ دُعُوا قَبْلَ ذٰلِكَ وَ قُوْتِلُوْا۔

(۲۶) شریعتِ اِسلامی کا یہ حُکم ہے کہ جس قوم کو جنگ کے لیے للکارا جائے اُسے سب سے پہلے دعوتِ اسلام پیش کی جائے۔

السابع والعشرون اَلدَّعْوَةُ بِالْحِكْمَةِ لِقَوْلِهٖ "أَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ"

(۲۷) رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان " ان کو ضروری اُمور بتائے جائیں" سے پتا چلا کہ دعوتِ اسلام حکمت و دانائی سے پیش کرنی چاہیے۔

الثامن والعشرون اَلْمَعْرِفَةُ بِحَقِّ اللهِ فِي الْإِسْلَامِ۔

(۲۸) اِسلام میں جو حقوق اللہ ہیں، اُن کی معرفت۔

التاسع والعشرون ثَوَابُ مَنِ اهْتَدٰى عَلٰى يَدَيْهِ رَجُلٌ وَّاحِدٌ۔

(۲۹) اُس شخص کے اجر و ثواب کی کثرت کا اندازہ، جس کے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے۔

الثلاثون اَلْحَلْفُ عَلَى الْفُتْيَا۔

(۳۰) فتویٰ پر قسم اُٹھانا۔

باب

تفسیرِ التوحیدِ وشہادۃِ أَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اس باب میں مسئلہ توحید کی تفسیر اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کے بارے میں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں

قولہ : بَابُ تَفْسِيْرِ التَّوْحِيْدِ وَ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

سوال : کتاب ہٰذا کے ابتدائی صفحات میں اُن آیات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، جن میں کلمہ لآ اِلٰہ اِلّا اللہ کے بارے میں تفصیلات درج کی گئی ہیں اور توحید کے لوازم پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ اب اس باب کو بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ اور اس سے کیا فوائد مرتب ہونگے؟

جواب : زیرِ نظر باب میں جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں کلمۂ اخلاص اور توحید فی العبادۃ کی خصوصیات درج کی جاتی ہیں اور سب سے اہم بات جو اس باب میں آپ کو نظر آئے گی وہ یہ ہے کہ ان آیات میں اُن لوگوں کے عقائد کی تردید کی گئی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور صالحین کو پکارتے اور اُن سے سوال کرتے ہیں کیونکہ اِس باب میں بعض آیات کے نازل ہونے کا سبب بھی یہی چیز تھی جیسا کہ سُورۃ الاسراء کی اس آیت میں ہے :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ (الاسراء - ۵۶)	ان سے کہو، پکار دیکھو اُن معبودوں کو جن کو تم خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔

اکثر مفسرین کا اِس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو حضرت عیسیٰ، اُن کی والدہ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کی عبادت کرتے تھے، اِس میں اُن کو سختی سے روکا گیا ہے۔

اِس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کو اپنی دعاؤں میں پکارنا اور اُن سے اِستمداد کرنا شرک ہے۔ یہ چیز توحید اور لآ اِلٰہ اِلّا اللہ کے بالکل منافی ہے کیونکہ توحید کے معنٰی یہ ہیں کہ صرف ایک اللہ کو پکارا جائے اور کلمۂ اخلاص شرک کی قطعی طور سے نفی کرتا ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا اُس کی عبادت کرنا ہے۔

قولہ تعالیٰ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (بنی اسرآءیل: ۵۷)

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے ربّ کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اُس سے قریب تر ہو جائے اور وُہ اُس کی رحمت کے اُمیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے ربّ کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

اور دُعا کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ[1] دعا کرنا عبادت کا مغز ہے۔

جو آیت پہلے گزر گئی ہے اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جن کو پکارا جاتا ہے وہ نہ پکارنے والے کی تکلیف دُور کر سکتے ہیں، نہ کسی چیز کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں اور نہ کسی شے کو ایک حالت سے دُوسری حالت میں بدل سکتے ہیں، اگرچہ جن کو پکارا جاتا ہے وہ نبی اور فرشتے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ آیتِ کریمہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مدعو کی دعوت کا بطلان کر رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود پکارنے والے کو اُس کی پکار دھوکے میں ڈالتی ہے۔ ہر شے تو خود محتاج ہے۔ غیر اللہ کو پکارنے والے نے اللہ تعالیٰ کو اِس کا شریک ٹھہرایا ہے جو نہ تو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان میں مبتلا کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

اِس آیتِ کریمہ سے توحیدِ خداوندی اور کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی مزید توثیق ہوتی ہے۔

---

[1] یہ حدیث جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قولہ : اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ

یہ آیتِ کریمہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور ان کے متبع مومنوں کا راستہ اور طریقِ عمل متعین کرتی ہے کہ وہ اللہ ہی کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

تَقَرَّبُوْا اِلَيْهِ بِطَاعَتِهٖ وَالْعَمَلِ بِمَا يُرْضِيْهِ — اللہ کی اطاعت سے اور ایسے اعمال سے جو اُسکے نزدیک پسندیدہ ہیں اسکا قُرب حاصل کرو

ابنِ زید رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں :-

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ"

اس قرأت کے مطابق اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ :

"جن صالحین اور اولیاء کو وہ پکارتے ہیں اور اُن سے استغاثہ و استعانت کرتے ہیں وُہ تو خود اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ صحیح بات سے اقرب کون ہے"

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

"اس معاملے میں مفسّرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے"۔ اُنھوں نے متعدد ائمہ مفسرین سے اِس کا ذکر کیا ہے۔

علّامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس آیت میں تین مقامات کا ذکر کیا گیا ہے :

الحُبّ : اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قُرب اور اُس کی طرف توسّل حاصل کیا جاتے۔ اس کا نام محبت ہے۔

الرّجاء والخوف : اُمید اور خوف ہی حقیقتِ توحید اور اصلِ اسلام ہیں۔

مسندِ امام احمد میں روایت ہے کہ بہز بن حکیم کے جدِ امجد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)!

مَا اَتَيْتُكَ اِلَّا بَعْدَ مَا حَلَفْتُ عِدَّةَ اَصَابِعِيْ هٰذِهٖ اَنْ لَّا اٰتِيَكَ فَبِالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ — بخدا میں نے متعدد قسمیں کھائی تھیں کہ مَیں آپؐ کے پاس نہیں آؤں گا۔ بالآخر حاضر ہوگیا ہوں۔ مَیں آپؐ کو اللہ تعالیٰ

مَا بَعَثَكَ بِهٖ ؟	کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں، آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپؐ کس چیز کی دعوت لے کر مبعُوث ہوئے ہیں؟
قَالَ : اَلْاِسْلَامُ	آپؐ نے فرمایا کہ میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں
قَالَ : وَمَا الْاِسْلَامُ ؟	اُس نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟
قَالَ: اَنْ تُسْلِمَ قَلْبَكَ وَ اَنْ تُوَجِّهَ وَجْهَكَ اِلَى اللّٰهِ	آپ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اپنے دِل کو اللہ کے سپرد کر دو اور اپنے چہرے کو اللہ کی طرف مُلتفت رکھو۔
وَاَنْ تُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَةَ	پانچ وقت کی فرض نماز ادا کرو۔
وَتُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ	اور فرض زکوٰۃ ادا کرو۔

محمد بن نصر المروزیؒ نے حضرت خالدؒ بن معدان کے واسطے سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر کی ہے

إِنَّ لِلْاِسْلَامِ صُوًى[1] وَ مَنَارًا كَمَنَارِ الطَّرِيْقِ مِنْ ذٰلِكَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا. وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ ، وَ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ	اسلام کے کئی نشان ہیں جیسا کہ راستے میں نشان نصب ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو۔

یہی معنی قرآنِ کریم کی اس آیت کریمہ کے ہیں:

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ	جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور وہ عملاً نیک ہو، اُس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا

---

[1] صُوًی جمع، صوۃ کی ہے۔ صوۃ پتھر کے اُن نشانات کو کہتے ہیں جن کو بطورِ علامت جنگل میں نصب کیا گیا ہو تاکہ راستے کا پتا چل سکے۔

قولہٗ: وَ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ لِأَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ إِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَإِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ[1] لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الزخرف: ۲۶، ۲۷، ۲۸)

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں، میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا" اور ابراہیم علیہ السلام یہی کلام اپنے پیچھے اپنی قوم میں چھوڑ گئے تاکہ وہ اِس کی طرف رجوع کریں۔

عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ۝ (لقمان – ۲۲) تمام لیا اور سارے معاملات کا آخری فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

قولہٗ: كَلِمَةً بَاقِيَةً

اِس سے مراد "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس عظیم الشان کلمہ کو کس طرح عمدہ انداز سے پیش کیا؟ قارئین کرام غور کریں گے تو پتا چلے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام معبودانِ باطل سے کیونکر اپنا اظہارِ برأت کیا ہے چاہے یہ ستارے ہوں چاہے ہیکل اور چاہے پتھر کی مورتیاں جنھیں حضرت نوح

---

[1] "عقب" کا اطلاق گیارہ الفاظ پر ہوتا ہے ۱— الولد پر، ۲— البنون پر، ۳— الذریۃ پر ۴— العقب پر ۵— نسلی پر، ۶— الآل پر، ۷— الابل پر، ۸— قرابیہ پر، ۹— العشیرہ پر ۱۰— القوم پر، ۱۱— العوالی پر۔

وقولہ: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (التوبۃ : ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنا لیا ہے ۔

علیہ السلام کی قوم نے اپنے صلحاء کی شکلوں پر پرستش رکھا تھا جیسے وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سب میں سے صرف اس ذات کو مستثنیٰ فرمایا جس نے انھیں پیدا کیا۔ اِس طرح یہ آیتِ کریمہ کلمہ اخلاص یعنی " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " کی صحیح تصویر پیش کر رہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ	یہ اِس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وُہ
اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ	سب باطل ہیں جنھیں اللہ کو چھوڑ کر یہ
الْبَاطِلُ (الحج - ۶۲)	لوگ پکارتے ہیں۔

پس ہر وہ عبادت جس میں غیر اللہ مقصود ہو، خواہ اس کی حیثیت دعا ہی کی کیوں نہ ہو، وُہ باطل اور شرک قرار پائے گی جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہ کرے گا۔ قیامت کے دن مشرکین سے پوچھا جائیگا

اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝	اب کہاں ہیں اللہ کے سوا دُوسرے خدا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ	جن کو تم شریک کرتے تھے ؟
قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا	وہ جواب دیں گے "کھوئے گئے وُہ ہم سے
بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ	بلکہ ہم اِس سے پہلے کسی چیز کو نہ
شَيْئًا ؕ	پکارتے تھے۔"
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝	اِس طرح اللہ کافروں کا گمراہ ہونا متحقق کر دیگا

قولہٗ : اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا

صحیح حدیث میں مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم الطائی کے سامنے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو عدی رضی اللہ عنہ نے کہا :

يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ! لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ	یا رسول اللہ ﷺ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے۔
قَالَ: اَلَيْسَ يُحِلُّوْنَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ اللهُ فَتُحِلُّوْنَهُ وَ يُحَرِّمُوْنَ مَا اَحَلَّ اللهُ فَتُحَرِّمُوْنَهُ؟	آپؐ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو اگر وہ حلال کہہ دیتے تو تم اس کو حلال سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو اگر حرام کہہ دیتے تو تم اسکو حرام سمجھتے تھے یا نہیں؟
قَالَ: بَلٰی	عدی رضی اللہ عنہ بولے "ہاں ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔
قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ[1]	آپؐ نے فرمایا کہ "یہی تو اُن کی عبادت ہے۔"

گویا معصیت میں اُن کی اطاعت ہی عبادت لغیر اللہ کے مترادف تھی۔ اِس طرح یہ اپنے مشائخ و اولیاء کو رب بنا بیٹھے جیسا کہ اِس دور میں اِس اُمّت کا حال ہے۔ یہی وہ شرکِ اکبر ہے جو اُس توحید کے منافی ہے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کی مدلول ہے۔

اِس آیت سے یہ بات واضح ہوئی کہ کلمۂ اخلاص نے اِس قسم کی عبادات کی نفی کر دی ہے اِس لیے کہ وُہ اِس کے مدلول یعنی توحید کے منافی ہے۔

ان کی یہ حالت ہے کہ کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جن اُمورِ شرک کی نفی کرتا ہے یہ اس کے اثبات کے درپے ہیں اور توحید کے جن پہلوؤں کو اُجاگر کرتا ہے ان کو ترک کرنے پر مُصر ہیں۔

قولہٗ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارا، اس کی طرف جھکا اور اپنی قضائے حوائج اور مشکلات کے لیے اس کی طرف راغب ہوا جیسا کہ عبادِ قبور، بندگانِ طاغوت اور پرستارانِ اصنام کا شیوہ ہے اِس صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ ان کی تعظیم کریں اور ان کو مرکزِ محبت ٹھہرائیں۔ اگرچہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھی محبت کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان طواغیت و اصنام اور غیر اللہ سے محبت و مودت میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ پس یہ لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی پڑھتے ہیں، نمازیں بھی ادا کرتے ہیں، روزے

---

[1] مسند امام احمد، ترمذی، ابن جریر۔

وقوله وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرۃ : ۱۶۵)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دُوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِمقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

بھی رکھتے ہیں مگر انھوں نے غیر اللہ سے ایسی محبت کا ثبوت دیا جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص تھی، اِس لیے یہ اللہ تعالیٰ سے شرک فی المحبت کے مُرتکب قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو انداد و معبود بنانے کی وجہ سے اُنھوں نے عبادتِ غیر اللہ بھی کی۔ یہ سب شرک ہے اور شرک وہ قبیح فعل ہے جو ہر عمل کو باطل بنا دیتا ہے اور قول و عمل کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ مُشرک کا کوئی عمل نہ تو درجہ قبولیت کو پہنچ سکتا ہے اور نہ مرتبۂ صحت کو۔

یہ لوگ اگرچہ لآاِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن اُنھوں نے اِس عظیم کلمہ کی اُن تمام قیود کو بالائے طاق رکھ دیا ہے جن کا اِس کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ان قیود میں سے ایک قید اِس کے مدلول کے ساتھ کلمہ کا عِلم اور اِس کے تمام تقاضوں کو پیشِ نگاہ رکھنا ہے مگر یہ لوگ اِس کے معنٰی اور علم سے بالکل بے خبر اور جاہل رہے جِس کی وجہ سے اُنھوں نے اللہ کی محبت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا لیا۔

یہ کلمہ شرک کی نفی کرتا ہے لیکن یہ لوگ اپنی جہالت کی بنا پر اس کی نفی نہ کر پائے اور جس اخلاص و توحید کا اثبات کرتا ہے، اُس کا اثبات نہ کر سکے، انھوں نے یقینِ محکم کو قبول نہ کیا۔ اگر یہ لوگ کلمہ کا عِلم حاصل کر لیتے تو بلاشبہ ان تمام تقاضوں کو بھی پورا کرتے جو کلمہ کی اصل اور اساس تھے۔ اس میں وہ کُفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت اور توحید کی شمع روشن کرنے میں کامیاب ہو جاتے اور غیر اللہ کی محبت اور عبادت کو قطعی طور سے ترک کر دیتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ
جو لوگ ایماندار ہیں وُہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

ایک مومن کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اُس سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اپنے اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ کے سوا جس کی عبادت ہو رہی ہو اُس کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

پس جس شخص کے دِل میں قبولِ حق کی معرفت ہو گی وہ ان آیاتِ بیّنات سے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مفہوم اور معنی اچھی طرح سمجھ لے گا اور توحید کے بارے میں اُس کی بصیرت چمک اُٹھے گی جس کی دعوت تمام انبیائے کرام علیہم السّلام نے دی ہے۔

قرآنِ کریم کی آیت " اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ " سابقہ آیت کی تشریح ہے۔ سابقہ آیت یہ ہے: قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ○

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ مندرجہ بالا آیت کے معنی و مفہوم کو اِس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

" اے میرے رسُول محترم! ان مشرکین سے کہہ دیجیے، جو غیر اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں، کہ تم ان اصنام اور انداد کو پکار کر دیکھ لو اور ان کو مرکزِ توجہ ٹھہرا کر مشاہدہ کر لو کہ نہ تو یہ تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں اور نہ اِس کو ایک شخص سے ہٹا کر دوسرے شخص کی طرف منتقل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔"

آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے کہ جس ذات کو اِس پر قدرت اور طاقت حاصل ہے وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، جس کے قبضہ میں تمام مخلوق ہے اور جو تمام امور کے فیصلے کرتا ہے۔

عوفی رحمہ اللہ، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

" مشرک یہ کہا کرتے تھے کہ ہم مسیح، عُزیر اور ملائکہ علیہم السّلام کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ ان کو یعنی ملائکہ، حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہم السّلام کو ضرُورت کے وقت پکارا کرتے تھے۔"

اِسی آیتِ کریمہ کی تشریح میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ:

جنّات میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جن کی عبادت ہوتی تھی، وُہ مُسلمان ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

"کچھ اِنسان جنّات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جنّات تو مُسلمان ہو گئے، لیکن انسانوں نے جنّات کا دین اختیار کر لیا۔"

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول اِس بات پر دلالت کناں ہے کہ وسیلہ درحقیقت اِسلام ہی ہے۔ ان کے دونوں اقوال کا یہی مطلب ہے۔

اِس آیت کے بارے میں السُّدّیؒ، ابُوصالح سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"اِس آیت میں حضرت عیسٰی، اُن کی والدہ اور حضرت عُزیر علیہم السلام، مُراد ہیں۔"

مغیرہ، ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اِس آیت کے سِلسلے میں فرمایا کرتے تھے:

"اِس آیت میں حضرت عیسٰی، عزیر علیہم السلام، سُورج اور چاند مُراد ہیں۔"

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"حضرت عیسٰی، عزیرا ور ملائکہ علیہم السلام مُراد ہیں۔"

قولہٗ: يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ

جب کوئی شخص دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے یا بارگاہِ الٰہی میں کوئی استغاثہ پیش کرتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ اُس کا دِل خوف سے کانپ رہا ہو یا اُس کے دِل کی دُنیا خوف و رجا کے جذباتِ صادقہ سے پُر ہو، یا یہ دونوں اوصاف اس کے اندر موجزن ہوں۔ اِس کے بغیر تکمیلِ عبادت ممکن نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"مفسّرین کے تمام اقوال صحیح ہیں کیونکہ یہ آیت ہر اُس معبود کو عام ہے جو

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو، خواہ وہ فرشتہ ہو یا جنّ یا انسان۔ سلف مفسرین کرام کی یہ عادت ہے کہ وہ بطور تمثیل ایک جنس مقصود کو پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص ترجمان سے خُبز کے بارے میں پوچھے کہ وہ کیا اور کیسی ہوتی ہے، تو ترجمان ایک روٹی دکھا کر کہتا ہے کہ "یہ"۔ ترجمان نے سمجھانے کی خاطر اگرچہ ایک روٹی ہی کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس سے مُراد نوع ہے، عین نہیں۔

پس آیت زیر بحث میں ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارتا ہے اور یہ مدعو ایسا ہے جو خود اللہ کی طرف وسیلہ بھی تلاش کرتا ہے، اُس کی رحمت کا خواہاں ہے اور اُس کے عذاب سے خائف ہے۔

سو ہر وہ شخص جو کسی میّت کو یا انبیاء و صالحین میں سے کسی کو پکارے، خواہ استغاثہ کے الفاظ میں یا کسی اور قسم کے الفاظ میں، سب کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ ملائکہ اور جنات کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو پکارنے سے منع کیا ہے اور اِس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ پکارنے والوں کی تکلیف کو نہ تو دُور کر سکتے ہیں اور نہ اُن سے ہٹا کر دُوسرے شخص کو تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ تَحْوِيلًا کو نکرہ اِستعمال فرما کر یہ بتایا ہے کہ وہ کسی قسم کی تکلیف کے رفع یا تحویل پر قدرت نہیں رکھتے۔

پس جو شخص کسی میّت کو پکارتا ہے یا کسی غائب کو پکارتا ہے، خواہ وہ نبی ہو یا ولی ہو یا فرشتہ ہو، کوئی بھی ہو، وہ ایسی چیز کو پکارتا ہے جو نہ اسکی مدد کر سکتی ہے، نہ اس کی تکلیف رفع کر سکتی ہے اور نہ تحویل پر قدرت رکھتی ہے"

اِس آیتِ کریمہ سے اُس شخص کی تردید ہوتی ہے جو کسی صالح انسان کو پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ شرک تو یہ ہے کہ اصنام کو پکارا جائے۔

قولہ: وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کا مفہوم اِس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

" اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسُول، خلیل، امام الحنفاء، ابوالانبیاء، جس کی طرف تمام قریش نسب و مذہب میں اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے، کے بارے

میں فرماتا ہے کہ وُہ اپنے باپ اور اپنی قوم سے بالکل الگ تھلگ ہو گیا اور اُس نے اُن کے اصنام و اوثان سے قطع تعلق کرتے ہوئے کہا کہ

اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ○

جن کی تم پُوجا پاٹ کرتے ہو میں اُن سب سے بیزار ہوں۔ صرف وُہ ذاتِ کبریا جس نے مجھے پیدا کیا، وُہ مجھے ضرور راہِ راست دِکھائے گی۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ:

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (الزخرف - ۲۷-۲۸)

ابراہیمؑ نے اِس خالص توحیدی کلمہ کو اپنی اولاد میں باقی چھوڑا تاکہ وہ حق کی طرف لوٹیں۔

اِس آیت میں کلمہ سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، جس میں کوئی شریک نہ ہو اور جس میں اصنام اور اوثان کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہو۔ درحقیقت اِسی کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جاتا ہے۔ اِس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی اولاد میں باقی رکھا تاکہ آئندہ نسلِ انسانی اِس کی اقتدا کرتی رہے اور اسے اپنے لیے مشعلِ راہ بنالے۔"

حضرت عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور السدّی وغیرہ رحمہم اللہ نے کلمہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کوئی نہ کوئی شخص ضرور باقی رہے گا جو اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے گا۔

علامہ ابنِ جریر رحمۃ اللہ قتادہ رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مشرکین یہ اقرار کرتے تھے کہ ہمارا ربُ اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم بھی نقل کرتا ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف - ۸۷)

اگر آپؐ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہدیں گے کہ "اللہ تعالیٰ نے"

اِس قول کو ابنِ جریر رحمۃ اللہ کے علاوہ عبد بن حمید نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن جریر اور ابی المنذر رحمہما اللہ قتادہ رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

" کلمہ باقیہ سے مراد اخلاص اور توحید ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ

علیہ السلام کی اولاد میں ایسے اشخاص ضرور باقی رہیں گے جو فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید پر قائم رہیں گے۔"

مصنف رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

وَذَکَرَ سُبْحَانَهٗ اَنَّ هٰذِهِ	اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
الْبَرَاءَةَ وَ هٰذِهِ الْمُوَالَاةَ هِیَ	برأت اور موالات کا ذکر کرنا، اس بات
شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	کی دلیل ہے کہ یہی کلمہ لآ الٰہ الا اللہ ہے

اسی مفہوم کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الکافیۃ الشافیۃ" (قصیدہ نونیہ) میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

واذا تولاہ امرؤ دون الوری طرا تولاہ العظیم الشان

یعنی جب کوئی شخص دنیا کو ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ عظمت اور شان والا بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

قولہ: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

الأحبار ـــــ علماء

الرھبان ـــــ پیر

قرآن کریم کی اسی آیت کریمہ کی تفسیر رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے سامنے فرمائی ہے کہ

اِنَّهٗ لَمَّا جَاءَ مُسْلِمًا دَخَلَ عَلٰی	عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب آپ کی
رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَرَأَ	خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ
عَلَیْهِ هٰذِهِ الْاٰیَةَ. قَالَ	نے ان کے سامنے یہی آیت تلاوت فرمائی
فَقُلْتُ: اِنَّهُمْ	عدی رضی اللہ عنہ بولے کہ وہ لوگ تو ان کی
لَمْ یَعْبُدُوْهُمْ	عبادت نہیں کرتے تھے۔
فَقَالَ: بَلٰی اِنَّهُمْ حَرَّمُوْا	آپ نے فرمایا کیوں نہیں، ان احبار،
عَلَیْهِمُ الْحَلَالَ وَ حَلَّلُوْا لَهُمُ	رُہبان نے ان پر حلال کو حرام اور حرام
الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوْهُمْ فَذٰلِكَ	کو حلال کہا تو لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا

عِبَادَتُهُمْ اِيَّاهُمْ — پس یہی ان کی عبادت ہے۔

(اس روایت کو امام احمدؒ امام ترمذیؒ مع تحسین، عبد بن حمیدؒ، ابن ابی حاتمؒ اور طبرانیؒ نے کئی طرق سے روایت کیا ہے)

السُّدِّی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"اُنھوں نے لوگوں کے کہنے اور ان کے مشوروں پر عمل کیا۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (التوبۃ - ۳۱)

ان کو صرف ایک الٰہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے (کیونکہ) اُس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ اور معبُود نہیں اور وُہ حقیقی الٰہ ان کے شرک سے پاک اور منزّہ ہے۔

کیونکہ حلال وُہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے،

حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حرام قرار دے

اور دین وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ مقرر کرے۔"

اِس آیتِ کریمہ سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولؐ کو چھوڑ کر غیر کی اطاعت کرے اور تحلیل و تحریم کے معاملہ میں کتاب وسُنّت کی پیروی نہ کرے اور جن چیزوں پر عمل پیرا ہونے کا اللہ نے حکم نہیں دیا، ان کی اِتباع کرے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اُن کو ربّ، معبُود اور اللہ کا شریک بنالیا ہے۔ یہ طریقِ عمل دینِ الٰہی اور توحیدِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے سراسر منافی ہے۔ الٰہ اور معبود ایک ہی بات ہے اور اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی اطاعت کو عبادت سے تعبیر فرمایا ہے، معبُودین کو ارباب کے نام سے موسوم کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا (آل عمران - ۸۰)

اور نہ اس کو حق ہے کہ وہ تمھیں یہ حکم دے کہ تم اسکے فرشتوں اور رسولوں کو ربّ بنالو۔

یعنی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بناؤ۔

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران - ۸۰)

تمھارے اِسلام لانے کے بعد وُہ تم کو کفر کرنے کا حکم کیسے دے سکتا؟

یہی شرک ہے اور ہر معبود رب ہے اور ہر مطاع، جس کی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو چھوڑ کر اطاعت کی جائے وُہ گویا رب اور معبود مانا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○ (انعام - ۱۲۱)
اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو گے۔

اِسی مطلب اور مفہوم کو مدِّ نظر رکھ کر اِن آیات کو اِس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ کے مفہوم اور مندرجہ ذیل آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ دونوں آیات ہم معنیٰ ہیں:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشورٰی - ۲۱)
کیا یہ لوگ کچھ ایسے شریکِ خدا رکھتے ہیں کہ جنھوں نے ان کیلئے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے اِذن نہیں دیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

آیتِ کریمہ "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" ان لوگوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب قرار دے لیا ہے اور حلال و حرام کے سلسلے میں ان کی اطاعت شروع کر دی ہے۔

اِن کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کی دو صورتیں ہیں:-

ا — یہ جانتے ہوئے کہ ان علماء اور پیروں نے دینِ خداوندی کو تبدیل کر دیا ہے، اِن کی تبدیل کی ہُوئی شریعت پر عمل کریں اور یہ کہ ان کا اعتقاد اور یقین کامل ہو کہ ان لوگوں نے اللہ کی حلال شدہ چیز کو حرام اور حرام شدہ چیز کو حلال کر دیا ہے، اِس کے باوجود صرف امراء اور رؤسائے قوم کو خوش کرنے کے لیے یہ اِس تبدیلی کو تسلیم کر رہے ہوں اور ان کو یقین ہو کہ اِس طرح ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ کے دین کی مخالفت کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا کفر ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اِس کفر کو شرک قرار دیا ہے، اگرچہ یہ

لوگ ان کو سجدہ نہیں کرتے، اور اُس شخص کے مُشرک ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان لوگوں کی راہ دین کی راہ نہیں، ان کی اطاعت کرتا ہے۔

۲ــــ دُوسری صُورت یہ ہے کہ ان کا اِعتقاد اور ایمان یہ ہو کہ حلال اور حرام وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام قرار دیا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کریں جیسا کہ آج کل کے مسلمان گناہ کو گناہ خیال کرتے ہیں لیکن اس کو کیے جا رہے ہیں، یہ گناہ گاروں اور معصیت کیشوں کے حُکم میں ہوں گے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ اطاعت کے معنیٰ نیکی کی اطاعت کے ہیں۔

حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنے والا اگر مجتہد ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کی اتباع کرے اور وہ اپنی استطاعت کی حد تک تقویٰ کا بھی حامل ہے لیکن حق اس کی نظروں سے اوجھل رہا، اُس شخص کی خطاء کو اللہ تعالیٰ صرف معاف ہی نہیں کرے گا بلکہ اِس پر اُسے اجر و ثواب سے بھی نوازے گا کیونکہ اُس نے اپنی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے۔ البتہ وہ شخص جس کو علم ہے کہ یہ بات کتاب وسُنّت کے خلاف ہے اور پھر وہ اس کی اطاعت کرتا ہے اور کتاب وسُنّت کو پسِ پُشت ڈال دیتا ہے تو ایسا شخص شرک میں ملوّث ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے سخت مذمت کی ہے خصوصاً جبکہ وُہ اپنی خواہشات کی اتباع کرے اور ان باتوں کی زبان اور ہاتھ سے امداد بھی کرے، یہ جانتے ہُوئے کہ اس میں رسُول اللہ ﷺ کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ یہ صریح شرک ہے اور ایسا شخص مستحقِ عقوبت اور سزا ہے۔

علمائے اُمّت کا اِس پر اتّفاق ہے کہ حق بات معلوم ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے، مگر وُہ شخص جو استدلال پر قادر ہو لیکن اظہارِ حق سے عاجز ہو ایسے شخص کیلئے جوازِ تقلید میں اختلاف ہے۔ اس شخص

کی حالت ایسے شخص کی سی ہے جو دینِ اسلام کو حق سمجھتا ہے لیکن اُس کا قیام نصاریٰ میں ہے، ان میں رہتے ہوئے اسلام پر عمل کرتا ہے مگر بعض اعمال کے ادا کرنے سے وہ قاصر اور عاجز ہے۔ ایسے شخص کا ان اعمال کے ترک پر مواخذہ نہ ہوگا۔ اِس قسم کے افراد کو نجاشی پر قیاس کیا جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں:

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ (آل عمران - ۱۹۹)

اہلِ کتاب میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اِس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمھاری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اِس سے پہلے خود اُن کی طرف بھیجی گئی تھی۔

دُوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ (المائدۃ - ۸۳)

جب وُہ اُس کلام کو سُنتے ہیں جو رسُول پر اُترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔

تیسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے کہ:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ (الاعراف - ۱۵۹)

حضرت موسیٰؑ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت کرتا اور حق ہی کے مطابق اِنصاف کرتا تھا۔

ہاں، وہ شخص جو حق کو مانتا ہے اور اس کی اطاعت بھی کرتا ہے مگر تفصیلات سے آگاہ نہیں ہے یہ اگرچہ غلطی پر ہی ہو، اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کو سمتِ قبلہ کا علم نہیں لیکن اُس نے کوشش کی اور سمجھا کہ سمتِ قبلہ یہی ہے اور اُس نے نماز پڑھ لی تو اگر وہ سمتِ قبلہ نہ بھی ہو پھر بھی اُس کی نماز صحیح ہوگی اور اُس سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔

البتہ وُہ شخص جو کسی کی تقلید صرف پیروئ نفس کی بنا پر کرتا ہے اور ہاتھ اور زبان سے اُس کی مدد بھی کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جس کی وہ تقلید کر رہا ہے وہ حق پر ہے۔ ایسے شخص کا شمار اہلِ جاہلیت میں ہوگا اور اُس کا کوئی عمل صالح شمار نہ ہوگا اگرچہ جس کی یہ تقلید کر رہا ہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن اگر اسکا مقتدا غلطی پر ہے تو یہ گناہ گار ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص قرآن کے بارے میں اپنی رائے کو اچھا سمجھے، اگر اس کی رائے صحیح ہو جب بھی یہ گناہ گار ہوگا اور اگر یہ رائے غلط ہوگی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔ اس کا شمار اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جو زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں اور درہم و دینار اور جُبّہ ولباس کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دولت سے پیار کرتے ہیں اور دولت سے محبّت و پیار اطاعتِ الٰہی سے روک دینے کا باعث بنتی ہے اور انسان دنیا کا بندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ لوگ شرکِ اصغر میں مبتلا ہیں اور اسی مناسبت سے ان کو سزا بھی ملے گی۔ حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ یَسِیْرَ الرِّیَاءِ شِرْكٌ — کم درجے کی ریاکاری بھی شرک ہے“

علّامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ آیت ”وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا“ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

”جس شخص کو اللہ نے پیدا کیا ہے تم اسی کو اللہ کا ہمسر بناتے ہو حالانکہ وُہ دُوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہی تو ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کا اِتباع کرتے ہو۔“

افسوس کا مقام ہے کہ اکثر عبادِ قبور اسی برائی میں مبتلا ہیں۔

قولہٗ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

علّامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

”ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی حالت کا ذِکر فرمایا ہے کہ دُنیا میں ان کا طریقِ عمل کیا ہے اور آخرت میں ان کا حشر کیسا ہوگا۔ اُنھوں نے

اللہ تعالیٰ کے ساتھ انداد یعنی اللہ کے مثیل و ہمسر بنا رکھے ہیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں اور ان سے اِس نوع کی محبّت رکھتے ہیں جو صرف اللہ سے رکھنی چاہیے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ایسی ہے کہ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، نہ اس کی کوئی ضد ہے، نہ ند و مثال ہے، نہ کوئی اُس کا شریک ہے اور نہ اُسکے کاموں میں کوئی اُسکا ساجھی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ ؟ — سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟

قَالَ : اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَ هُوَ خَلَقَكَ — آپؐ نے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی اور شریک ٹھہرائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تجھے پیدا کیا ہے۔

قولہ : وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

اللہ تعالیٰ سے مؤمنین کی محبت، ان کی طرف سے اس کی معرفتِ تامہ، اُنکے دل کی گہرائیوں میں اس کی توقیر اور جذبۂ توحید میں رسوخ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ شرک نہیں کرتے بلکہ اُسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اُسی پر توکّل کرتے ہیں اور اپنے تمام امُور کی انجام دہی اور کامیابی کے لیے اُسی سے اِلتجا کرتے ہیں۔

مشرکین نے چونکہ اپنے اوپر ظلم کی انتہا کر دی ہے اِس لیے اللہ تعالیٰ اِس آیت کے بعد اُن کے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرۃ - ۱۶۵) — کاش! جو کچھ عذاب کے سامنے دیکھ کر سوجھنے والا ہے وُہ آج ہی اِن ظالموں کو سُوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔

بعض مفسرین یہاں یہ عبارت مقدر مانتے ہیں کہ:

"لَوْ عَايَنُوا الْعَذَابَ لَعَلِمُوْا حِيْنَئِذٍ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا"

یعنی اگر یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کا عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو ان کو پتہ چل جائے کہ تمام قوتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تمام حکم اور فیصلے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی کے قبضہ وقدرت میں ہیں کیونکہ تمام اشیاءَ اُسی کے قابو میں ہیں، اُسی کی مشیت کے تابع ہیں اور اُسی کے قہر و غلبہ اور حکمرانی کے تحت ہیں، جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۝ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۝ (الفجر - ۲۵، ۲۶)

پھر اُس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں اور اللہ جیسا باندھے گا ویسا باندھنے والا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ مُشرک اپنے انجام بد کو سمجھ لیں جو ان کو ذلیل و خوار کر دے گا تو یہ اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آجائیں۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور ان کے اعوان و معاونین اور تابعین و متبوعین کا مآل بیان کیا ہے کہ یہ سب آپس میں بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا (البقرۃ - ۱۶۶)

اُس دن جبکہ پیشوا اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے۔

میدانِ محشر میں وہ فرشتے (اور دیگر مقربین) جن کو یہ دنیا میں اپنے معبود خیال کرتے تھے، ان سے اظہارِ برأت کریں گے اور کہیں گے کہ

تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ۝ (القصص - ۶۳)

ہم آپ کے سامنے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ہماری تو بندگی نہیں کرتے تھے۔

فرشتے مزید کہیں گے کہ

سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۝ (سبا - ۴۱)

پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔ دراصل یہ ہماری نہیں، جنوں کی عبادت کرتے تھے۔

اور جنات بھی ان مشرکین سے اظہارِ نفرت کریں گے اور ان کی عبادت سے اپنے آپ کو بری قرار دیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ (الاحقاف - ۵، ۶)	آخر اُس شخص سے زیادہ بھکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُنکو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اِس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں۔ اور جب تمام اِنسان جمع کیے جائیں گے، اُس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہونگے۔

علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ آیت يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ کے تحت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"جب یہ لوگ جو اپنے معبودانِ باطل کے ساتھ اللہ سے بھی زیادہ محبت رکھتے ہیں اور جہنم کے عذاب سے مخلصی حاصل نہ کر سکے تو یہ جو صرف بتوں سے اور غیر اللہ سے محبت رکھتے ہیں کیونکر عذابِ الٰہی سے بچ سکیں گے؟"[1]

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں کہ

"جن امور پر توحید اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی بنیاد ہے وہ سورۃ بقرہ کی وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتا ہے کہ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ۔ ان آیات میں ربِّ ذوالجلال نے اُن کی یہ ہٹ دھرمی بیان کی ہے کہ وہ مشرک جو اپنے معبودوں کے پہلو بہ پہلو اللہ سے بھی محبت رکھتے تھے لیکن اِس کے باوجود ان کو دائرہ اِسلام سے خارج سمجھا گیا ہے، تو اُس شخص کا کیا حال ہوگا جس کو اللہ کے ند اور نظیر سے کہیں

---

[1] تفسیر ابنِ کثیر (ج اول صہ ۲۰۸، ۲۰۹ - مطبوعہ قاہرہ) ——— مترجم

زیادہ محبت ہے اور اُس شخص کا کیا حشر ہوگا جو تنہا اپنے معبُودانِ باطل سے ہی محبت کرتا ہے۔"

زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور اس کو اللہ کے سوا ند قرار دیتا ہے تو گویا اُس نے اِس کو بصورتِ محبت اللہ کی عبادت میں شریک بنایا۔ یاد رہے یہ بھی اللہ کے مثیل اور شریک بنانے کی ایک شکل ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اِسی قِسم کے لوگوں کے بارے میں ارشادِ خُداوندی ہے کہ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ۔ اور دُوسرے مقام پر فرمایا کہ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ۔ اِس آیت میں ظلم سے مُراد شرک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام - ۸۲) اُنھوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظُلم نہیں ملایا۔

پس جو شخص صرف اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اور اُسی کے لیے کسی سے محبت رکھتا ہے تو یہ شخص اپنی محبت میں مخلص ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ دُوسروں سے بھی محبت کرتا ہے تو وہ مُشرک ہے، جیسا کہ اُس کا فرمان ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ - ۲۱، ۲۲)

لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمھارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے تمھارے بچنے کی توقع اسی صُورت سے ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اُوپر سے پانی برسایا اور اُس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمھارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دُوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص قضائے حاجات اور حلِ بلیات کے سلسلے میں غیر اللہ کی طرف راغب ہُوا تو اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی محبت کا گرویدہ ہوگیا اور اِس باب میں اصل شے اس کی محبت ہی ہے۔"

کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اللہ کے ساتھ شراکتِ غیر اللہ کی ہر قسم کی عبادات کی نفی کرتا ہے اور اسکو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت گردانتا ہے۔ کلمۂ اخلاص اِسی کی وضاحت کرتا ہے لہٰذا کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے مفہوم کو سمجھنا، اس کے مطابق عقیدہ رکھنا اور اسے دِل میں راسخ کرنا انتہائی ضروری ہے اور اپنی پوری زندگی میں ظاہری و باطنی طور پر اس کے تقاضوں پر عمل کرنا نجاتِ اُخروی کا سبب ہے۔ واللہ اعلم۔

علّامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"توحیدِ محبوب یہ ہے کہ انسان اپنے کسی محبوب نہ بنائے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں کسی اور کو ساتھی نہ قرار دے اور توحیدِ حُبّ یہ ہے کہ انسان کے قلب میں محبت کی کوئی مقدار بھی باقی نہ رہے بلکہ سب کی سب اُس کے لیے وقف کر دے۔ درحقیقت محبت اِسی کا نام ہے، اگرچہ اِس کو عشق کے نام سے بھی موسُوم کیا جاتا ہے۔ یہی انسان کی بدرجہ غایت اِصلاح، راحتِ نظر اور اِنعام و اِکرام ہے۔"

یہ بھی یاد رکھیے کہ اِصلاحِ قلب اور فراوانیٔ اِنعامات اِسی صُورت میں میسّر آسکتے ہیں کہ اُس کے دِل میں اللہ تعالیٰ اور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہو اور اگر غیر اللہ سے بھی محبّت رکھے تو وہ محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہو۔ یعنی اگر کسی سے محبت رکھے بھی تو وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لیے ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں اِس کی وضاحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ[1] الخ

[1] یہ حدیث صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے محبت رکھنے کے مترادف ہے کیونکہ جب اِنسان کسی سے محبت رکھے گا تو اگر یہ محبت اللہ کی رضا کے لیے ہو گی تو حقیقت میں اِس کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے ہو گا، اور اگر کسی خاص دنیوی مقصد کے لیے ہو گی تو یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں نقص پیدا کرے گی اور غیر اللہ کی محبت میں اضافہ کا باعث ہو گی۔

اللہ تعالیٰ سے محبّت کی صداقت کا پتا اِس سے چلتا ہے کہ محبُوب کے نزدیک جو اشیاء ناپسندیدہ ہیں یہ بھی اُن کو ناپسند اور مکروہ سمجھے، اور یہ مکرُوہ شے کُفر ہے۔ اِس کو اِس لیے مکروہ سمجھنا چاہیے کہ اِس سے دوزخ میں داخل ہونے کا خطرہ ہے۔ محبت کا یہ معیار بہت ہی عظیم اور بلند ہے کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنی زندگی سے زیادہ کسی چیز سے محبّت نہیں رکھتا۔

انسان جب اپنی جان اور اپنی زندگی سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے گا تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر اُس کے سامنے آگ پیش کی جائے اور کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرو ورنہ تمھیں آگ میں پھینک دیا جائے گا، تو وُہ لامحالہ آگ میں گِر جانے کو پسند کرے گا لیکن کفر کا مُرتکب نہ ہو گا۔ یہ ایسی عظیم الشان محبّت ہے جو عُشاق کے ہاں بھی مفقُود ہے، وُہ بھی اپنے محبُوب سے اِس درجہ محبت نہیں رکھتے بلکہ اِس قسم کی محبّت کی مثال اور نظیر کا ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ	جس شخص میں مندرجہ ذیل تین صفتیں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا۔
١۔ أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا	١ــــ تمام دنیا کی نسبت اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ زیادہ محبت کرے۔
٢۔ وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ	٢ــــ اگر کسی سے محبت کرے تو اُس کا مقصد صرف اللہ کی رضا جوئی ہو۔
٣۔ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ	٣ــــ ہدایت کے بعد کفر میں لوٹنا اُس کے نزدیک اِس درجہ تکلیف دہ ہو جیسا کہ آگ میں ڈالا جانا۔

یہ ایسی باکمال محبت ہے کہ انسان کے اپنے نفس، اپنے مال اور اپنی اولاد پر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کے احکام کو مقدم گردانا جاتا ہے۔ اِس بے مثل اور بے نظیر محبت سے ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے لیے خشوع وخضوع اور تذلل، عظمت وجلال اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری انسان کے دِل میں سرایت کر جاتی ہے۔ مخلوق کی محبّت میں اِس درجہ کی بلندی کا پایا جانا ممکن نہیں ہے اگرچہ اس کا مرتبہ کتنا ہی اُونچا کیوں نہ ہو۔

پس جو شخص اِس محبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دُوسرے کو شریک بنائے تو وُہ اِس سے ایسے شِرک کا اِرتکاب کرے گا جِس کی مغفرت نہیں ہوسکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرة - ١٦٥)	بعض لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرح محبت رکھتے ہیں اور جو ایماندار ہیں وُہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

اِس آیتِ کریمہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وُہ اللہ سے اِس قدر محبّت رکھتے ہیں کہ مُشرکین اپنے شرکاء اور انداد سے اِتنی محبّت بالکل نہیں رکھتے کیونکہ مؤمنین کی اللہ سے محبّت کا مِثل اور نظیر مخلوقات کی محبّت میں مِلنا محال ہے۔ جیسا کہ مؤمنین کا محبُوب بے مِثل ہے اِسی طرح مؤمنین کی محبّت بھی بے مثل اور بے نظیر ہے۔

ہر وُہ تکلیف جو غیر اللہ کی محبّت میں پہنچے وُہ اللہ کی محبّت کے سِلسلے میں ایک نعمت ثابت ہوتی ہے اور ہر وہ کراہت جو غیر اللہ کی محبّت میں محسوس کی جائے وہ اللہ کی محبّت کے لیے تسکینِ نظر کا باعث بنتی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبّت کے متعلق وہ مثالیں بیان کرے جو مخلوق کی محبت میں مخلوق کے لیے بیان کی جاتی ہیں مثلاً ہجر، وصل، محبت کا ٹوٹنا وغیرہ' ایسے الفاظ زبان سے نکالے، تو یاد رہے کہ ان امثالِ محبت کا اللہ تعالےٰ کی

وفي الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَ كَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کا اقرار کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی عبادت کی جاتی ہے اس سے کفر اور انکار کرے تو

محبت سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ ان سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے محبتِ خداوندی میں اس قسم کی امثال و تشبیہات بیان کرنے والا شخص خطا کار ہے' یہ اس کی بہت بڑی خطا اور بہت بڑی غلطی ہے، اتنی بڑی کہ یہ اللہ تعالےٰ سے بُعد اور اُس کے غضب کا باعث بنتی ہے۔"

قولہ : وَفِي الصَّحِيحِ

یہاں صحیح مسلم مراد ہے۔ یہ روایت عن ابی مالک الاشجعی عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مروی ہے۔ ابو مالک کا پورا نام یہ ہے:

ابو مالک سعد بن طارق کوفی رحمۃ اللہ علیہ ——— یہ ثقہ راوی ہیں اور تابعی ہیں۔ ۱۴۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ ان کے والد حضرت طارق بن اشیم بن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ (اشیم، احمر کے وزن پر ہے)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان سے احادیث مروی ہیں لیکن تمام روایات ان کے بیٹے ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں، ان کے علاوہ اور کسی سے نہیں۔

مسند امام احمد میں ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے یہ روایت سُنی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَنْ وَحَّدَ اللّٰهَ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَرُمَ — جو شخص اللہ کی توحید کا اقرار کرے اور جن جن اشیاء کی اللہ کے سوا عبادت کی جا رہی ہے

مَالُهٗ وَدَمُهٗ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

ان سب کا انکار کرے تو اسکا مال اور خون مسلمانوں پر حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

قولہٗ : مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اِس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے جان اور مال کی حفاظت کو دو باتوں کے ساتھ معلق اور مشروط فرمایا ہے :

۱ ــــ پہلی بات یہ ہے کہ انسان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی علم اور یقینِ کامل سے شہادت دے۔

۲ ــــ دوسری بات یہ کہ انسان ہر اُس شخص اور ذات سے بیزاری اختیار کرے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت ہو رہی ہو۔ اِس چیز کو آنحضرت ﷺ نے صرف الفاظ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ قول اور عمل دونوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

شارح کتاب شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیرِ بحث حدیث اور مندرجہ ذیل آیت کریمہ دونوں ہم معنیٰ ہیں۔ آیت کریمہ یہ ہے :

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ۔۲۵۶)

جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لایا اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"یہ حدیثِ پاک ان عظیم احادیث میں سے ایک ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنیٰ کی وضاحت کرتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں جان و مال کی حفاظت کا ذمہ

- صرف لفظی اقرار کو نہیں سمجھا
- اور نہ لفظ و معنیٰ کے حصول کو حفاظت کا ذریعہ قرار دیا
- اور نہ اقرار باللسان کو حفاظت کا ذریعہ فرمایا
- اور نہ عبادتِ الٰہی کو بلا شرکت غیرے حفاظت کا ذریعہ ٹھہرایا
- بلکہ توحید کے ساتھ ضروری قرار دیا کہ باطل معبودوں کا بھی انکار کیا جائے

یعنی جن کی عبادت ہو رہی ہے، جب تک کہ ان کی تردید نہ کرے اُسوقت تک اِسلام اُس کے جان ومال کا محافظ نہیں ہوسکتا۔
اگر کسی نے اِس سِلسلے میں شک اور تردّد سے کام لیا تو اِسلام اس کی حفاظت کا ذمّہ دار نہ ہوگا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ مسئلہ کتنا اہم، کتنا واضح اور کتنا صاف ہے اور شرک کے لیے کس درجہ بُرہانِ قاطع ہے۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
"یہی وہ شرطِ اوّل ہے جس کے بغیر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار درست نہیں ہوگا اور نہ ان مذکورۃ الصدر پانچ باتوں کے بغیر، جن کو مصنّف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کلمۂ طیبہ کا اقرار صحیح سمجھا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال - ۳۹)	اِن کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فِتنہ باقی نہ رہے اور دین پُورا کا پُورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

ایک دوسری جگہ یوں فرمایا کہ

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبۃ - ۵)	مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور اُنھیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، تو اُنھیں چھوڑ دو۔

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مُشرکین سے جنگ جاری رکھنے کا حکم فرمایا حتّٰی کہ وُہ شرک سے توبہ کریں اور اپنی عبادت اور اعمال کو صِرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خاص کرلیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وُہ اِن میں سے کسی ایک حکم کا بھی اِنکار کرینگے تو جنگ جاری رکھی جائیگی۔
صحیح مسلم میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ يُؤْمِنُوْا بِيْ وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ

مجھے حکم ملا ہے کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں حتیٰ کہ وہ لآ اِلٰہ اِلاَّ اللہ کا اقرار کریں اور مجھ پر اور جو میری طرف وحی کیا گیا ہے اس پر ایمان لے آئیں۔ اگر یہ لوگ (یہ تینوں چیزیں) تسلیم کرلیں تو انھوں نے اپنا مال اور خون محفوظ کرلیا۔ ہاں! اسلام کا حق معاف نہ ہوگا، اِن کا حساب اللہ کے سُپرد ہوگا۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مُشرکین سے اُس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ لآ اِلٰہ اِلاَّ اللہ محمد رّسول اللہ کا اقرار نہ کرلیں۔ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر یہ (تینوں) چیزیں تسلیم کرلیں تو اُنھوں نے اپنا مال اور خون مسلمانوں سے محفوظ کرلیا۔ ہاں! اسلام کا حق معاف نہ ہوگا اور آخرت کا حساب اللہ کے سُپرد ہوگا۔

مذکورۃ الصدر دونوں احادیث سورۃ انفال اور سورۃ براۃ کی آیات کی تفسیر اور توضیح ہیں۔ علمائے اُمت کا اِس پر اتفاق ہے کہ جو شخص لآ اِلٰہ اِلاَّ اللہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اِس کے معنیٰ پر اعتقاد نہیں رکھتا اور نہ اِس کے تقاضوں پر عمل ہی کرتا ہے، ایسے شخص سے جنگ جاری رہے گی جب تک کہ وہ اِس کے تقاضوں کو پُورا نہ کرے اور اِس ضمن میں نفی اور اثبات کی صُورت میں جو احکام دیے گئے ہیں اُن پر عمل کی دیواریں استوار نہ کرے۔

مندرجہ بالا حدیث کے متعلق ابوسلیمان الخطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"یہاں اصنام اور اوثان کے پجاری مراد ہیں، اہلِ کتاب مراد نہیں ہیں"

کیونکہ اوثان کے پجاری لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور پھر مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی گردنوں سے تلوار نہیں اُٹھائی جائے گی۔"

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کرے، اُس کی جان و مال کی حفاظت کو خاص اِس لیے کیا گیا ہے کہ اس کے دِل میں ایمان راسخ ہو جائے۔ اِس سے مشرکینِ عرب اور اہلِ اوثان مراد ہیں۔ ان کے علاوہ جو کفر کی حالت میں توحید کا اقرار کرتے ہیں اُن سے صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار اُن کی جان و مال کی حفاظت کے لیے کافی نہیں ہے۔"

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"اِس ایمان کے ساتھ ساتھ اُن تمام احکام پر بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں، ایمان لانا اور عمل کرنا لازمی ہے جیسا کہ حدیث میں اِس کی تشریح موجود ہے کہ "یُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِہٖ"

تاتاریوں کے ساتھ جنگ کے بارے میں جب شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

"تاتاری ہوں یا کوئی اور گروہ، جب تک شریعتِ اِسلامیہ کے ظاہری احکام پر عمل نہ کریں اُس وقت تک اُن سے جنگ جاری رکھی جائے گی۔ اگرچہ وُہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کا اقرار کرتے ہوں اور بعض احکامِ شریعت پر عامل ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن لوگوں سے جنگ کا اِعلان فرمایا تھا جنھوں نے صرف زکوٰۃ دینے سے اِنکار کیا تھا۔ تمام فقہائے اُمت کا اِس پر اتفاق ہے۔"

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جو جماعت یا گروہ چند نمازیں ادا کرے اور چند چھوڑ دے یا روزے نہ رکھے یا حج نہ کرے یا جس شخص کا خون حرام ہے اس کی پروا نہ کرے یا لوگوں کا مال لُوٹتا پھرے یا شراب کا عادی ہو، یا جُوا کھیلتا ہو یا محرم عورت سے نکاح کرے یا جہاد ترک کر دے یا ان کے علاوہ واجباتِ دین میں سے کسی امرِ واجب کو بلا عذرِ شرعی ترک کر دے جس کے ترک پر

حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَ حِسَابُهُ عَلَى

اللّٰهِ عزوجل

وَ شَرْحُ هٰذِهِ التَّرْجَمَةِ مَا بَعْدَهَا

مِنَ الْأَبْوَابِ -

اُس کی جان اور مال محفوظ ہوگیا، البتہ اِس کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اِس باب کی شرح آئندہ آنے والے تمام ابواب ہیں۔

کفر لازم آتا ہو، ایسے گروہ سے جنگ کرنا ضروری ہے اگرچہ وہ گروہ مندرجہ بالا احکام کا زبانی طور پر اقرار بھی کرتا ہو۔"

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اِس میں علماء کا اختلاف مجھے نظر نہیں آیا بلکہ محققین علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ یہ گروہ باغی نہیں کہلائے گا بلکہ دائرہ اِسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔"

قولہ : وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ :

یعنی اُس کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ سو جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اِقرار قلب کی گہرائیوں اور صدقِ دِل سے کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے اِنعام واکرام سے نوازے گا اور اگر اُس کے دِل میں نفاق ہے تو وہ عذابِ الیم سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔ البتہ دنیا میں اُس کے ظاہری اعمال پر حکم لگایا جائے گا۔

غرض یہ ہے کہ جو شخص توحید کا اقرار کرے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جو ظاہرِ اسلام کے منافی ہو اور شریعتِ اِسلامیہ کی باقاعدہ پابندی کرے اُس سے تعرض نہ کرنا ضروری ہے۔

شارح کا کہنا ہے کہ زیرِ بحث حدیث سے ثابت ہُوا کہ بعض اوقات انسان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کرتا ہے لیکن معبودانِ باطل کی تردید نہیں کرتا تو آیاتِ مُحکم اور احادیثِ رسُول ﷺ کی رُو سے ایسے شخص کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں اور اہلِ اسلام کے ذمّہ ہرگز نہ ہوگی۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: فِيهِ أَكْبَرُ الْمَسَائِلِ وَ أَهَمُّهَا وَ هِيَ تَفْسِيرُ التَّوْحِيدِ وَ تَفْسِيرُ الشَّهَادَةِ وَ بَيَّنَهَا بِأُمُورٍ وَاضِحَةٍ۔

① اس باب میں جو سب سے اہم مسئلہ بیان ہوا وہ توحید اور کلمہ "لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ" کی تفسیر ہے جسے واضح اور صاف الفاظ میں چند باتوں سے بیان کیا گیا ہے۔

الثانیۃ: مِنْهَا: آيَةُ الْإِسْرَاءِ بَيَّنَ فِيهَا الرَّدَّ عَلَى الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ يَدْعُونَ الصَّالِحِينَ۔

فَفِيهَا: بَيَانُ أَنَّ هٰذَا هُوَ الشِّرْكُ الْأَكْبَرُ۔

② ان میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ہے جس میں ان مشرکین کی تردید کی گئی ہے جو مصائب و مشکلات میں صالحین کو پکارتے ہیں، اور یہی شرکِ اکبر ہے۔

الثالثة: وَ مِنهَا : أيَةُ بَرَآءَة ، بَيَّنَ فِيهَا أَنَّ أَهلَ الكِتَابِ إِتَّخَذُوا أَحبَارَهُم وَ رُهبَانَهُم أَربَابًا مِّن دُونِ اللهِ وَ بَيَّنَ أَنَّهُم لَم يُؤمَرُوا إِلَّآ بِأَن يَّعبُدُوا إِلٰهًا وَّاحِدًا مَعَ أَنَّ تَفسِيرَهَا الَّذِي لَآ إِشكَالَ فِيهِ طَاعَةُ العُلَمَآءِ وَ العُبَّادِ فِي المَعصِيَةِ لَا دُعَآؤُهُم إِيَّاهُم۔

③ تیسری بات جو اس باب میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے سورۂ براۃ کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں اہلِ کتاب کے کردار کا نقشہ کھینچا گیا ہے' اہلِ کتاب کا یہ عمل بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اپنا ربّ بنالیا تھا جس کا اِن کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ تھا بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، حالانکہ سُورۂ براۃ کی آیات کی بلا اشکال صحیح تفسیر یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے اپنے علماء و عبّاد کو ربّ بنانے کے معنی عمل معصیت میں ان علماء و زہّاد کی اطاعت کرنا ہے نہ کہ ان سے فریادیں کرنا مراد ہے۔

الرابعة: وَ مِنهَا : قَولُ الخَلِيلِ عَلَيهِ السَّلَامُ لِلكُفَّارِ : "إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا

تَعْبُدُوْنَ إِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ۔ فَاسْتَثْنٰی مِنَ الْمَعْبُوْدِیْنَ رَبَّهٗ، وَ ذَکَرَ سُبْحٰنَهٗ أَنَّ هٰذِهِ الْبَرَاءَةَ وَ هٰذِهِ الْمُوَالَاةَ هِیَ تَفْسِیْرُ شَهَادَةِ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ "وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً ' بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ" ۔

④ چوتھی بات جو اس باب میں ذکر ہوئی وُہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وُہ برأت ہے جس کا انھوں نے کفّار کے سامنے اِظہار فرمایا تھا کہ "میں تمہارے باطل معبُودوں سے علیحدگی اِختیار کرتا ہوں اور صِرف اُس ذات کی اِتباع کا دَم بھرتا ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِن باطل معبُودوں سے اپنے ربّ تعالیٰ کو بہت ہی اَحسن انداز سے مستثنیٰ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اِسی برأت اور موالات کو حقیقت میں "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تفسیر اور شہادت سے تعبیر فرمایا اور کہا کہ "ہم نے اِس عظیم الشان کلمہ کو اپنے خلیل کی اَولاد میں باقی رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اس کی طرف رجوع کریں اور مستفیض ہوتی رہیں۔"

الخامسۃ وَ مِنْهَا : أٰیَةُ الْبَقَرَةِ فِی الْكُفَّارِ الَّذِیْنَ قَالَ فِیْهِمْ "وَ مَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ" ذَکَرَ أَنَّهُمْ

يُحِبُّوْنَ أَنْدَادَهُمْ كَحُبِّ اللهِ۔
فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُمْ يُحِبُّوْنَ اللهَ حُبًّا
عَظِيْمًا وَ لَمْ يُدْخِلْهُمْ فِي الْإِسْلَامِ
فَكَيْفَ بِمَنْ أَحَبَّ النِّدَّ أَكْبَرُ
مِنْ حُبِّ اللهِ؟ فَكَيْفَ بِمَنْ
لَمْ يُحِبَّ إِلَّا النِّدَّ وَحْدَهُ وَ لَمْ
يُحِبَّ اللهَ؟

⑤ اِس باب میں اہم ترین وہ مسئلہ ہے جو سورۃ بقرہ کی آیت میں بیان ہوا ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ "اہلِ کفر جہنّم سے ہرگز نہ نکل پائیں گے" اِس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ کافر اور مشرک اپنے انداد سے اِسی طرح محبّت رکھتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنی چاہیے تھی۔ اِس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کافر اور مشرک بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویدار تھے، لیکن اِس کے باوجود ان کو حلقۂ اِسلام میں شمار نہیں کیا گیا کیونکہ اِس محبّت کو صرف اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص رہنا چاہیے، غور فرمایئے کہ اُس شخص کا کیا مقام ہے جو اپنے انداد سے اللہ سے زیادہ محبّت رکھتا ہو؟ یا اُس شخص کی حالت کیا ہوگی جس کی اللہ تعالیٰ سے تو محبّت نہیں ہے مگر وہ اپنے باطل معبُودوں سے محبت رکھتا ہے؟

السادسۃ وَ مِنْهَا : قَوْلُهُ ﷺ "مَنْ قَالَ
لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ كَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ
مِنْ دُوْنِ اللهِ حَرُمَ مَالُهُ وَ دَمُهُ

وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ"

وَهٰذَا مِنْ أَعْظَمِ مَا يُبَيِّنُ مَعْنَى "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" فَإِنَّهُ لَمْ يَجْعَلِ التَّلَفُّظَ بِهَا عَاصِمًا لِلدَّمِ وَ الْمَالِ۔

بَلْ وَ لَا مَعْرِفَةُ مَعْنَاهَا مَعَ لَفْظِهَا۔ بَلْ وَ لَا الْإِقْرَارُ بِذٰلِكَ۔ بَلْ وَ لَا كَوْنُهُ لَا يَدْعُو إِلَّا اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ بَلْ لَا يَحْرُمُ مَالُهُ وَ دَمُهُ حَتّٰى يُضِيْفَ إِلٰى ذٰلِكَ الْكُفْرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

فَإِنْ شَكَّ أَوْ تَوَقَّفَ لَمْ يَحْرُمْ مَالُهُ وَ دَمُهُ فَيَالَهَا مِنْ مَسْأَلَةٍ مَا أَعْظَمَهَا وَ أَجَلَّهَا؟ وَيَالَهُ مِنْ بَيَانٍ مَآ أَوْضَحَهُ وَحُجَّةٍ مَا أَقْطَعَهَا لِلْمُنَازِعِ؟

⑥ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ "جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا

اقرار کرے اور معبودانِ باطل کا اِنکار کرے تو اسلام اِس کی جان اور مال کا محافظ ہے اور اِس کا حساب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔"

رحمتِ عالم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنیٰ و مفہوم کو ٹھیک ٹھیک واضح کرتا ہے کیونکہ آں حضرت ﷺ نے صرف زبانی اقرار، اقرار کے ساتھ معنیٰ کا سمجھ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ صرف اس کی عبادت بایں طور کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار اس وقت تک فائدہ مند ثابت نہ ہوگا جب تک کہ معبودانِ باطل کی تردید اور مخالفت نہ کی جائے۔ اگر کسی نے باطل معبودوں کے بارے میں ذرا بھی شک کیا یا توقف سے کام لیا تو اس کے جان و مال کی حفاظت کا اسلام ذمہ دار نہ ہوگا۔

یہ مسئلہ کتنا عظیم اور اہم ہے؟

کتنا واضح اور غیر مبہم ہے؟

اور مخالفین کے خلاف کس درجہ برہانِ قاطع ہے؟

باب

مِنَ الشِّرْکِ لُبْسَ الْحَلْقَۃِ وَالْخَیْطِ

اِس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رفعِ بلا اور دفعِ مصائب کے لیے چھلا پہننا یا گلے میں دھاگے ڈالنا شرک ہی کی ایک قسم ہے۔

قولہ تعالیٰ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ○ (الزمر - ۳۸)

اِن سے کہو، جب حقیقت یہ ہے تو تمھارا کیا خیال ہے کہ اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمھاری یہ دیویاں جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اُس کی رحمت کو روک سکیں گی؟

بس اِن سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ باطل معبود کسی کام کو سرانجام دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

قولہ: قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکّل اور بھروسہ کرے، اُس کی ضروریات کا اللہ ہی ضامن ہے۔

جیسا کہ حضرت ہُود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ:

إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○

"مَیں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے، اِس سے مَیں بیزار ہوں۔

مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي

تم سب کے سب مِل کر میرے خلاف اپنی کرنی

جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○	میں کسر اٹھانہ رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔
اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ	میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا ربّ بھی
رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ	ہے اور تمھارا ربّ بھی۔ کوئی جان دار
دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ	ایسا نہیں جس کی چوٹی اُس کے ہاتھ
بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ	میں نہ ہو۔ بے شک میرا ربّ
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○	سیدھی راہ پر ہے۔

(ھود - ۵۴، ۵۵)

اس آیتِ کریمہ کے معنی کے متعلق مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے سوال کیا تو سب خاموش ہو گئے، اِس لیے کہ مشرکین یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے کہ ہمارے یہ معبود کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ اپنے معبودوں کے بارے میں وُہ صرف یہ تصور رکھتے تھے کہ یہ ہمارے اور اللہ تعالےٰ کے مابین وسائط وشفعا ہیں۔ وُہ ہرگز یہ نہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لیے مشکل کُشا ہیں یا ہماری بے بسی اور بےکسی کی حالت کو بدل سکتے ہیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے جیسا کہ اُس کا فرمان ہے کہ:

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ	پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم
فَاِلَیْهِ تَجْئَرُوْنَ ۚ○ ثُمَّ اِذَا	لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے
كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا	ہو۔ مگر جب اللہ اُس وقت کو ٹال دیتا ہے
فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ	تو یکایک تم میں سے ایک گروہ اپنے ربّ
یُشْرِكُوْنَ ۙ○	کے ساتھ دوسروں کو (اس مہربانی کے شکریہ
(النحل ـــ ۵۳،۵۴)	میں) شریک کرنے لگتا ہے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ اور اِس قسم کی دوسری آیات، غیر اللہ سے قلبی تعلق وابستہ کرنے یا کسی سے حصولِ نفع اور رفعِ ضرر کی توقع قائم رکھنے کو باطل قرار دیتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی شرک ہے۔ اِس آیت میں مشرکین کی یہ علامت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور مصائب ومشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ چیز توحید کی عین ضد ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جائے، اُسی کی طرف رجوع کیا جائے، اسی پر

عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِّنْ صُفْرٍ ۔ فَقَالَ صلی اللہ علیہ وسلم مَا هٰذِهٖ ؟ قَالَ مِنَ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ : إِنْزَعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلّہ دیکھا۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزدری) کی وجہ سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے اُتار دے یہ تجھے کمزوری کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

توکل کیا جائے اور تمام عبادات کا مرکز و محور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو قرار دیا جائے جیسا کہ کتاب وسُنّت میں اس کے دلائل موجود ہیں اور جس طرح کہ پہلے گزر چکا کہ سلفِ امّت اور ائمہ دین کا اس مسئلے پر اجماع ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت اِن الفاظ میں نقل کی ہے کہ

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص
اَبْصَرَ عَلٰى عَضُدِ رَجُلٍ	کو ہاتھ میں پیتل کا کڑا پہنے ہوئے دیکھا آپؐ
حَلْقَةً قَالَ : اُرَاهَا مِنْ	نے پوچھا "تجھ پر افسوس ہو، یہ کیا
صُفْرٍ فَقَالَ وَيْحَكَ مَا	ہے ؟
هٰذِهٖ ؟ قَالَ مِنَ	اُس نے کہا کہ "واہنہ (بیماری کا نام ہے)
الْوَاهِنَةِ قَالَ : اَمَا	کے لیے پہنا ہے!" آپؐ نے فرمایا
اِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ	خبردار! اِس سے تیری بیماری اور کمزوری
اِلَّا وَهْنًا اِنْزَعْهَا	بڑھے گی، گھٹے گی نہیں۔ اسے اُتار دو

عَنْكَ فَاِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا اَفْلَحْتَ اَبَدًا
اگر یہ پہنے ہوئے تجھے موت آگئی تو تو کبھی بھی نجات نہ پا سکے گا۔"

صحیح ابن حبّان میں یہ الفاظ ہیں کہ

فَاِنَّكَ اِنْ مُتَّ اُوكِلْتَ اِلَيْهَا
اگر اسی حالت میں تیری موت واقع ہوگئی تو تجھے اسی کے سپرد کر دیا جائیگا۔

حاکم رحمہ اللہ نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے

قولہ : عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

ان کا پورا نام یہ ہے :
عمران بن حصین بن عبید بن خلف الخزاعی رضی اللہ عنہ ابو نُجَید ان کی کُنیت تھی۔
یہ خود بھی صحابی تھے اور ان کے والد ماجد بھی صحابی تھے۔
جس سال خیبر فتح ہوا تھا یہ اسی سال مسلمان ہوئے تھے۔
انھوں نے ۵۲ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔
حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن کا عمران سے سماع ثابت ہے اور پھر سند میں " اخبرنی عمران" سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

قولہ : رأى رَجُلاً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے ہاتھ میں حلقہ دیکھا تھا اُس کا نام حدیث میں درج نہیں لیکن حاکم رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں اِس کی وضاحت موجود ہے کہ اس حدیث کے راوی خود کہتے ہیں کہ :

دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِيْ عَضُدِيْ حَلْقَةُ صُفْرٍ
مَیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور مَیں نے اپنے بازو میں پیتل کا ایک کڑا بیماری کیلئے باندھ رکھا تھا الخ

قولہ : مَا هٰذِهِ (الحدیث)

لفظ مَا تفصیل طلبی کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور استفہام انکاری کی بنا پر بھی۔ یہاں استفہام انکاری کا مفہوم زیادہ واضح ہے۔

فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَ هِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا

اگر اس چھلّہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آگئی تو تُو کبھی نجات نہ پائے گا۔

قولهٗ : مِنَ الْوَاهِنَةِ

واہنہ کی تشریح میں ابنِ اثیر صاحب النہایہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ ایک رگ ہے جو کندھوں یا ہاتھ میں پھُول جاتی ہے، اِس سے نجات حاصل کرنے کے لیے دم کیا جاتا ہے۔"

بعض کا کہنا ہے کہ واہنہ مرد کے بازو میں ایک بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ بیماری عورتوں کو لاحق نہیں ہوتی۔

آنحضرت ﷺ نے اِس حلقہ کو پہننے سے اس لیے روک دیا تھا کہ مریض نے وہ حلقہ اِس وجہ سے پہنا تھا کہ یہ حلقہ اس کو درد سے محفوظ رکھے گا۔

اِس نوع کے امراض میں انسان کے عقیدے کو بہت بڑا دخل ہے

قولهٗ : اِنْزَعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ إِلَّا وَهْنًا

نزع کسی چیز کو طاقت کے ساتھ اتار پھینکنے کو کہتے ہیں۔

اِس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ اِس کڑے سے بجائے فائدہ کے اُلٹا نقصان ہوگا جس سے تم مزید کمزور پڑ جاؤ گے۔ اِس کے علاوہ بھی آنحضرت ﷺ نے جِن اشیائے کے استعمال سے منع فرمایا ہے وہ بسا اوقات فائدہ مند ثابت نہیں ہوتیں اور اگر ان سے کسی وقت معمولی فائدہ ہو بھی جائے تو نقصان، فائدہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

قولهٗ : فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ

آنحضرت ﷺ نے یہ اِس لیے فرمایا کہ اس قسم کے چھلّے وغیرہ کو پہننا شرک ہے، اور شرکیہ تعویذ گنڈوں سے فلاح و کامیابی اور سعادت حاصل نہیں ہوسکتی (فلاح سے مُراد کامیابی فتح اور سعادت ہے۔) شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

رَوَاهُ أَحْمَدُ بِسَنَدٍ لَا بَأْسَ بِهٖ۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کو ایسی سند سے بیان کیا ہے
جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کہ "شرکِ اصغر اکبر الکبائر" ہے کی تصدیق کرتی ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ لاعلمی کی بنا پر بھی کسی شخص کو شرک کے معاملے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا، جو شخص اس قسم کے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس پر بہت ہی سختی سے نکیر کی گئی ہے۔

قولہ : رَوَاهُ أَحْمَدُ

امام احمد رحمہ اللہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-
احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حسان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن معد بن عدنان۔
امام احمد رحمہ اللہ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ابوعبداللہ ذہلی، ثم شیبانی مروزی، ثم بغدادی۔ اپنے وقت کے امام تھے اور اس دور کے تمام فقہاء اور محدثین میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ انتہائی پرہیزگار، سنتِ خیر الوریٰ کے بہت ہی شیدائی تھے۔ بدرجہ غایت متقی اور احکامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت درجہ کے متبع تھے۔ اہلِ سنت میں سے کسی نے ان کے بارے میں خوب کہا ہے کہ

عَنِ الدُّنْيَا مَا كَانَ أَصْبَرَهُ
وَ بِالْمَاضِيْنَ مَا كَانَ أَشْبَهَهُ
أَتَتْهُ الدُّنْيَا فَأَبَاهَا

کس درجہ دنیاوی مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے والے تھے کس درجہ سلف صالحین کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ دنیا اپنی زیب و زینت سے سج دھج کر انکے سامنے آئی لیکن انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور شکوک و شبہات ان پر

وَالشُّبَهُ فَنَفَاهَا — حملہ آور ہوئے لیکن ان کی ہمت و بصیرت نے انکو ختم کر دیا

یہ جلیل القدر امام ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ۲ ربیع الاول کو بیمار ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ کے روز فوت ہو گئے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہ اور فضل بن زیاد کا کہنا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ ربیع الاول کو فوت ہوئے۔

حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ۱۲ ربیع الاول، جمعۃ المبارک ۲۴۱ھ کو ۷۷ برس کی عمر پا کر آپ نے انتقال کیا۔

جن بے شمار ائمہ کرام سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کسبِ علم کیا اُن میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں :۔

ہشیم رحمۃ اللہ علیہ

جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ

معتمر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ

ان اساتذہ کرام کے علاوہ مکۃ المکرمہ، بصرہ، کوفہ، یمن اور بغداد وغیرہ شہروں کے لاتعداد شیوخ سے فیضِ علم حاصل کیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جن لوگوں نے روایت نقل کی، ان میں درج ذیل جلیل القدر ائمہ عظام کے اسمائے گرامی لائقِ تذکرہ ہیں :

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں بیٹے حضرت عبداللہ اور صالح رحمہم اللہ ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ،

وله عن عقبة بن عامر مرفوعًا : مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللهُ لَهُ ۔ وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللهُ لَهُ ۔

مسند احمد میں ہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گلے میں تعویذ لٹکاتا ہے، اللہ تعالےٰ اُس کی خواہش کو پورا نہ کرے۔

اور جو شخص سیپی وغیرہ لٹکائے اللہ اُسے آرام نہ دے۔

امام مسلم رحمہ اللہ، ابوداؤد رحمہ اللہ، ابُوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ، ابراہیم الحربی رحمہ اللہ، ابوزرعۃ الدمشقی رحمہ اللہ، عبداللہ بن ابی الدنیا رحمہ اللہ، ابوبکر الاثرم رحمہ اللہ، عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ، ابوالقاسم البغوی رحمہ اللہ۔

امام بغوی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ سے سب سے آخر میں روایت بیان کرنے والوں میں ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے مندرجہ ذیل اَئمہ نے بھی ان سے روایت نقل کی ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ اور اسود بن عامر رحمہ اللہ

ان کے اقران میں سے علی بن مدینی رحمہ اللہ اور یحیٰی بن معین رحمہ اللہ بھی ان سے اَخذِ روایت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہُوئے۔

قولہٗ : وله عن عقبة بن عامر مرفوعًا

اِس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مُسند میں نقل کیا ہے۔ اِسی طرح ابو یعلیٰ رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اِس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اِس کی تصدیق کی ہے۔

قولہٗ : مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ

حدیث کا یہ ایک جُملہ ہے، پُوری حدیث یہ ہے جو مسند امام احمد میں ہی منقول ہے۔

وفي رواية: مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص نے اپنے گلے میں تعویذ لٹکایا اُس نے شرک کیا۔

فقال حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث حدثنا عبد العزيز بن مسلم حدثنا يزيد بن ابى منصور عن دجين الحجرى عن عقبة بن عامر الجهنى

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَقْبَلَ اِلَيْهِ رَهْطٌ فَبَايَعَ تِسْعَةً وَاَمْسَكَ عَنْ وَاحِدٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَايَعْتَ تِسْعَةً وَاَمْسَكْتَ عَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: اِنَّ عَلَيْهِ تَمِيْمَةً فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فَقَطَعَهَا فَبَايَعَهٗ۔

دس افراد پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے نو سے تو بیعت لے لی اور ایک کی بیعت سے ہاتھ روک لیا۔ سب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے نو سے بیعت لے لی لیکن ایک شخص کو کیوں چھوڑ دیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس نے تعویذ باندھ رکھا ہے چنانچہ اس شخص نے تعویذ کو فوراً کاٹ کر پھینک دیا تب آپؐ نے بیعت لے لی۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کے مشہور صحابی تھے اور فاضل فقیہ تھے اور بلند مقام رکھتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین سال تک مصر کے گورنر رہے۔ ۶۰ھ کے قریب فوت ہوئے۔

قَالَ مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ

اور فرمایا کہ جس نے تعویذ ڈالا، اُس نے شرک کیا

حاکم رحمہ اللہ نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے، اِس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

قولہٗ: مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً

یعنی جو شخص اِس نیّت سے تعویذ گلے میں ڈالے کہ اِس سے کوئی نفع حاصل ہوگا یا کوئی تکلیف اور مصیبت دُور ہو جائے گی۔

تمیمہ کے متعلق المنذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

" تمیمہ چمڑے کے اُس پُرزے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز لکھی گئی ہو۔ اہلِ عرب اِس نیت سے لٹکاتے تھے کہ اِس سے آفات سے بچاؤ ہو سکے۔ یہ سراسر جہالت اور ضلالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی تکلیف دُور کر سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے۔"

ابو السعادات رحمۃ اللہ علیہ "نہایہ" میں لکھتے ہیں کہ تمیمہ[1] کو عرب لوگ اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے تاکہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں لیکن اسلام نے اِس کو باطل قرار دیا۔

قولہ : فَلَا اَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعویذ گنڈوں والوں کے لیے یہ بد دُعا ہے۔

قولہ : وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ

ودعة بفتح الواو وسكون المهملة

صاحبِ مسند الفردوس لکھتے ہیں کہ :

" ودعہ ایک سمندری چیز ہے جس کا رنگ سفید ہوتا ہے اور وہ صدف کی ہم شکل ہوتی ہے۔ اہلِ عرب اس کو بچّوں کے گلے میں اِس لیے ڈالتے تھے تاکہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔"

قولہ : فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ

یعنی اُسے آرام و سکون حاصل نہ ہو۔ صاحبِ نہایہ ابو السعادات رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اُس کے لیے بد دُعا ہے۔

قولہ : وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ

ابو السعادات رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ :

---

[1] شیشے کے سوراخ دار دانے جن کو تسبیح یا ہار وغیرہ میں پرو کر گلے میں ڈالا جاتا تھا۔

ولابن ابی حاتم عن حذیفة رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهٖ خَيْطٌ مِنَ الْحُمّٰى فَقَطَعَهٗ

ابنِ ابی حاتم ؒ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کی وجہ سے دھاگہ دم کیا ہوا دیکھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اُسے کاٹ دیا۔

" اِس کو شرک اِس لیے کہا گیا ہے کہ ان کا یہ گمان تھا کہ یہ اللہ تعالےٰ کی لکھی ہوئی تقدیر کو بدل سکتی ہے اور یہ کہ اُنھوں نے اِس کو غیراللہ سے ضرر و بلیات کا حل سمجھا جب کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مشکلات کو دُور نہیں کر سکتا۔"

قولہٗ : وَلِابْنِ اَبِیْ حَاتِمٍ

پوری روایت یہ ہے :-

قال ابن ابی حاتم : حدثنا محمد بن الحسین بن ابراهیم بن اشکاب، حدثنا یونس بن محمد، حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الاحول عن عروة

دَخَلَ حُذَيْفَةُ عَلٰى مَرِيْضٍ فَرَاٰى فِيْ عَضُدِهٖ سَيْرًا فَقَطَعَهٗ اَوِ انْتَزَعَهٗ ثُمَّ تَلَا : وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ (یوسف - ۱۰۶)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک شخص کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے بازو میں ایک دھاگہ بندھا ہوا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ پھینکا اور یہ آیت پڑھی وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے :۔
ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس الرازی التیمی الحنظلی۔
ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ حافظ الحدیث تھے۔ تفسیر، جرح و تعدیل اور دیگر علوم کے ماہر تھے۔
۳۲۷ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یمان کے بیٹے تھے۔ یمان کا نام حُسَیل تھا۔ انہیں حسل بھی کہا جاتا ہے۔ عبسی تھے، انصار کے حلیف تھے۔ جلیل القدر اور سابقین الاولین صحابہ میں سے تھے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبُ السّر بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے والد ماجد حضرت یمان رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع زمانے میں فوت ہوئے۔

قولهٗ : فَرَاٰی رَجُلًا فِیْ یَدِہٖ خَیْطٌ مِنَ الْحُمّٰی
جاہل لوگ تعویذ، دھاگے اور اسی قسم کی دیگر غلط رسوم کا ارتکاب کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے بخار اُتر جاتا ہے۔

حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے:

اَنَّہٗ دَخَلَ عَلٰی مَرِیْضٍ یَعُوْدُہٗ فَلَمَسَ عَضُدَہٗ فَاِذَا فِیْہِ خَیْطٌ	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے بازو کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اس پر کوئی دھاگا بندھا ہوا ہے۔
فَقَالَ : مَا ھٰذَا؟	پوچھا کہ یہ کیا ہے؟
قَالَ : شَیْءٌ رُقِیَ لِیْ فِیْہِ	مریض بولا کسی نے مجھے یہ دھاگا دم کرکے دیا ہے۔
فَقَطَعَہٗ وَ قَالَ : لَوْ مُتَّ وَ ھُوَ عَلَیْکَ مَا صَلَّیْتُ عَلَیْکَ	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ دیا اور فرمایا کہ اگر تو اسے پہنے ہوئے فوت ہو جاتا تو میں تیری نماز جنازہ نہ پڑھتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس قسم کے تعویذ گنڈے قطعاً ممنوع ہیں اگرچہ ان کا پہننے والا یہ خیال کرتا ہو کہ یہ صرف اسباب ہیں، حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی دافع البلیات ہے اور وہی مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔ اسباب بھی وہی اختیار کرنے چاہئیں جن کا شریعتِ اسلامیہ میں کوئی وجود ہو اور

وتلا قوله وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ (یوسف ۱۰۶)

اور پھر قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اِن میں سے اکثر اللہ کو مانتے تو ہیں مگر اِس طرح کہ اُس کے ساتھ دُوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

تعویذ دھاگے اور صدف وغیرہ تو جاہلیت کی رسمیں ہیں اور ان کا پہننا شرک ہے اگرچہ اِنسان اِن کو نافع اور ضار نہ بھی خیال کرے۔ اِس قسم کے اعمال کی بُرائی سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیے اور اگر ہو سکے تو ہاتھ سے روک دے ورنہ زبان سے تو اِس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ اِس قسم کے شرکیہ تعویذات کو بزور اُتار پھینکنا چاہیے اگرچہ پہننے والا اس کی اجازت نہ دے۔

قولہٗ وَتَلَا قَوْلَہٗ تَعَالٰی وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ○

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اِس آیتِ کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ تعویذ گنڈے شرک ہیں اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جن آیات سے شرکِ اکبر ثابت کیا جاتا ہے ان سے شرکِ اصغر مراد لینا درست ہے۔ کیونکہ جہاں شرکِ اکبر مراد ہو گا وہاں شرکِ اصغر مراد لینا تو بالاَولیٰ درست ہو گا۔

اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے شیخ الاسلام وغیرہ کی عبارات کی رُوشنی میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَلتَّغْلِيظُ فِي لُبْسِ الْحَلْقَةِ وَ الْخَيطِ وَ نَحْوِهِمَا لِمِثْلِ ذٰلِكَ۔

① تعویذ دھاگہ اور لوہے وغیرہ کے چھلے پہننے پر سخت وعید۔

الثانیہ: أَنَّ الصَّحَابِيَّ لَوْ مَاتَ وَ هِيَ عَلَيْهِ مَا أَفْلَحَ فِيهِ شَاهِدٌ لِكَلَامِ الصَّحَابَةِ أَنَّ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ أَكْبَرُ مِنَ الْكَبَائِرِ۔

② اگر صحابی بھی اِس قسم کے تعویذ گنڈے پہنے ہُوئے فوت ہو جائے تو اُس کی نجات مشکل ہے۔ اِس سے پتہ چلا کہ شرکِ اصغر اکبر الکبائر ہے۔

الثالثہ: أَنَّهُ لَمْ يُعْذَرْ بِالْجَهَالَةِ۔

③ اِس کا جہالت کی بنا پر پہننا بھی قابلِ عذر نہیں۔

صحابہ کرام کے یہ وہ آثار ہیں جن سے ان کے علمی کمال اور توحید کے بارے میں ان کی تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔ وہ توحید کے منافی اعمال و افعال سے قطعی طور پر بے زار رہتے تھے۔

الرابعة: أَنَّهَا لَا تَنفَعُ فِي الْعَاجِلَةِ بَلْ تَضُرُّ ۔ لقولهٖ لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا ۔

④ یہ تعویذ گنڈے بجائے نفع کے نقصان دہ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تجھے کمزوری کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

الخامسة: اَلْإِنْكَارُ بِالتَّغْلِيظِ عَلٰى مَنْ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ ۔

⑤ جو شخص اِن کو پہنے اُس کو سختی سے روکنا۔

السادسة: اَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ ۔

⑥ اِس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ جو شخص اِن کو پہنے گا اُس کو اُنہیں کے سپرد کر دیا جائے گا۔

السابعة: أَنَّ تَعْلِيقَ الْخَيْطِ مِنَ الْحُمّٰى مِنْ ذٰلِكَ ۔

⑦ بُخار کی وجہ سے دھاگہ لٹکانا شرک ہے۔

الثامنة: أَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّ مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ ۔

⑧ اِس کی بھی وضاحت ہے کہ جو شخص تعویذ پہنتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔

التاسعة: تِلَاوَةُ حُذَيْفَةَ الْآيَةَ دَلِيلٌ

عَلٰى أَنَّ الصَّحَابَةَ يَسْتَدِلُّوْنَ بِالْآيَاتِ الَّتِيْ فِي الشِّرْكِ الْأَكْبَرِ عَلَى الْأَصْغَرِ كما ذكر ابن عبّاس في آية البقرة۔

⑨ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا آیتِ قرآن کو تلاوت کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آیات سے، جو شرکِ اکبر کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، شرکِ اصغر بھی مراد لیتے تھے جیسا کہ حضرۃ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرہ کی آیت سے اِستدلال کیا ہے۔

العاشرة أَنَّ تَعْلِيْقَ الْوَدْعِ عَنِ الْعَيْنِ مِنْ ذٰلِكَ۔

⑩ نظرِ بد سے بچاؤ کی خاطر صدف وغیرہ پہننا بھی شرک ہے۔

الحادية عشرة أَلدُّعَاءُ عَلٰى مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً أَنَّ اللهَ لَا يُتِمُّ لَهٗ وَ مَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللهُ لَهٗ۔ أي تَرَكَ اللهُ لَهٗ۔

⑪ جو شخص تعویذ اور صدف وغیرہ باندھتا ہے اُس کے لیے بد دُعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مطلب پُورا نہ کرے۔

بابُ
ما جاء
فِی الرُّقیٰ والتمائم
اِس باب میں
دم، تعوِیذ اور گنڈوں وغیرہ
کے بارے میں
شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں

فی الصحیح عن ابی بشیر الانصاری رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهٖ فَأَرْسَلَ رَسُوْلًا۔ أَنْ لَّا يَبْقَيَنَّ فِيْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِّنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے اپنے ایک قاصد کو بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کوئی ایسی رسی باقی نہ رہنے دی جائے (جو نظرِ بد وغیرہ کے سلسلے میں لوگ باندھ دیا کرتے تھے) اگر ہے تو اس کو کاٹ دیا جائے

قولہ : فِي الصَّحِيْحِ

یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔

قولہ : عَنْ اَبِیْ بَشِیْرٍ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ

ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ ابو بشیر کا نام قیس بن عبید تھا۔

ابنِ عبدالبر کا کہنا ہے کہ اُن کے نام کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی۔

یہ صحابی رسولؐ ہیں۔ غزوۂ خندق میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ ۶۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔ بعض اہلِ سیر کا کہنا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پا کر فوت ہوئے۔

قولہ : فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ سفر کون سا تھا۔

قولہ : فَاَرْسَلَ رَسُوْلًا

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حارث بن ابی اسامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں اس قاصد کا نام زید بن حارثہ لکھا ہے۔

قولہ : اَنْ لَّا یَبْقَیَنَّ

وَتَرًا ـــــ کمان کی تانت کو کہتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب یہ تانت پرانی ہو جاتی تو نئی تبدیل کر لیتے اور پرانی تانت کو چوپایوں کے گلوں میں ڈال دیتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس سے جانور نظرِ بد سے محفوظ رہتا ہے۔

قولہ : اَوْ قِلَادَۃٌ اِلَّا قُطِعَتْ

راوی کو شک ہے کہ ان کے شیخ نے صرف قلادۃ کا لفظ بولا تھا یا قِلَادَۃٌ مِّنْ وَتَرٍ کہا تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ صرف قلادۃ کا لفظ کہا تھا "من وتر" سے اس کو مقید نہیں کیا، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ قلادۃ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ :

مَا سَمِعْتُ بِکَرَاھِیَتِھَا اِلَّا فِی الْوَتَرِ۔ میں نے اس کی کراہت کے بارے میں کچھ نہیں سنا، البتہ اگر تانت ہو تو وہ مکروہ ہے۔

ابوداؤد میں بغیر شک کے یہ لفظ یوں مذکور ہے۔ "ولا قلادۃ" اور کوئی بھی لٹکائی جانے والی رسی، اس میں مِنْ وَتَرٍ کہ تانت کی قید کا ذکر نہیں ـــ امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنۃ میں لکھتے ہیں کہ :

" امام مالک رحمہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ:

"تمام قسم کے قلائد کو قطع کر دیا جائے گا"، یہ تاویل کی ہے کہ یہ نظرِ بد کی وجہ سے لٹکائے جاتے تھے کیونکہ جاہل لوگ قلائد اور تانت وغیرہ پر تعویذ لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ ان کو آفات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے روک دیا اور ان کو یقین دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر اور تقدیر کو قطعاً نہیں روک سکتے۔"

ابن الجوزی رحمہ اللہ اور ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" جاہل لوگ اپنے اونٹوں کے گلے میں تانت کا ہار اس لیے پہنایا کرتے

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ

تھے کہ جانور نظرِ بد سے محفوظ رہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن سب کو اتار پھینکنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

" زیرِ بحث حدیث مرفوع ہے، اِس کی تائید حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی روایت کرتی ہے جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ — جو شخص تعویذ ڈالے اللہ اُس کی مُراد پُوری نہ کرے۔

تمیمہ، اُن قلائد کو کہتے ہیں جو نظرِ بد سے تحفظ کی غرض سے گردن میں لٹکائے جاتے ہیں۔"

قولُهٗ : عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ گھریلو واقعہ ہے جسے امام ابُوداؤد رحمہ اللہ نے پُورا نقل فرمایا ہے۔ ابوداؤد میں یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے کہ:

عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَأَى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے شوہر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میری گردن میں ایک دھاگا دیکھا اور پوچھنے لگے کہ یہ دھاگا کیسا ہے؟

قُلْتُ: خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ

میں نے عرض کی کہ یہ دھاگا مجھ کو دم کر کے دیا گیا ہے۔

قَالَتْ، فَأَخَذَهُ ثُمَّ قَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ: اَنْتُمْ آلُ عَبْدِ اللّٰهِ لَاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ"

یہ سنتے ہی اُنھوں نے یہ دھاگا میرے گلے سے کاٹ پھینکا اور یہ فرمایا کہ تم عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کا خاندان ہو، تم شرک سے بے نیاز ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ اور اعمالِ حُبّ شرک ہے۔

فَقُلْتُ: لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَكُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰى فُلَانٍ الْيَهُوْدِيِّ فَاِذَا رَقٰى سَكَنَتْ

میں نے عرض کی کہ میری آنکھ میں چبھن محسوس ہوتی تھی چنانچہ میں فلاں یہودی کے ہاں دم کرانے کے لیے جایا کرتی تھی اُس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہو جاتا تھا۔

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّمَا ذَاكِ عَمَلُ الشَّيْطَانِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَاِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكِ اَنْ تَقُوْلِيْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ "اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے کہ یہ شیطانی عمل ہے۔ وہی اپنے ہاتھ سے چبھن پیدا کرتا تھا اور جب دم کر دیا جاتا تو وہ ہاتھ روک لیتا۔ لہٰذا تمھارے لیے اِس طرح کہنا کافی تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ:

"اے کائنات کے پروردگار! تکلیف کو دُور فرما دے اور تیری شفا ہی دراصل شفا ہے، شفا عطا فرما کیونکہ تو ہی شفا بخشنے والا ہے۔ ایسی شفا عطا کر کہ جس کے

جھاڑ پھونک، تعویذ اور حُبّ کے اعمال سب شرک ہیں۔

سَقَمًا۔" بعد کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہے۔"

اِس روایت کو ابنِ ماجہ، ابنِ حبّان اور حاکم نے بھی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اِسے صحیح قرار دیا ہے۔

قولہٗ : اِنَّ الرُّقٰى

مصنف رحمہ اللہ اِس کی تشریح کرتے ہیں کہ:

هِيَ الَّتِي تُسَمَّى الْعَزَائِمَ وَ خَصَّ مِنْهُ الدَّلِيلُ مَا خَلَا مِنَ الشِّرْكِ فَقَدْ رَخَّصَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَّةِ

یہ وہی دَم ہے جو عزائم کے نام سے مشہور ہے۔ اِن میں سے وُہ قسم جس سے شرک لازم نہ آتا ہو، جائز ہے کیونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اور بخار کے لیے دَم کرنے کی اجازت دی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کی اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہی جھاڑ پھونک اور دَم شرک ہے جس میں غیر اللہ سے استعانت کی گئی ہو۔ البتہ وہ دَم جس میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام، اُس کی صفات اور آیاتِ قرآنیہ تلاوت کی جائیں یا وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، وہ مستحسن اور جائز ہے۔

ایسے ہی دَم کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ — ہم زمانہ جاہلیت میں دَم کیا کرتے تھے۔

فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ — ہم نے اِسکے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ﷺ كَيْفَ تَرَى فِيْ ذٰلِكَ ؟ — سے سوال کیا کہ اس کے بارے میں آپؐ کا کیا حکم ہے ؟

فَقَالَ : اَعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا — تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ دم میرے سامنے پیش کرو۔ اگر اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اِس مطلب کی احادیث کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر دم میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں تو جائز ہے۔

الخطابی رحمہ اللہ کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے :

" آنحضرت ﷺ نے خود دم کیا ہے اور آپؐ کو بھی دم کیا گیا ہے، اور آپؐ نے اِس کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ دم کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر دم قرآنی آیات پر مشتمل ہو تو جائز ہے۔ البتہ ممانعت اس دم کی ہے جو عربی زبان میں نہ ہو کیونکہ بسا اوقات غیر عربی الفاظ کفریہ ہوتے ہیں یا ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جس میں شرکیہ کلمات پائے جاتے ہیں "

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ جاہلیت میں اِس قسم کے تعویذ گنڈوں کے عادی تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ اِن سے آفات وغیرہ دُور رہتی ہیں اور ان پر جنات کا اثر ہوتا ہے۔ اِسی قسم کا مفہوم علامہ الخطابی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :

" مجہول اور غیر معروف اسماء سے دَم نہیں کرنا چاہیئے چہ جائیکہ ان الفاظ سے دُعا مانگی جائے اگرچہ اِن اسماء اور الفاظ کے معنی معلوم ہی ہوں۔ اِسی بناء پر غیر عربی الفاظ سے دُعا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں ! جو شخص عربی بالکل نہیں جانتا وُہ دوسری زبان میں دُعا مانگ سکتا ہے۔ عجمی الفاظ کو شعار اور وظیفہ مقرر کر لینا دینِ اِسلام میں جائز نہیں[1] ہے۔ "

---

[1] بعض جاہل صوفیا نے غیر عربی وظائف کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے جیسے " کرکدن کردون دھدہ ، اصبائت اھیا شراھیا جلیوت " وغیرہ۔

ان مُشرک صوفیاء کا کہنا ہے کہ یہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔ یہ اور اِس قسم کے دُوسرے وظائف کا دینِ اسلام سے

"اَلتَّمَآئِمُ" شَئٌ يُعَلَّقُ عَلَى الْأَوْلَادِ مِنَ الْعَيْنِ لٰكِنْ إِذَا كَانَ الْمُعَلَّقُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَرَخَّصَ فِيْهِ بَعْضُ السَّلَفِ وَ بَعْضُهُمْ لَمْ يُرَخِّصْ فِيْهِ، وَ يَجْعَلُهُ مِنَ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ مِنْهُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

تمام ان تعویذات کو کہا جاتا ہے جو نظرِ بد سے محفوظ رہنے کے لیے بچوں کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں۔ اگر یہ تعویذ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں تو بعض اہلِ علم نے ان کو جائز قرار دیا ہے اور بعض نے ناجائز۔ ناجائز قرار دینے والوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

علّامہ جلال الدّین السیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" علمائے اُمّت کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دَم اور رُقیہ، جس میں مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں، جائز ہے:

۱۔ وہ دَم جو کلام اللہ، اسماء اللہ یا اُس کی صفات پر مبنی ہو۔

۲۔ وہ دَم جو عربی زبان میں ہو، اس کے معنیٰ بھی واضح اور مشہور ہوں اور مطابق شریعتِ اسلامی ہو۔

۳۔ یہ کہ دَم کرنے والا اور کروانے والا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ دَم فی نفسہٖ

کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ یہودیوں کی سازش تھی جو انھوں نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے تیار کی تاکہ مسلمان شرک فی الالوہیّت اور شرک فی الرّبوبیّت میں مبتلا ہو کر جہنم کا ایندھن بنیں۔

افسوس کہ سادہ لوح مسلمانوں نے اس سازش کو نہ سمجھا اور اس قسم کے شرکیہ وظائف میں مبتلا ہو کر رہ گئے

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

کوئی باا ثر چیز نہیں ہے بلکہ سارا معاملہ اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اثر ہو گا۔"

قولہ : اَلتَّمَائِمُ شَيْئٌ يُعَلَّقُ عَلَى الْاَوْلَادِ مِنَ الْعَيْنِ

علامہ خلخالی رحمہ اللہ، تمائم کی تشریح میں کہتے ہیں کہ :

تمائم، تمیمہ کی جمع ہے۔ تمیمہ یہ ہے کہ ننھی منی کوڑیوں اور ہڈیوں کو ملا کر ایک ہار سا بنایا جاتا ہے جو بچوں کے گلوں میں اس لیے ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔ ایسے ہاروں کا پہننا سخت منع ہے کیونکہ مصائب کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ہر قسم کی موذی چیز سے تحفظ فقط اللہ تعالیٰ، اُس کے پاک نام اور اُس کی صفات کے ذریعہ سے ہی حاصل کرنا چاہیے۔"

قولہ : لٰكِنْ اِذَا كَانَ الْمُعَلَّقُ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے بڑے بڑے اہل علم کے درمیان اس باب میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ تعویذات جو قرآنِ کریم کی آیات یا اسماءُ اللہ الحسنٰی پر مشتمل ہوں، جائز ہیں یا ناجائز ؟

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوجعفر الباقر رضی اللہ عنہم اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جائز ہیں۔ جن احادیث میں اس سے نہی منقول ہے، اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ وہ تعویذ جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں ناجائز ہیں۔ یہ حضرات، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین کی کثیر تعداد، جن میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے کئی شاگرد بھی شامل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ اور اُن کے کئی شاگردوں کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ تعویذ ناجائز ہیں۔ اس کے لیے ان کی دلیل یہی زیرِ بحث حدیث ہے۔ بعض علمائے متاخرین کا رجحان بھی یہی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر، ابنِ عکیم اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم کے ظاہری الفاظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

شارح کتاب التوحید فرماتے ہیں کہ کچھ تامل کے بعد مندرجہ ذیل تین وجوہ کی بنا پر دوسری صورت ہی زیادہ قرینِ صحت معلوم ہوتی۔

○ پہلی وجہ یہ ہے کہ نہی عام ہے، عموم کو خاص کرنے والی کوئی حدیث نہیں ہے۔

○ دُوسری وجہ یہ ہے کہ شرکیہ اور بدعیہ تعویذات کا ذریعہ بند کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو ممنوع قرار دے دیا جائے کیونکہ قرآن کی آیات سے ایسے تعویذ بھی لکھے جانے کا خطرہ ہے جو کتاب و سُنّت کے خلاف ہیں اور انسان کو مشرک بنا دیتے ہیں۔

○ تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآنی آیات سے لکھے ہوئے تعویذات گلے میں ڈالنے والا لازمی طور پر بیت الخلاء میں بھی جائے گا اور ان کو پہنے ہوئے استنجاء وغیرہ بھی کرے گا۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ اور سلف صالحین کے اُسوہ پر غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت قارئینِ کرام پر واضح ہو جائے گی کہ ان تعویذات سے اِسلام کو مجموعی طور پر نقصان ہی پہنچا ہے۔
آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دَور کے بعد کے حالات پر اگر آپ نظر دوڑائیں گے تو پتا چلے گا کہ لوگوں نے کس طرح قبروں کی تعظیم کی، کس انداز سے قبروں پر چراغاں کرنا شروع کیا۔ اپنے دِلوں کو کتنی عاجزی اور اِنکساری سے اہلِ قبور کی طرف متوجہ کیا اور کیسے کیسے عجیب و غریب اسلوب سے اہلِ قبور سے دعائیں اور حاجتیں طلب کیں اور لوگوں کے دِلوں پر کس قدر اہلِ قبور کا خوف و ہراس طاری ہوا۔ اِن مختلف عبادات میں کس طرح لوگوں نے اہلِ قبور کو شریک کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص تھیں۔ ربِ کریم کی تو یہ ہدایت تھی کہ

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝	اللہ کریم کے ماسوا کسی ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے، اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ	اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے

لہ یہ قرآنی آیات کے ساتھ مذاق اور اِستہزاء ہے، کیونکہ قرآنِ کریم کے نزول کی غرض و غایت یہ ہے کہ یہ لوگوں کے لیے ہدایت کی کتاب ہے، کُفر و اسلام کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ امراضِ قلب کے لیے شفاء کامل ہے متقین کے لیے نصیحت ہے اور اس سے کافروں اور مشرکوں کو سوائے خسارے اور نااُمیدی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ نے اِس لیے نہیں نازل کیا تھا کہ اس کے تعویذ گنڈے بنا لیے جائیں اور خواہشاتِ نفسانی کے متبعین اس کی آیات کو کھیل تماشہ قرار دے لیں۔

وَ الرُّقٰی : هِيَ الَّتِي تُسَمَّى الْعَزَائِمَ وَ خَصَّ مِنْهُ الدَّلِيلُ مَا خَلَا مِنَ الشِّرْكِ رَخَّصَ فِيهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَةِ۔

وَ التِّوَلَةُ شَيْءٌ يَصْنَعُوْنَهُ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُ يُحَبِّبُ الْمَرْأَةَ إِلٰى زَوْجِهَا وَ الرَّجُلَ إِلٰى إِمْرَأَتِهِ۔

رُقٰی اور عزائم دونوں ہم معنٰی ہیں۔ شرکیہ تعویذات کے علاوہ نظرِ بد اور زہریلے کیڑے کے کاٹنے کے بارے میں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے۔

تِوَلَہ، وہ عمل ہے جسے اِس خیال سے کیا کرتے تھے کہ اِس سے مرد اور عورت میں باہم اُلفت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۝ — تو اُس کے سوا اِس کو دُور کرنے والا کوئی نہیں۔

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ — اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اُسکے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ اور بھلائی پہنچاتا ہے۔ اور وہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

(یونس ۔ ۱۰۶، ۱۰۷)

قرآنِ کریم میں اِس مضمون کی آیات اِتنی تعداد میں ہیں کہ اِن کو شمار میں لانا مشکل ہے۔

وعن عبد الله بن عكيم مرفوعًا : مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ۔ (رواه احمد و الترمذي)

حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گلے یا بازو میں کوئی تعویذ یا دھاگا لٹکاتا ہے تو اُس کی ذمہ داری اُسی تعویذ دھاگے کے سپرد کردی جاتی ہے۔

قولہ : اَلتِّوَلَةُ

مصنف رحمہ اللہ نے خود ہی اِس کی تعریف کی ہے "جس سے ان کے نزدیک مرد عورت میں محبت بڑھ جاتی ہے"۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، جو اس روایت کے راوی ہیں، انھوں نے بھی یہی تعریف کی ہے، جیسا کہ صحیح ابن حبان اور حاکم میں روایت ہے کہ صحابہؓ نے عرض کی کہ "اے ابا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ! رُقیٰ اور تمائم کو تو ہم جانتے ہیں لیکن التِّوَلہ کیا شئے ہے؟"

اُنھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "یہ ایک تعویذ ہے جس کو یہ لوگ مُحبّت کی غرض سے تیار کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اِس سے، عورت مرد کی نظروں میں اور مرد عورت کی نظروں میں محبوب ٹھہرتا ہے"۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"التِّوَلہ جادُو کی ایک قسم ہے جس کے ذریعے عورتیں اپنے شوہروں کی نظر میں محبوب بننے کی سعی کرتی ہیں"۔

اِس قسم کے جادُو ٹونے شرک اس لیے ہیں کہ ان کے ذریعے غیر اللہ سے کوئی نفع حاصل کرنے یا مصیبت دُور کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

قولہ : مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ

حدیث میں جس "تعلّق" کا ذکر ہے وُہ دِل سے بھی ہوتا ہے، عمل اور فعل سے بھی ہوتا ہے اور کبھی دِل اور عمل دونوں سے ہوتا ہے، تینوں صُورتوں میں کوئی صورت بھی ہو، جس شئے

سے اس کا تعلق وابستہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اُس کی ذمہ داریوں کو اسی کے سپرد کر دیتا ہے۔ سو جس شخص کے دل کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ استوار ہو گیا اور اُس نے اپنی تمام حاجات کی ذمہ داری اللہ پر ڈال دی، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہوا اور اپنے تمام معاملات اللہ ہی کو سونپ دیے تو اللہ تعالےٰ اُس کی تمام ضروریات کو خود پورا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور اس کی جملہ حاجات کا آپ کفیل بن جاتا ہے اور کامیابی کے بعید ترین امکانات کو قریب تر کر دیتا ہے اور ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے۔

جس شخص نے اپنا تعلق غیر اللہ سے جوڑ لیا، اپنی رائے اور عقل پر بھروسہ کر لیا اور مختلف تعویذ دھاگے اور جادو ٹونے سے وابستگی اختیار کر لی۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اُنہی اشیا کے سپرد کر دیتا ہے، اُسے ذلیل و رسوا بنا دیتا ہے اور اپنی رحمت سے دُور کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت نصوص و تجربات سے ثابت شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ
فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (الطلاق-۳)	کریگا تو اللہ کریم اُس کے لیے کافی ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں یہ حدیث درج کرتے ہیں کہ:

حدثنا هشام بن القاسم حدثنا ابو سعيد المؤدب حدثنا من سمع عطاً الخراسانی

قَالَ: لَقِيْتُ وَهْبَ بْنَ	عطا خراسانی کہتے ہیں کہ میں وہب بن
مُنَبِّهٍ وَهُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ	منبہ کو طوافِ بیت اللہ کی حالت میں
فَقُلْتُ: حَدِّثْنِيْ حَدِيْثًا	ملا تو میں نے کہا کہ اِس مقام پر مجھے کوئی
اَحْفَظُهٗ عَنْكَ فِيْ مَقَامِيْ	مختصر حدیث سنائیے جسے میں حفظ کر لوں!
هٰذَا وَاَوْجِزْ	
قَالَ. نَعَمْ	وہب نے کہا کہ ہاں سُنو!
اَوْحَى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى	اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام
اِلٰى دَاؤدَ يَا دَاؤدُ	کی طرف وحی کی کہ اے داوٗد!
اَمَا وَعِزَّتِيْ وَعَظَمَتِيْ	مجھے اپنی عزت و عظمت کی قسم! میرے
لَا يَعْتَصِمُ بِيْ عَبْدٌ	بندوں میں سے جو شخص بھی میرے ساتھ

وروي احمد عن رويفع رضی اللہ عنہ قال قال لِي رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا رُوَيْفِعُ!

امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، حضرت رویفع رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے رویفع"!

مِنْ عِبَادِيْ دُوْنَ خَلْقِيْ	سب مخلوق کو چھوڑ کر اپنا دلی تعلق قائم
اَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْ نِيَّتِهٖ	کرلیتا ہے اور میں اسکو اس کے دل کی
فَتَكِيْدُهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ	نسبت سے جانتا ہوں تو ایسے شخص کے
وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَالْاَرَضُوْنَ	خلاف اگر ساتوں آسمان اور زمینیں اور
السَّبْعُ وَمَنْ فِيْهِنَّ	ان میں بسنے والے سازش کرنا چاہیں تو
اِلَّا جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ بَيْنِهِنَّ	میں اُس کے بچاؤ کے لیے کوئی نہ کوئی
مَخْرَجًا	مخرج ضرور پیدا کردوں گا۔
اَمَا وَ عِزَّتِيْ وَ عَظَمَتِيْ	مجھے اپنی عزت و عظمت کی قسم! مجھے
لَا يَعْتَصِمُ عَبْدٌ مِنْ	چھوڑ کر جو شخص دوسروں سے دلی تعلق
عِبَادِيْ بِمَخْلُوْقٍ دُوْنِيْ	قائم کرلے اور یہ بات مجھے اُس کی نیت
اَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْ نِيَّتِهٖ	سے معلوم ہوجاتی ہے، تو میں تمام آسمان
اِلَّا قَطَعْتُ اَسْبَابَ السَّمَاءِ	سے متعلقہ تمام قسم کے اسباب و ذرائع
مِنْ يَدِهٖ وَ اَسَخْتُ	کو ختم کردوں گا اور زمین اس کے پاؤں
الْاَرْضَ مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْهِ	تلے سے نکال دوں گا، پھر مجھے کوئی پرا
ثُمَّ لَا اُبَالِيْ بِاَيِّ اَوْدِيَتِهَا	نہ ہوگی کہ وہ کس وادی میں جاکر
هَلَكَ	تباہ ہوتا ہے۔

قولہ : وَرَوَى الْاِمَامُ اَحْمَدُ عَنْ رُوَيْفِعٍ

لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا أَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَآبَّةٍ أَوْ عَظْمٍ۔ فَاِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیْءٌ مِّنْهُ۔

"ممکن ہے تم زیادہ عرصہ تک جیو، لہٰذا لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی کے بالوں کو بٹ کر یا سمیٹ کر باندھ لے یا تانت وغیرہ کا ہار گلے میں ڈال لے، یا کسی چوپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے۔ تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس سے بیزار ہیں"

زیرِ بحث حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن اسحاق اور حسن بن موسیٰ الاشیب سے روایت کی ہے۔ یحییٰ اور حسن دونوں ابن لہیعہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث ایک طویل حدیث کا ایک حصہ ہے۔ حسن کی روایت کے مطابق پوری حدیث یہ ہے:

كَانَ اَحَدُنَا فِيْ زَمَنِ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور
رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم	میں ہم میں سے بعض افراد اپنے دوسرے
يَأْخُذُ جَمَلَ اَخِيْهِ عَلٰى	بھائی کا اونٹ اِس شرط پر حاصل کر لیا
اَنْ يُّعْطِيَهُ النِّصْفَ مِمَّا	کرتے تھے کہ مالِ غنیمت آدھا آدھا بانٹ
يَغْنَمُ وَلَهُ النِّصْفُ حَتّٰى	لیں گے، حتیٰ کہ بعض اوقات ہم میں کا
اِنَّ اَحَدَنَا لَيَصِيْرُ لَهُ	ایک نیزے کے لوہے اور پَر کا مالک
النَّصْلُ وَالرِّيْشُ وَلِلْاٰخَرِ	بن جاتا اور دُوسرا پیالے کا۔
الْقَدَحُ ثُمَّ قَالَ لِيْ	پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یا اے رویفع ! ......

رُوَیْفِعُ ! .... الحدیث

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بھی روایت نقل کی ہے۔ وہ سند یہ ہے :

عن یحیی بن غیلان حدثنی الفضل حدثنا عیاش بن عباس

اَنَّ شُیَیْمَ بْنَ بَیْتَانَ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَمِعَ شَیْبَانَ الْقِتْبَانِیَّ

پہلی سند میں ابن لہیعہ راوی ہے جس کو محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں۔

دوسری سند میں شیبان القتبانی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مجہول ہے۔ باقی سب راوی ثقہ ہیں۔

قولہٗ : لَعَلَّ الْحَیَاۃَ سَتَطُوْلُ بِکَ

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طویل ہونے کا ذکر فرمایا ہے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک تھا۔ چنانچہ حضرت رویفع رضی اللہ عنہ ۵۶ھ تک زندہ رہے اور برقہ نامی شہر میں جو مصر کے علاقے میں واقع ہے، عہدۂ گورنری پر بھی فائز رہے اور وہیں فوت ہوئے تھے۔ حضرت رویفع رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ بعض اہلِ سیر کا خیال ہے کہ یہ ۵۳ھ میں فوت ہوئے تھے

قولہٗ : فَاَخْبِرِ النَّاسَ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی سے پتا چلا کہ جس چیز کا کسی کو علم ہو، اُس کو دوسروں تک پہنچانا واجب ہے۔ اس کا وجوب ہر شخص کے لیے ہے، یہ صرف حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہ تھا اور اگر دونوں شخص علم میں برابر ہوں تو پھر یہ واجب نہیں بلکہ فرض کفایہ ہوگا۔

ابوداؤد کی شرح میں ابوزرعہ نے اسی طرح لکھا ہے۔

قولہٗ : اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْیَتَہٗ

علامہ الخطابی رحمۃ اللہ علیہ "عقد لحیتہ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اِس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ غیر عرب لوگ بحالتِ جنگ اپنی ڈاڑھیوں کو بٹ کر گانٹھ مار لیتے تھے۔ یہ صورت تکبر، عجب اور فخر وغرور پر دلالت کرتی تھی۔[1]

---

[1] یہ عجم کے متکبرین کا فیشن تھا اِس لیے اِس سے بیزاری کا اعلان فرمایا۔

۲ ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاڑھی کے بالوں کو ایک خاص قسم کا تیل لگا کر بالوں کو اکٹھا کر کے گانٹھ مار دی جائے تاکہ بال بکھرنے نہ پائیں ۔ یہ عورتوں کا سا فعل تھا۔

ابوزرعہ بن العراقی کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ "عقدِ لحیہ" کو نماز کی حالت پر قیاس کیا جائے جیسا کہ محمد بن ربیع کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ فِي الصَّلٰوةِ — جو شخص نماز میں اپنی ڈاڑھی کو گانٹھ دیتا ہے۔

قولہ : أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا

یعنی وتر اور تانت کا ہار بنا کر اپنی گردن یا کسی چارپائے کی گردن میں ڈال دے۔

محمد بن الربیع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا يُرِيدُ تَمِيمَةً — جو شخص تانت گلے میں ڈال لے اس سے مراد تانت کو بطور تعویذ کے استعمال کرنا ہے

مندرجہ بالا وعید اُس شخص کے بارے میں ہے جو اپنی زندگی میں تعویذ دھاگہ اور جادو ٹونا پر اعتماد کر بیٹھے۔ پس اُس شخص کا کیا حشر ہو گا جو اپنا تعلّق مُردوں سے جوڑ لے اور مُردوں سے اپنی حاجات طلب کرے اور اپنی مشکلات کو دُور کرنے کے لیے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے جس کی نہی صریح اور محکم آیاتِ قرآنیہ میں وارد ہو چکی ہے؟

قولہ : أَوِ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيءٌ مِنْهُ

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس کا معنی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اُس کے اس فعل سے بری الذمہ ہیں"۔

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ مطلب بیان کرنا حدیث کے ظاہری الفاظ کے مفہوم کے خلاف ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائے، اُن کی یہ عادت ہے کہ وہ ظاہری احادیث کے مفہوم کی تاویل کر کے دُور کے معنی مراد لے لیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

وعن سعید بن جبیر قال : مَنْ قَطَعَ تَمِیْمَةً مِّنْ اِنْسَانٍ کَانَ کَعَدْلِ رَقَبَةٍ۔

وله عن ابراھیم قال : کَانُوْا یَکْرَھُوْنَ التَّمَآئِمَ کُلَّھَا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَ غَیْرِ الْقُرْاٰنِ۔ (رواہ وکیع)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص کسی کے گلے سے تعویذ وغیرہ کاٹ دے تو اُس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔"

ابراہیم بن یزید نخعی کوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بہت سے علماء اور فقہاء تعویذات کو، وہ قرآن کریم کی آیات پر مشتمل ہوں یا غیرِ قرآن پر، مکروہ قرار دیتے ہیں۔

لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَ لَا الْعِظَامِ فَاِنَّهٗ زَادُ اِخْوَانِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ

گوبر اور ہڈی سے استنجا نہ کیا کرو کیوں کہ یہ تمھارے بھائی جِنّات کی خوراک ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق گوبر اور ہڈی سے استنجا کفایت نہیں کرے گا کیونکہ اِس سلسلے میں ابنِ خزیمہ اور دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَھٰی اَنْ یُّسْتَنْجٰی بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثٍ وَقَالَ اِنَّھُمَا لَا یُطَھِّرَانِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ ان سے پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی۔

قولہٗ : عن سعید بن جبیر رحمہ اللہ

سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول امام وکیع نے ذکر کیا ہے، شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: اہلِ علم کے نزدیک یہ قول مرفوع کا حکم رکھتا ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی اور یہ مرسل شمار ہوگی

کیونکہ سعید تابعی ہیں، اِس کلام سے تعویذات وغیرہ کے کاٹ دینے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ شرک ہے

قولہٗ : رَوَاہُ وَکِیْعٌ

وکیع کا پورا نام یہ ہے : وکیع بن الجراح الکوفی۔

حضرت وکیع ثقہ راویوں میں سے تھے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے امام تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی سب سے مشہور کتاب الجامع ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے طبقہ کے اہل علم نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

زیر بحث حدیث میں ہر قسم کے تعویذات اتار پھینکنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اِس لیے کہ یہ بھی شرک ہے۔

قولہ : عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :

ابراھیم کا پورا نام یہ ہے۔ امام ابراھیم بن یزید النخعی الکوفی۔ ان کی کنیت ابوعمران تھی۔ یہ اپنے زمانے کے کبار فقہا میں سے تھے اور ثقہ راویوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

المزّی کا کہنا ہے کہ امام ابراہیم رحمہ اللہ، اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے لیکن اُن کا اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ——— یہ جلیل القدر تابعی ۹۶ھ میں فوت ہوئے۔ اُس وقت ان کی عمر تقریباً پچاس سال تھی۔

قولہٗ : كَانُوا يَكْرَهُونَ التَّمَائِمَ كُلَّهَا

یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت علقمہ، اسوَد، حارث بن سوید، ابووائل، عبیدۃ السلمانی، مسروق، ربیع، ابن خثیم، سوید بن غفلہ رحمہم اللہ وغیرہ مراد ہیں۔ یہ تمام حضرات عظیم المرتبت تابعین میں سے تھے۔

اور اس صیغے کو ابراہیم رحمہ اللہ (عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کے اقوال کے تذکرہ کے وقت استعمال کرتے تھے، جیسا کہ کئی حافظوں مثلاً حافظ عراقی رحمہ اللہ وغیرہ نے صراحت کی ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيرُ الرُّقٰی وَ التَّمَائِمِ۔

① رُقیہ اور تمیمہ کی تشریح۔

الثانیۃ: تَفْسِيرُ التِّوَلَۃِ۔

② تولہ کے مفہوم کی وضاحت۔

الثالثۃ: أَنَّ هٰذِهِ الثَّلَاثَ كُلَّهَا مِنَ الشِّرْكِ مِنْ غَيْرِ إِسْتِثْنَآءٍ۔

③ رُقیہ، تمیمہ اور تولہ بلا استثنا تینوں شرک ہیں۔

الرابعۃ: أَنَّ الرُّقْيَةَ بِالْكَلَامِ الْحَقِّ مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَةِ لَيْسَ مِنْ ذٰلِكَ۔

④ وہ رُقیہ جو صحیح الفاظ پر مشتمل ہو اور نظرِ بد اور بخار کی وجہ سے کیا جائے وُہ شرک نہ ہوگا۔

الخامسۃ: أَنَّ التَّمِيمَةَ إِذَا كَانَتْ مِنَ الْقُرْآنِ فَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَآءُ هَلْ هِيَ مِنْ ذٰلِكَ أَمْ لَا ؟

⑤ وہ تعویذ جو قرآنی آیات پر مشتمل ہو اُس کی ممانعت و عدمِ ممانعت میں علماء کے اختلاف کی وضاحت۔

السادسۃ: أَنَّ تَعْلِيقَ الْأَوْتَارِ عَلَى الدَّوَابِّ عَنِ الْعَيْنِ مِنْ ذٰلِكَ

⑥ نظرِ بد سے بچاؤ کی خاطر چوپایوں کی گردنوں میں تانت ڈالنا شرک ہے۔

السابعۃ: أَلْوَعِيدُ الشَّدِيدُ عَلَى مَنْ تَعَلَّقَ وَتَرًا۔

⑦ جو شخص تانت وغیرہ کا ہار گلے میں ڈالے اُس کے لیے سخت ترین وعید۔

الثامنۃ: فَضْلُ ثَوَابِ مَنْ قَطَعَ تَمِيمَةً مِّنْ إِنْسَانٍ

⑧ جو کسی دوسرے شخص کے گلے سے تعویذ اتار پھینکے، اُس کے لیے اجرِ جزیل کا وعدہ۔

التاسعۃ: أَنَّ كَلَامَ إِبْرَاهِيمَ لَا يُخَالِفُ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الْإِخْتِلَافِ لِأَنَّ مُرَادَهُ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ۔

⑨ ابراہیم بن یزید کوفی رحمہ اللہ کا کلام عُلماء کے اختلاف کے منافی نہیں ہے کیونکہ اُن کے کلام سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد مراد ہیں۔

اِس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص درخت، پتھر یا قبر وغیرہ سے برکت حاصل کرتا ہے، اس کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے۔

قولہ تعالیٰ أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ۝ (النجم۔ ۱۹)

اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور اس عزّیٰ اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟

قولہ : أَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى :

لات ـــ بنو ثقیف کی دیوی کا نام ہے۔

عُزّیٰ ـــ بنو کنانہ اور قریش کی مشترکہ معبودہ تھی۔

مناۃ ـــ اِس کا تعلّق بنو ہلال سے تھا۔

ابنِ ہشام کے قول کے مطابق مناۃ، ہذیل اور خزاعہ کی مشترکہ حاجت روا دیوی کا نام تھا۔

اللّات :

۱ ـــ بعض محقّقین اہلِ علم نے اللّات کی تَ کو تخفیف سے پڑھا ہے۔

۲ ـــ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، ابنِ جریر، مجاہد، حمید، ابو صالح اور رویس رحمہم اللہ نے یعقوب رحمہ اللہ کی روایت سے اللّات کی تَ کو مشدّد پڑھا ہے، جیسے لَتَّ۔

پہلی صورت میں اعمش کا کہنا ہے کہ مشرکینِ عرب اللّات کو اِلٰہ سے اور العزّیٰ کو کو العزیز سے مشتق گردانتے تھے۔

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مشرکینِ عرب نے اللّات کو لفظ اللہ سے مشتق سمجھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللّات اللہ تعالیٰ کی مؤنث دیوی ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ قَوْلِهِمْ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ اِسی طرح العُزّیٰ کو العزیز سے مشتق قرار دیتے تھے۔

علّامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :

"اللّات ایک سفید پتھر تھا جس پر خوب نقش و نگار کیا گیا تھا۔ اُس کو ایک مکان میں سجا بنا کر رکھا گیا اور اس مکان کے اِردگرد بہت بڑی اور مضبوط چار دیواری بنائی گئی تھی جس کو خوبصورت پردوں سے سجایا گیا تھا اور اس کے باقاعدہ پجاری

اور پروہت بھی تھے ۔ یہ تھا اہلِ طائف یعنی بنو ثقیف کا بُت ۔ اِس کی وجہ سے بنو ثقیف قریش کے علاوہ تمام عرب قبائل پر اپنے آپ کو قابلِ فخر گردانتے تھے"۔
بروایت ابن ہشام، آنحضرت ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اِس کے گرانے کے لیے بھیجا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ گئے، پہلے تو انھوں نے اِس کو مسمار کیا اور پھر آگ لگا کر جلا دیا۔

دوسری صورت میں یعنی جب کہ اللاّت کی تَ کو مشدّد پڑھیں تو اِس میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ رَجُلاً يَلُتُّ السَّوِيقَ لِلْحَاجِّ فَلَمَّا مَاتَ عَكَفُوا عَلَى قَبْرِهِ (بخاری)۔	اللاّت ایک صالح شخص تھا جو حجاج کرام کو ستّو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ جب یہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر کے پاس چلے کھینچنے لگے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ

كَانَ يَبِيعُ السَّوِيقَ وَالسَّمْنَ عِنْدَ صَخْرَةٍ وَيَسْلَئُوهُ عَلَيْهَا فَلَمَّا مَاتَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ عَبَدَتْ ثَقِيفٌ تِلْكَ الصَّخْرَةَ اِعْظَامًا لِصَاحِبِ السَّوِيقِ	ایک پتھر کے قریب یہ شخص ستّو اور گھی صاف کر کے بیچا کرتا تھا۔ جب یہ فوت ہو گیا تو بنو ثقیف نے اِس پتھر کی پوجا شروع کر دی کیونکہ اِس پتھر پر اِس بزرگ نے اپنی زندگی گزاری تھی۔

ایسی ہی روایت مجاہد رحمہ اللہ سے سعید بن منصور نے ذکر کی ہے جس میں ہے کہ

فَلَمَّا مَاتَ عَبَدُوهُ	جب وہ فوت ہو گیا تو لوگوں نے اُس کی پُوجا شروع کر دی۔

اسی طرح ابنِ ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے اور ایسا ہی اہلِ علم کی ایک جماعت نے کہا ہے۔
شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں تضاد اور منافات نہیں کیونکہ بنو ثقیف نے

پتھر اور قبر، دونوں کی الوہیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان کی عبادت شروع کر دی۔

اسی مشابہت کی وجہ سے آج کل لوگ قبروں پر بڑے بڑے قبے اور عمارتیں تعمیر کرتے ہیں اور ان کو وثن بنالیتے ہیں۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ صالحین اور اصنام، سب کی عبادت کرتے تھے۔

العُزّٰی کے بارے میں علامہ ابن جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"عُزّٰی ایک درخت تھا جس کو چار دیواری میں گھیر لیا گیا تھا اور اس کو بہت خوبصورت پردوں سے مُزین کیا گیا تھا۔ یہ درخت مکۃ المکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی نخلہ[1] میں تھا۔ قریشِ مکّہ اس درخت کی بے انتہا عزت و توقیر کرتے تھے۔"

اسی عزّٰی کے متعلق ابوسفیان نے جنگِ اُحد کے موقع پر کہا تھا کہ:

" لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ "

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اس کو جواب دو کہ:

" اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ "

امام نسائی رحمہ اللہ اور ابن مردویہ، ابی الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکۃ المکرمہ کو فتح کر لیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو وادی نخلہ کی طرف بھیجا کہ جا کر عُزّٰی کو کاٹ دو۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب وادی نخلہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں تین درخت تھے اور تینوں کو کاٹ دیا اور مکان کو بالکل مسمار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو ساری بات سے مطلع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوبارہ جاؤ، تم کوئی کام نہیں کر کے آئے۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ دوبارہ نخلہ پہنچے تو عُزّٰی کے پجاریوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی پہاڑ کی طرف پناہ لی اور "یا عُزّٰی! یا عُزّٰی!" کے نعرے بلند کرنے لگے۔

[1] وادی نخلہ کو آج کل السیل الکبیر کہتے ہیں۔ یہ مکۃ المکرمہ سے تقریباً ۷۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس مقام کے قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت بالکل برہنہ حالت میں ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور مٹی اٹھا اٹھا کر اپنے سر پر ڈال رہی ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا قصہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی عورت عُزّیٰ تھی۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی صورتِ حال یا اِس سے بھی بڑھ کر آج کل اولیاء کی قبروں اور مزاروں پر دکھائی دیتی ہے۔

مناۃ :

مکّۃ المکرّمۃ اور المدینۃ المنوّرۃ کے درمیان قُدَید نامی علاقہ میں ایک جگہ مُشَلَّل ہے۔ یہاں مناۃ دیوی کا بُت نصب تھا۔

خزاعہ، اوس اور خزرج، تینوں قبیلوں کا یہ مشترکہ بُت تھا۔ یہ تینوں قبیلے اُس کی بیحد تعظیم اور بہت ہی توقیر کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ حج کے لیے احرام بھی یہیں سے باندھا کرتے تھے۔

مناۃ : اِس کو وہ اللہ تعالیٰ کے نام المنّان سے مشتق سمجھتے تھے۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ چونکہ مشرکین اِس مقام پر آ کر بطور تبرک جانور ذبح کرتے تھے اور خون گراتے اور بہاتے تھے، اِس لیے اس کو مناۃ کہا جاتا تھا۔

امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بروایت حضرت عُروۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت نقل کرتے ہیں۔

إِنَّهَا صَنَمٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ — یہ بُت مکّۃ المکرّمۃ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع تھا۔

مشہور مؤرخ ابن ہشام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"فتح مکہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لیے بھیجا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسکو منہدم کر دیا۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں ان الفاظ کو محذوف قرار دیتے ہیں أَفَرَأَيْتُمْ

هٰذِهِ الْاٰلِهَةَ : اَنَفَعَتْ اَوْ ضَرَّتْ حَتّٰى تَكُوْنَ شُرَكَآءَ لِلّٰهِ تَعَالٰى ؟ ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے :

"کیا تم ان معبودوں کو نفع مند یا نقصان دہندہ سمجھتے ہو جو ان کو اللہ کے ساتھ شریک بنا رہے ہو؟"

قولہٗ : قول اللہ تعالیٰ: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى :

ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ :

"اے مشرکین! تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا اور پھر طرفہ یہ کہ اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف لڑکیاں منسوب کرتے ہو"

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝

یہ تقسیم تو غیر منصفانہ ہے، یہ بہت بڑا ظلم اور جھوٹ ہے۔ یہ کیسی عجیب تقسیم ہے ؟ اگر تم آپس میں بھی یہ تقسیم کرنا چاہو تو اپنے لیے تو لڑکے ہی لڑکے پسند کرو گے اور دوسرے فریق کے لیے لڑکیاں۔ اس سے بڑی حماقت اور ظلم کیا ہوگا کہ اپنے لیے تو لڑکیاں پسند نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لڑکیوں کو منسوب کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ — یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے تجویز کیا ہے۔

یہ تمہاری اپنی بنائی باتیں ہیں ورنہ

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ — اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

قولہٗ : اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

یعنی اس کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ یہ تمہارا صرف اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں حسنِ ظن ہے جس باطل راستے پر وہ چلتے رہے تم بھی اسی راستے پر قدم فرسا ہو۔

قولہٗ : وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ

اسمیں صرف تمہارے آباؤ اجداد کی بڑائی اور عظمت کے اظہار کے علاوہ کوئی معقولیت نہیں۔

عَنْ أَبِيْ وَاقِدِنِ اللَّيْثِي رضي الله عنه قَالَ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلٰى حُنَيْنٍ۔

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جنگِ حنین کے موقع پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقامِ حنین کی طرف جا رہے تھے۔

قولہٗ : وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى

یعنی اللہ تعالیٰ کا تم پر سب سے بڑا کرم یہ ہُوا کہ اُس نے تمھاری طرف اپنے پیغمبر بھیجے جنھوں نے تم کو مبنی برحق اور روشن دین دیا اور حجتِ قاطع عطا کی، لیکن تمھاری بدبختی اور شقاوتِ قلبی کا یہ عالم ہے کہ تم نے اِس دین اور پیمبروں کی کوئی پروا نہ کی، ان کی اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے اُلٹا اُن کی تکذیب کی، اور اُن کے ستانے اور تنگ کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔"

آیات کی باب سے مطابقت

لاتؔ و مناۃؔ کے پُجاری ان کی عزت و توقیر کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے پاس آکر جانوروں کو ذبح کرنا باعثِ برکت ہے۔ اُن کے پاس آکر دعائیں مانگتے اور ان سے اِمداد چاہتے تھے۔ اپنی حوائج کی تکمیل کے لیے ان پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے، ان سے سفارش اور برکت کی اُمیدیں رکھتے تھے۔ یہ تھا مُشرکینِ عرب کا عقیدہ۔

پس صالحین کی قبروں پر جاکر تبرک حاصل کرنا جس طرح کہ لاتؔ کے پجاری کرتے تھے یا درختوں اور پتھروں سے برکت حاصل کرنا جیسے عُزّٰیؔ اور مناۃ کے پرستاروں کا شیوہ تھا، یکساں نوعیت کا شرک ہے لہٰذا جو شخص اِس دَور میں صلحاء کی قبروں سے اِسی طرح کی توقعات رکھتا ہے یا کسی درخت اور پتھر کی توقیر کرتا ہے اور اُس سے مدد کا طالب ہوتا ہے اُس نے بھی گویا مشرکینِ عرب ایسا فعل کیا یہی نہیں بلکہ اِس زمانے کے مسلمان اِس سلسلے میں تو مُشرکینِ عرب سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔

فاللّٰہ المُستعان

قولہٗ : عَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ رضی اللہ عنہ

وَ نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ

اور ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا۔

بقول امام ترمذی رحمہ اللہ ، ان کا نام حارث بن عوف ہے۔ اِس روایت کو امام احمد، ابو یعلیٰ، ابن ابی شیبہ، امام نسائی، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِسی طرح بیان کیا ہے۔

یہ جلیل القدر صحابئ رسول تھے۔ ۸۵ برس کی عمر پا کر ۶۸ھ میں فوت ہوئے۔ اِس ضمن میں، بقول امام ترمذی رحمہ اللہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایات منقول ہیں۔

قولہ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی حُنَیْنٍ

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور طبرانی رحمہم اللہ نے عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے یوں روایت نقل کی ہے کہ

غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ الْفَتْحِ وَ نَحْنُ اَلْفٌ وَ نَیِّفٌ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بَیْنَ حُنَیْنٍ وَالطَّائِفِ	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں فتح مکہ میں شرکت کی اور ہم تقریباً ایک ہزار کے قریب تھے، جب ہم حنین اور طائف کے درمیان پہنچے تو ....

قولہ : وَ نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ

اِس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو اسلام قبول کیے کافی عرصہ گزر چکا تھا، وہ اِس مسئلہ سے ناواقف نہ تھے۔

دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو لوگ باطل چھوڑ کر آجائیں اُن سے بعید نہیں کہ اُن کے دِل میں دورِ جاہلیت کی رسوم و عوائد، عادات اور اطوار، جو اُن کے دلوں میں بیٹھ چکے تھے، ان کے نشانات ابھی باقی ہوں

وَ لِلْمُشْرِكِيْنَ سِدْرَةٌ يَّعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا وَ يَنُوْطُوْنَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ۔ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! إِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَللّٰهُ أَكْبَرُ۔

راستے میں ایک جگہ بیری کا درخت آیا جس کو ذاتِ انواط کہا جاتا تھا۔ مشرکین اس درخت کے پاس بیٹھنا باعثِ برکت خیال کرتے تھے اور اپنے ہتھیار بھی برکت کے لیے اِس درخت پر لٹکایا کرتے تھے۔

حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چلتے چلتے ہم ایک بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے آپؐ سے عرض کی کہ جیسے ان مشرکین کیلئے ذاتِ انواط ہے، آپؐ ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰہُ اَکْبَر کہا اور فرمایا۔

قولہ : وَ لِلْمُشْرِكِيْنَ سِدْرَةٌ يَّعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا

العکوف کے معنی ہیں کسی چیز کے پاس سکونت اِختیار کر لینا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ :

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ○ (الانبیاء۔ ۵۲) یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو؟

مشرکین اُس درخت کی عظمت و جلالت کے پیشِ نظر اس کے پاس بیٹھنا باعثِ برکت سمجھتے تھے۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

كَانَ يُنَاطُ بِهَا السِّلَاحُ اس بیری کے درخت پر تبرک کے لیے
فَسُمِّيَتْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ ہتھیار لٹکائے جاتے تھے۔ اسی وجہ
وَكَانَتْ تُعْبَدُ مِنْ سے اس کو ذات انواط کہا جاتا تھا اور
دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا اس کی عبادت بھی کی جاتی تھی

قولہ : يَنُوْطُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ

یعنی برکت حاصل کرنے کی نیت سے اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ مشرکین عرب

○ اس کی تعظیم کرتے،
○ وہاں قیام پذیر ہوتے اور
○ برکت حاصل کرنے کی غرض سے اس کی عبادت کرتے تھے۔

ان تین وجوہ کی بنا پر ہی اشجار وغیرہ کی عبادت کا سلسلہ شروع ہوا۔

قولہ : فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِجْعَلْ لَّنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ

انواط جمع نوط کی ہے۔ نوط مصدر ہے بمعنی المنوط۔

مطلب یہ ہے کہ ان چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش ظاہر کی کہ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجئے۔

ابو السعادات رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ اِس لیے کہا کہ ان کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ بھی عند اللہ پسندیدہ عمل ہے لہٰذا ہم بھی تبرک حاصل کیا کریں۔ اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ یہ شرک ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی کیسے جرأت کر سکتے تھے؟

قولہ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُ اَكْبَرُ

ایک روایت میں "سُبحان اللہ" کے الفاظ ہیں۔ "اللہ اکبر" ہو یا "سبحان اللہ" دونوں کا مقصد ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شرک سے پاک اور منزہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ایسی بات اور گفتگو سنتے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہو اور توحید اُلوہیّت اور توحید رُبوبیّت کے منافی ہو تو اس موقع پر ازراہِ تعجب یہ الفاظ اِستعمال فرماتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا نقش اُن میں نمایاں ہو۔

إِنَّهَا السُّنَنُ قُلْتُمْ وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَاءِيلَ لِمُوسَى اِجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ○

بخدا! تم بالکل وہی بات کہہ رہے ہو جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔"

قولہٗ : اَلسُّنَنُ

طریقے

قولہٗ : قلتم والذی نفسی بیدہ کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِس بات کو بنو اسرائیل کے قول سے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ دونوں نے الٰہ طلب کیا تھا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کریں۔ دونوں کے مطالبہ کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں تاہم معنیٰ ایک ہی ہیں کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے حقیقت تو تبدیل نہیں ہو جاتی زیرِ بحث حدیث میں شرک سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ بسا اوقات اِنسان کسی کام کو بہتر سمجھ کر سرانجام دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اِس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، لیکن درحقیقت وہ عمل انسان کو، اللہ تعالیٰ اور اُس کی رحمت سے دُور اور اس کی ناراضگی اور غضب کو قریب کر رہا ہوتا ہے۔ اِس حقیقت کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے علماءِ سوء، عُبّادِ قبور، اِس میں غلو کرنے والوں اور ان کی عبادت کرنے والوں کو غور سے دیکھا ہو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بہتر اعمال سرانجام دے رہے ہیں حالانکہ وُہ ایسے گناہ میں مبتلا ہیں جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔

حافظ ابو محمد عبدالرحمان بن اسمٰعیل الشافعی المعروف بابن ابی شامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "کتاب البدع والحوادث" میں رقمطراز ہیں کہ

"ابلیس نے بعض دیویوں، ستونوں اور بعض ایسے مقامات کو جن پر چراغاں کیا جاتا ہے اِس انداز سے سادہ لوح عوام کے سامنے بنا سنوار کر پیش کیا ہے کہ ان کی بہت بڑی تعداد اِس کی گرفت میں آگئی ہے اور شرک و بدعت میں مبتلا ہو گئی ہے ، اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ کوئی بات مشہور کر دیتا ہے کہ اس نے خواب میں اِس جگہ فلاں بزرگ کو یا ولی کو دیکھا ہے لہٰذا اس جگہ کی عظمت و توقیر کرنا ایک سچے مسلمان کی علامت ہے اور پھر عوام کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وُہ اِس مقام کو بہت ہی احترام سے دیکھتے ہیں اور ان کی عقیدت اور محبت میں اپنا پُورا وقت ضائع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ سُنن اور فرائض تک کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ وُہ تقرب اِلی اللہ کے حصول میں مشغول ہیں۔

بعض اوقات تو ان مقامات کی اِس درجہ عظمت ان کے دِلوں میں بیٹھ جاتی ہے کہ وہ یہاں اپنے مریضوں کی شفایابی اور قضائے حوائج کے لیے نذر نیاز بھی پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اِس قِسم کے چشمے ، درخت ، پتھر اور دیواریں تقریباً ہر شہر میں پائی جاتی ہیں، خصُوصًا دمشق شہر میں تو ایسے متعدد مقامات ہیں۔ جیسے بابِ توما کے باہر عوینۃ الحمی ، باب الصغیر میں ایک بہت ہی پُرانا ستون ہے، باب النصر کے باہر سڑک کے عین وسط میں ایک بہت ہی پرانا درخت ہے، لوگ اس کی اِتنی تعظیم کرتے ہیں کہ جتنی مشرکینِ عرب ذات انواط وغیرہ کی کرتے تھے بلکہ اِس سے کہیں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ جلد کوئی موحد انسان پیدا کرے جس کے ہاتھوں سے یہ بُت خانے اور شرکیہ جگہیں ختم ہوں۔ آمین!"

جس طرح ابو شامہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے اِسی طرح علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"مشرکین غیر اللہ کو معبود بنانے میں جلد باز ہیں، خواہ یہ معبود حجر و شجر کی صورت میں ہوں یا کسی ستون اور چشمے کی شکل میں یا کسی ولی اور بزرگ کی قبر کی شکل میں۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہماری نذر و نیاز اور عبادات کو ان

مقامات پر بہت جلد شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ نذر ماننا بھی ایک عبادت ہے، اس کے ذریعے نذر ماننے والا یہ خیال کرتا ہے کہ جس کی اُس نے نذر مانی ہے، اُس کا قرب اسے حاصل ہو جائے گا۔"

مسئلہ کی مزید تشریح، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کہ" اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد "کے تحت آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

رسولِ اکرم ﷺ کے زیرِ بحث ارشادِ گرامی سے مندرجہ ذیل مسائل مستفاد ہوتے ہیں :—

۱— جو شخص اولیائے کرام کی قبروں پر اعتکاف کرتا یا کسی شجر و حجر کے پاس جا کر بیٹھتا اور وہاں جانور ذبح کرنے کو تبرک خیال کرتا ہے وہ شرک میں مبتلا ہے۔

کوئی شخص بھی عوام کے عقائد پر غرہ نہ کرے اور نہ مسلمانوں میں شرک میں مبتلا ہونے کو مستبعد سمجھے کیونکہ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو بہتر اور متبرک سمجھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرنے کی ضرورت محسوس کی کہ ہمارے لیے بھی کوئی ذاتِ انواط الیسا مرکزِ عبادت مقرر فرما دیجئے، اور اس کے جواب میں رسولِ اکرم ﷺ کو غیر مبہم الفاظ میں کہنا پڑا کہ تمھارا یہ سوال ایسا ہی غلط اور گمراہ کن ہے جیسا کہ بنو اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ" اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ"

اندازہ کیجیے جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں علم و فضل، تقویٰ اور پرہیزگاری میں کہیں کم تر ہے اور اس نے عہدِ نبوت بھی نہیں پایا وہ کیونکر اس قسم کے توہمات سے بچ سکتا ہے؟ اب تو حالت یہ ہے کہ توحیدِ الوہیت اور توحیدِ ربوبیت کے واضح نشانات بھی اہلِ علم سے مخفی ہو چکے ہیں اور لوگ تقرب الی اللہ اور تبرک سمجھتے ہوئے بالعموم شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

۲— دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں معانی کا اعتبار ہے' الفاظ کا نہیں۔

اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطالبے کو بنو اسرائیل کے مطالبہ کے ساتھ مشابہ اور مماثل قرار دیا اور آپ نے اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ اس کا نام انھوں نے ذاتِ انواط رکھا ہے کیونکہ شرک کا کوئی بھی نام رکھ لیا جائے وہ شرک ہی رہے گا' چاہے مُردوں کو پکارنے، اُن کے نام کی نذر و نیاز دینے اور اُن کے نام کا جانور ذبح کرنے کو کوئی محبت اور تعظیم کا نام دے لے، یہ بہرحال شرک ہی کہلائے گا۔

(پھر فرمایا) تم بھی اگلی اُمّتوں کے طریقوں پر چلو گے۔

اِسی پر دوسرے اعمال کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

قولہٗ : لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ[1]:

لفظ سُنَنَ میں سؔ پر اگر ضمہ ہو تو یہ جمع ہو گا اور اگر فتحہ ہو تو مفرد ہو گا بمعنی طریقہ، راستہ آنحضرت ﷺ کے ارشادِ گرامی کا مطلب واضح ہے کہ میری اُمت کے بعض افراد بھی یہود و نصاریٰ جیسے اعمال و افعال کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ثابت ہو رہا ہے اور اُمت کے بہت سے افراد اِس میں مبتلا ہیں۔ اعلامِ نبوت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا، اُمت کی کثیر تعداد پر وہ صادق آ رہا ہے۔

اِس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایک مسلمان کو زمانہ جاہلیّت اور تشبہ باہلِ کتاب سے بچنا چاہیے، البتہ جس بات کی تصدیق آنحضرت ﷺ فرما دیں، اس میں اگر تشابہ پیدا ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

بعض متاخرین نے جو آثارِ صالحین سے تبرک حاصل کرنے کو جائز قرار دیا ہے تو یہ بوجوہ غلط ہے:

۱۔۔۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شرک جن جن ذرائع سے اعمالِ انسانی میں داخل ہوتا ہے، اُن ذرائع کا اِنسداد بہت ضروری ہے اور سب سے بڑا ذریعہ صلحائے اُمت کے آثار اور اُن کی قبور سے حصُولِ تبرک ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اِنسان ان سے اِستمداد بھی کرنا شروع کر دیتا ہے، لہٰذا ان آثار سے مجتنب رہنا چاہیے۔

۲۔۔۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ دَورِ اوّل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے آنحضرت ﷺ کے علاوہ کسی شخص سے تبرک کا معاملہ نہیں کیا اور اگر تبرک حاصل کرنا کوئی عملِ صالح ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت

[1] یہاں یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيرُ آيَةِ النَّجْمِ

① سورۃ النجم کی آیت کی تفسیر

الثانیۃ: مَعْرِفَةُ صُورَةِ الْأَمْرِ الَّذِي طَلَبُوا۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو سوال کیا تھا اُس کی صحیح توجیہ و معرفت۔

الثالثۃ: كَوْنُهُمْ لَمْ يَفْعَلُوا

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس چیز کے بارے میں سوال کیا تھا اُس کو عملی جامہ نہیں پہنایا بلکہ معاملہ صرف سوال کی حد تک ہی رہا۔

الرابعۃ: كَوْنُهُمْ قَصَدُوا التَّقَرُّبَ إِلَى اللهِ بِذَلِكَ لِظَنِّهِمْ أَنَّهُ يُحِبُّهُ۔

علی رضی اللہ عنہم، جن کے بارے میں اصحابِ جنّت ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گواہی دی، ان کے آثار اور ان کی قبروں پر جا کر بعض دُوسرے صحابہ، تابعین یا تبع تابعین ضرور تبرّک حاصل کرتے لیکن ان سابقین الاوّلین سے کوئی ایسا عمل ثابت نہیں ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر، آپ کی اُمّت میں سے کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ آپ کو زندگی میں ایسی خصوصیات حاصل تھیں جن میں اور کوئی شریک نہ تھا۔
اس بنا پر اگر آپ کی ذات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تبرّک و حصُولِ سعادت کا معاملہ کیا تو یہ جُدا گانہ بات ہے۔

④ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا تھا اس کے سوا کچھ مقصود نہ تھا۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے۔

الخامسة أَنَّهُمْ إِذَا جَهِلُوا هٰذَا فَغَيْرُهُمْ أَوْلٰى بِالْجَهْلِ۔

⑤ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شرک کی یہ نوعیت مخفی رہی تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے علم کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے۔

السادسة أَنَّ لَهُمْ مِنَ الْحَسَنٰتِ وَالْوَعْدِ بِالْمَغْفِرَةِ مَا لَيْسَ لِغَيْرِهِمْ۔

⑥ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال صالحہ کے بدلے مغفرت کا جو وعدہ دیا گیا ہے وہ دوسرے لوگوں کو میسّر نہیں ہے۔

السابعة أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَعْذِرْهُمْ الْأَمْرَ بَلْ رَدَّ عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهِ "اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَنَّهَا السُّنَنُ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" فَغَلَّظَ الْأَمْرَ بِهٰذِهِ الثَّلَاثِ۔

⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس معاملے میں معذور

نہیں سمجھا بلکہ ان کی تردید کی اور فرمایا کہ "اللہ اکبر" یہی تو وہ راستے ہیں، تم بھی اپنے پہلوں کے راستے کی پیروی کروگے۔ پس ان تین امور سے معاملہ کی سختی اور اہمیت واضح فرمائی۔

الثامنۃ أَلْأَمْرُ الْكَبِيْرُ وَ هُوَ الْمَقْصُوْدُ أَنَّهُ أَخْبَرَ أَنَّ طَلَبَتَهُمْ كَطَلَبَةِ بَنِيْٓ إِسْرَاءِيْلَ لَمَّا قَالُوْا لِمُوْسٰى إِجْعَلْ لَّنَا إِلٰهًا۔

⑧ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فرمائش کو بنی اسرائیل کی فرمائش جیسی قرار دیا جبکہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ "ہمارے لیے بھی کوئی معبود دے"

التاسعۃ أَنَّ نَفْيَ هٰذَا مِنْ مَعْنٰى "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" مَعَ دِقَّتِهِ وَ خِفَائِهِ عَلٰى أُولٰٓئِكَ۔

⑨ اِس قسم کے تبرک کا اِنکار بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے معنیٰ میں داخل ہے جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے بھی اپنی باریکی کی وجہ سے پوشیدہ رہا۔

العاشرۃ أَنَّهُ حَلَفَ عَلَى الْفُتْيَا، وَ هُوَ لَا يَحْلِفُ إِلَّا لِمَصْلِحَةٍ۔

⑩ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ ہرگز یہ نہ تھی کہ آپ خواہ مخواہ

قسم کھائیں لیکن بایں ہمہ آپؐ کسی خاص مصلحت وضرورت کے موقع پر اور اہم کام میں قسم کھالیا کرتے تھے جیسا کہ آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں قسم کھائی ہے۔

الحادیۃ عشرۃ أَنَّ الشِّرْكَ فِيهِ أَكْبَرُ وَ أَصْغَرُ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَرْتَدُّوا بِهٰذَا۔

⑪ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال پر چونکہ اُن کو مرتد نہیں سمجھا گیا جس سے پتا چلا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: ○ شرکِ اکبر ○ شرکِ اصغر۔

الثانیۃ عشرۃ قَوْلُهُمْ وَنَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ فِيهِ أَنَّ غَيْرَهُمْ لَا يَجْهَلُ ذٰلِكَ۔

⑫ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ "ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا" سے پتا چلا کہ وُہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سابقین اوّلین میں شمار ہوتے ہیں ان کو مسئلے کی نوعیت کا علم تھا۔

الثالثۃ عشرۃ اَلتَّكْبِيرُ عِنْدَ التَّعَجُّبِ خِلَافًا لِّمَنْ كَرِهَهُ۔

⑬ بوقتِ تعجب اللہ اکبر کہنا۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ اکبر کہنے سے اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اِس کو مکرُوہ خیال کرتے ہیں۔

الرابعۃ عشرۃ سَدُّ الذَّرَائِعِ۔

⑭ شرک و بدعت کے ذرائع بند کرنا۔

الخامسة عشرة أَلنَّهْيُ عَنِ التَّشَبُّهِ بِأَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ۔

⑮ اہلِ جاہلیّت کے رسم و رواج اپنانے کی ممانعت۔

السادسة عشرة أَلْغَضَبُ عِنْدَ التَّعْلِيمِ۔

⑯ دورانِ تعلیم اُستاد کا شاگرد پر ناراض ہونے کا ثبوت۔

السابعة عشرة أَلْقَاعِدَةُ الْكُلِّيَّةُ لِقَوْلِهٖ: أَنَّهَا السُّنَنُ۔

⑰ رسولِ اکرم ﷺ کے اِس ارشاد سے کہ "إِنَّهَا السُّنَنُ" ایک عمومی قاعدہ بیان کرنا مقصود ہے۔

الثامنة عشرة أَنَّ هٰذَا عَلَمٌ مِنْ أَعْلَامِ النُّبُوَّةِ لِكَوْنِهٖ وَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ۔

⑱ علاماتِ نبوّت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ جس طرح آپؐ نے فرمایا حرف بحرف اسی طرح ہو رہا ہے۔

التاسعة عشرة أَنَّ مَا ذَمَّ اللّٰهُ بِهِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّهٗ قَالَهٗ لَنَا لِنَحْذَرَهٗ۔

⑲ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جن اعمال و افعال پر یہود و نصاریٰ

کی مذمت فرمائی ہے وہ حقیقت میں ہمارے لیے ایک تنبیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہم بھی اِس میں مبتلا ہو جائیں۔

العشرون

أَنَّهُ مُتَقَرِّرٌ عِنْدَهُمْ أَنَّ
الْعِبَادَاتِ مَبْنَاهَا عَلَى الْأَمْرِ
فَصَارَ فِيهِ التَّنْبِيهُ عَلَى
مَسَائِلِ الْقَبْرِ۔
أَمَّا "مَنْ رَبُّكَ" فَوَاضِحٌ
وَأَمَّا "مَنْ نَبِيُّكَ" فَمِنْ أَخْبَارِهِ
بِأَنْبَاءِ الْغَيْبِ۔
وَأَمَّا "مَا دِينُكَ" فَمِنْ قَوْلِهِمْ
"اِجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا" إِلَى آخِرِهِ

(۲۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مانا ہوا اصول تھا کہ عبادت کی اساس اور بنیاد حکم اور امر ہے، اِس سے ان سوالات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے جو قبر میں کیے جائیں گے۔ مثلاً

۱۔ تیرا ربّ کون ہے؟ ــــ سوال کی نوعیت واضح ہے۔

۲۔ تیرا نبی کون ہے؟ ــــ اس کا تعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس اِطلاع سے ہے جو غیب کے بارے میں ہے۔

۳۔ تیرا مذہب کیا ہے؟ ــــ اِس پر "اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا" دلالت کرتا ہے۔

الحادية والعشرون أَنَّ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ مَذْمُومَةٌ كَسُنَّةِ الْمُشْرِكِيْنَ

(۲۱) اہلِ کتاب کا مذہب اور طریقہ بھی اِسی طرح ناقابلِ عمل اور مذموم ہے جس طرح مشرکین کا طریقہ اور مذہب۔

الثانية والعشرون أَنَّ الْمُنْتَقَلَ مِنَ الْبَاطِلِ الَّذِي اِعْتَادَهُ قَلْبُهُ لَا يُؤْمَنُ أَنْ يَكُوْنَ فِي قَلْبِهِ بَقِيَّةٌ مِّنْ تِلْكَ الْعَادَةِ لِقَوْلِهِمْ "وَنَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ"۔

(۲۲) جو شخص ابھی نیا نیا مسلمان ہُوا ہو اُس کے دِل میں کفر و شرک کے دَور کی عادات واطوار کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہے جیسا کہ زیرِ بحث واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اِس قول سے واضح ہے کہ "نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ" ہمارا زمانۂ کفر بھی نیا نیا گزرا ہے۔

باب ما جاء

في الذبح لغير الله

اس باب میں

یہ بتایا گیا ہے کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے

اس کے بارے میں شریعت اسلامی میں کیا حکم ہے ؟

قولہ تعالیٰ: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ

کہو! میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیّت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ ربّ العٰلمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

قولہ: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ ان مشرکین کو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے نام سے جانور ذبح کرتے ہیں، خبردار کر دیں کہ میں نے اپنی نمازوں کی ادائیگی اور جانوروں کے ذبح کرنے کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کر لیا ہے اور میں نے یہ محض اِس لیے کیا ہے کہ مشرکین، بُتوں کی پوجا کرتے اور اُن کے نام سے جانور ذبح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عمل کی مخالفت اور ان کے کردار سے دامن بچا کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

مجاہد رحمہ اللہ نے "نُسُکَ" سے صرف حج اور عمرہ میں جانور ذبح کرنا مُراد لیا ہے۔ ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ بواسطہ سدی عن سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کہ اس سے میرا ذبح کرنا مقصود ہے اور یہی ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

قولہ: وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ

یعنی میں اپنی زندگی میں جو کچھ بھی کروں گا اور جس ایمان و عقیدہ پر میری موت واقع ہو گی اُس کا تعلق اللہ سے ہو گا۔

قولہ: لَا شَرِیْکَ لَهٗ

اُس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔

قولہ: وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ

وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (الانعام : ۱۶۲-۱۶۳)

اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔

اور مجھے اِسی اخلاص کی تعلیم دی گئی ہے۔

قولهٗ : وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے کے معنیٰ اُمّتِ مسلمہ میں سے سب سے پہلے اسلام لانے والے کے ہیں۔ اس وضاحت کی ضرورت اِس لیے ہے کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اِسلام ہی کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور وہ اسلام یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، اس کو ایک مانا جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء-۲۵)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ "میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔"

اِس مقام پر اِس مفہوم کی بہت سی آیات حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔

زیرِ بحث آیات کا باب سے تعلّق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ جیسے وہ نماز، روزہ وغیرہ احکام پر عمل کر کے تقرب اِلی اللہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اِسی طرح وُہ جانور وغیرہ کو بھی صِرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ذبح کر کے تقرب حاصل کریں۔ مقصد یہ ہے کہ تمام قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرلیں کیونکہ جب وہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور وغیرہ ذبح کرینگے تو اِس کا مطلب صاف یہ ہوگا کہ اُنھوں نے اِس عبادت میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرالیا ہے

قولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○

پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

اور لفظ لاشریک لہٗ اس کی کھل کر تردید کر رہا ہے[1]۔

قولہ : فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ کی تشریح میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں کہ :

"اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ نماز اور قربانی، دونوں عبادتوں کو جمع کریں اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے، کیونکہ یہ دونوں عبادتیں تقرب، تواضع، افتقار، اللہ سے حسنِ ظن، اللہ پر قوتِ یقین اور اطمینانِ قلب کی طرف ٹھیک ٹھیک رہنمائی کرتی ہیں۔ اہلِ کبر اور اہلِ نخوت اور مالدار لوگ ان صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ وہ نماز روزہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور تنگدستی، فقر و مسکنت کے ڈر سے قربانی وغیرہ کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی اور خوشنودی کو ان دو عبادات پر منحصر فرماتے ہوئے ان کو ایک ہی جگہ اور ایک ہی آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ دونوں عبادتیں سرفہرست ہیں کیونکہ

- ○ بدنی اور جسمانی عبادات میں نماز کو اور
- ○ مالی عبادات میں قربانی اور نحر کو اولیت حاصل ہے۔

وہ نفوسِ قدسیہ جن کے دل زندہ ہیں ان کو نماز میں وہ سرور اور اطمینان حاصل ہوتا ہے جو دوسری کسی عبادت میں ممکن نہیں۔ اسی طرح یہ لوگ جب ایمان اور

---

[1] زیر بحث آیات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ انسان کے اقوال و اعمال ظاہری ہوں یا باطنی، ان کا غیر اللہ کی طرف منسوب ہونا جائز نہیں ہے اور جس شخص نے غیر اللہ کی طرف نسبت کی تو جس شرک سے اُسے روکا گیا تھا، اس میں وہ مبتلا ہو گیا۔ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے الفاظ اسی مسئلہ کی وضاحت کناں ہیں۔

وعن عليٍّ رضي الله عنه قَالَ حَدَّثَنِي رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چار باتیں ارشاد فرمائیں:

اخلاص کے جذبات سے قربانی کرتے ہیں تو ان کے حُسنِ ظن اور یقینِ محکم کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

اگر ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کریں تو آپؐ کی زندگی میں یہی دو عبادتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔"

شارح کا کہنا ہے کہ آپ نماز ہی کو لیجیے، اس میں ایک عبادت کے اَدا کرنے میں متعدد عبادتیں آجاتی ہیں، مثلاً:

تکبیر ○ دعا ○ تسبیح ○ تلاوتِ قرآن ○ سماعتِ قرآن ○ حمدِ الٰہی، ○ ثنائے خداوندی ○ قیام ○ رکوع ○ سجود ○ اعتدال ○ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزانہ قیام ○ دل کو پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کرنا۔

یہ تمام امور فی نفسہٖ عبادت ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا ناجائز ہے۔

نسک اور قربانی کرنا بھی اپنے اندر بیشمار عبادات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

قولہ : وَعَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه

اِس سے امیر المومنین ابوالحسن الہاشمی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی مُراد ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں جو سابقین الاولین صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جنگِ بدر اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اُن دس خوش نصیب صحابہ عظام میں سے ایک ہیں جن کو دنیا ہی میں جنّت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ خلفائے

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۔

۱۔ جو شخص غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

راشدین میں سے چوتھے خلیفہ ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ اور مشہور ہیں۔
اِن کو ابنِ ملجم خارجی نے ماہِ رمضان المبارک ۴۰ھ میں شہید کیا۔

قولہٗ : حَدَّثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِاَرْبَعِ کَلِمَاتٍ

امام احمد رحمہ اللہ نے اِس حدیث میں ایک خاص واقعہ بھی نقل فرمایا ہے۔ امام صاحب، ابوالطفیل سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ابوالطفیل رحمہ اللہ نے کہا کہ :

قُلْنَا لِعَلِیٍّ رضی اللہ عنہ اَخْبِرْنَا بِشَیْءٍ اَسَرَّهٗ اِلَیْكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَا اَسَرَّ اِلَیَّ شَیْئًا كَتَمَهُ النَّاسَ

ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمیں کوئی ایسی بات بتائیے جو رسول اللہ ﷺ نے خصوصی طور پر آپ کو بتائی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ نے مجھے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو تمام مسلمانوں کو نہ بتائی ہو۔

وَلٰكِنْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰهِ وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَ الِدَیْهِ وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَیَّرَ تُخُوْمَ الْاَرْضِ یَعْنِی ، الْمَنَارَ

البتہ مَیں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے ضرور سُنا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے نام پر کوئی جانور ذبح کرے اُس پر اللہ کی لعنت ہو اور جو کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ کی لعنت ہو اور جو اپنے والدین کو ملعون قرار دے، اُس پر اللہ کی لعنت ہو اور جو زمین کے نشانات اور علامات کو بدلے اُس پر بھی اللہ کی لعنت ہو۔

قولہٗ : لَعَنَ اللّٰهُ

مقامات و مواطنِ رحمت سے دُوری اور بُعد کا نام لعنت ہے۔

لعین یا ملعون اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے لیے بددعا کی جائے یا جس پر لعنت متحقق ہو چکی ہو۔

ابوالسعادات رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اصل میں لعنت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُوری اور مخلوقِ خدا سے بددعا یا گالی کا نام ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے خاص بندوں پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اسی طرح وہ مبغوض اور ناپسندیدہ اشخاص پر لعنت کرتا ہے جیسا کہ اُس کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ○ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ (الاحزاب ۴۳، ۴۴)	وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُسکے فرشتے طلبِ رحمت کی دعائیں کرتے ہیں تاکہ اللہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر مہربان ہے جس روز وہ ان سے ملیں گے انکا تحفہ (خدا کی طرف سے) سلام ہوگا۔

اور کافروں کے بارے میں فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ○ (الاحزاب - ۶۴)	بہر حال یہ یقینی امر ہے کہ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر دی ہے۔
مَلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○ (الاحزاب - ۶۱)	اُن پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بُری طرح مارے جائیں گے۔

قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کیا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے من و عن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، صلوٰۃ، اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی مصلی اور وہی اجر و ثواب دینے والا ہے، جیسا کہ کتاب و سنت اور سلفِ اُمت اس کی تشریح و توثیق کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ مُتَكَلِّمًا إِذَا شَآءَ — اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس وصف سے متصف رہا ہے کہ جب چاہے کلام کرے۔

قولہ: مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیت:

وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرہ - ۱۷۳) — جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے

کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"اِس آیتِ کریمہ کے ظاہری معنٰی یہ ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ یہ جانور فلاں ولی یا فلاں بزرگ کے لیے ہے پس ذہن میں جب غیر اللہ سے کوئی مُراد ہو تو خواہ نام لے یا نہ لے اُسی کا نام تصور کیا جائے گا۔

وُہ ذبیحہ جو عیسائی، حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر ذبح کرتے ہیں، خواہ کھانے کے لیے ہی کیوں نہ ہو، وہ اور اِس مذکورہ ذبیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یا مثلاً کوئی شخص صرف کھانے کے لیے کسی جانور کو ذبح کرے۔ یہ جانور اِتنا متبرک نہ ہوگا جتنا کہ کوئی شخص تقرب الی اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے۔

پس اگر کوئی عیسائی صرف کھانے کے لیے جانور کو ذبح کرے یا مسیح علیہ السلام اور زہرہ کے تقرب کے لیے کرے تو دونوں کی حُرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اِسی طرح جو شخص اِسلام کا دعوٰی کرتا ہے اور پھر کسی ولی یا بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرتا ہے تو وہ بھی حرام ہوگا اگرچہ اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کرے۔ کیونکہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے، یہ عبادت غیر اللہ سے استعانت سے بڑھ کر کفر ہے، جیسا کہ اُمتِ مسلمہ میں سے منافقین کا گروہ اِس فعل کے اِرتکاب میں پیش پیش ہے۔ جو کواکب وغیرہ کے تقرب کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ مُرتدین کے حکم

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَیہِ۔
لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ أٰوٰی مُحْدِثًا۔

۲۔ جو شخص اپنے والدین پر لعنت کرے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔
۳۔ جو شخص مُحدِث کو پناہ دے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

میں ہیں اور ان کا ذبیحہ کھانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، اِس کی حُرمت کی بڑی وجوہ دو ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ یہ غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مُرتد کا ذبیحہ ہے۔

مکۃ المکرمہ میں اہلِ جاہلیت اِسی طرح جنات کے لیے ذبح کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے یہ بات منقول ہے کہ آپ نے جنات کے لیے ذبح کیے گئے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اہلِ جاہلیت جب کوئی مکان خریدتے، نیا مکان تعمیر کرتے یا کوئی چشمہ وغیرہ کھودتے تو جنات کے خوف کی وجہ سے اور ان کی شرارتوں سے بچنے کے لیے ایک جانور ذبح کرتے تھے۔ پس اسی بنا پر یہ ذبیحہ جنات کی طرف منسوب کر دیا گیا۔"

ابراہیم المروزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"کسی سُلطان کی آمد پر اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے اِس کے متعلق فقہائے بخارا اور اہلِ علم نے حُرمت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ بھی غیر اللہ کی رضا کے لیے پکایا جاتا ہے۔"

قولہٗ: لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَیہِ

"والدیہ" سے ماں باپ مراد ہیں۔ خواہ وہ اُوپر کی پُشتوں کے ہوں۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) وَ هَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ: يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ[1]

کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جب کوئی شخص کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ بھی جواب میں اسکے ماں باپ کو گالی دیتا ہے (تو اصل میں پہلے شخص نے اپنے ہی ماں باپ کو گالی دی)

قولہٗ : لَعَنَ اللهُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا

یعنی ظالم پر حد نافذ نہ ہونے دے۔ آوی الف پر مد کے ساتھ۔ اس کو بچالے اور اس کی حمایت پر اُتر آئے

لفظ مُحْدِثًا میں حرف دال کی فتحہ اور کسرہ دونوں طرح جائز ہے۔

ابوسعادات کا کہنا ہے:

أویت الی المنزل میں نے منزل کا رُخ کیا، أویت غیرہ میں نے دوسرے کو پناہ دی۔ اس میں آویتہ بھی مستعمل ہے یعنی متعدی مد کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور بغیر مد کے بھی، لیکن بعض لوگوں نے بغیر مد کے متعدی کا انکار کیا ہے۔

البتہ "محدثا" کا لفظ، تو اس کے متعلق ابوسعادات کا کہنا ہے کہ دال کے کسرہ اور فتحہ دونوں سے مروی ہے، یعنی فاعل اور مفعول، کسرہ کی شکل میں معنیٰ یوں ہوگا:۔

کہ جس نے مجرم کی مدد کی، اُس کو جگہ دی اور اُسے اس سے مقابلہ کرنے والے سے بچایا اور اس سے قصاص لینے میں حائل ہوگیا (وہ ملعون ہے)

فتحہ کی شکل میں معنیٰ یہ ہے:۔

کہ وہ کام مراد ہے جو کہ خود بدعت ہے اور جگہ دینے سے مراد اس صورت میں اس بدعت سے رضامندی اور اس پر صبر کرنا ہے، کیونکہ جب وہ بدعت پر راضی ہوگیا اور اس کے فاعل پر اقرار کیا اور انکار نہ کیا تو اس نے بدعت کو جگہ دے دی۔

---

[1] والدین کے بارے میں مترجم کی کتاب "عظمتِ والدین" کا مطالعہ کرنا عظیم فوائد کا حامل ہوگا۔ ان شاء اللہ

لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ۔

(رواہ مسلم)

۴۔ جو شخص زمین کے نشانات کو مٹائے اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ :

" یہ گناہِ کبیرہ اپنے مراتبِ فعل کے لحاظ سے کبیرہ بھی ہو سکتا ہے اور صغیرہ بھی۔ اگر عمل فی نفسہ بڑا ہو گا تو یہ کبیرہ کہلائے گا ورنہ صغیرہ ہوگا۔"

قولہٗ : لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ

مَنَار : بفتح المیم، زمین کی حد بندی کے لیے جو نشان لگایا جاتا ہے اُسکو منار کہتے ہیں۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ، " نہایہ " میں لکھتے ہیں کہ :

"تخوم بفتح التا ہے۔ یہ واحد ہے، اس کی جمع تُخُوم ہے۔ بضم التاؤ والخار۔"

"تخوم اور منار دونوں کے معنٰی ایک ہی ہیں۔"

بعض علما نے یہاں حُدودِ حرم مراد لی ہیں اور بعض علما کے نزدیک اِس سے ہر جگہ کی حُدود مراد ہیں۔

اِس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے "معالم" کا لفظ بھی اِستعمال ہوا ہے، یعنی سڑک پر وہ علامات، جن سے مسافت معلوم ہوتی ہے ان کو معالم بھی کہتے ہیں۔

جو شخص دوسرے کی زمین ہتھیانے کے لیے نشانات کو مٹا دے وہ بھی اِسی ذیل میں آتا ہے تغیر کے معنٰی ہیں نشان کو آگے پیچھے کرنا۔ اِس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

مَنْ ظَلَمَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ	جو شخص دوسرے بھائی کی ایک بالشت
طَوَّقَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ	زمین ناحق لے لیتا ہے قیامت کے دن
سَبْعِ اَرَضِيْنَ [1]	سات زمینیں بصورتِ طوق اُس کی گردن میں
	ڈال دی جائیں گی۔

[1] بخاری، مسلم، مسند احمد۔

اِس حدیث سے ظالم کا نام لیے بغیر اُس کو ملعون قرار دینے کا جواز پیدا ہوتا ہے تاہم فاسق آدمی کا نام لے کر اسے فاسق کہنے میں دو مسلک ہیں :

۱۔ ایک یہ کہ اُس کا نام لے کر فاسق کہا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ وغیرہ اِسی کے قائل ہیں۔

وعن طارق ابن شهاب رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ وَ دَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ۔ قَالُوا وَ كَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص صرف مکھی کی وجہ سے جنت میں جا پہنچا اور ایک جہنم میں چلا گیا صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کیسے؟

۲۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ کسی کا نام لے کر اُس کو فاسق نہیں کہنا چاہیے۔ ابوبکر عبدالعزیز اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔

قولہ: وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رضی اللہ عنہ

ابوعبداللہ طارق بن شہاب البجلی الاحمسیؒ صحابیِ رسولؐ ہیں۔ انھوں نے جوانی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے کوفے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی ملاقات ثابت ہونے سے پتا چلا کہ یہ صحابی ہیں اور حدیث کے سماع نہ کرنے کے معنے یہ ہوں گے کہ ان کی تمام روایات صحابی کی مرسل ہیں، اِس صورت میں راجح قول یہ ہے کہ وُہ حدیث قابلِ قبول ہوگی بقول ابن حبان، طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ ۸۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔"

قولہ: دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ

قَالَ مَـرَّ رَجُلَانِ عَلٰی قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ لَا يُجَاوِزُهُ أَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهُ شَيْئًا فَقَالُوْا لِأَحَدِهِمَا قَرِّبْ قَالَ لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْءٌ أُقَرِّبُ قَالُوْا لَهُ قَرِّبْ وَ لَوْ ذُبَابًا، فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُ فَدَخَلَ النَّارَ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص چلتے چلتے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے اور اُس قبیلے کا ایک بہت بڑا بُت تھا۔ وہاں سے کوئی شخص بغیر چڑھاوا چڑھائے نہ گزر سکتا تھا چنانچہ ان میں سے ایک کو کہا گیا کہ یہاں ہمارے بُت پر چڑھاوا چڑھاؤ۔ اُس نے معذرت کی کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ تمھیں یہ عمل ضرور کرنا ہوگا اگرچہ ایک مکھی پکڑ کر ہی چڑھا دو۔ اُس مسافر نے مکّھی پکڑ کر چڑھا دا اُس کی بھینٹ کر دیا اور اُنھوں نے اُس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اس مکّھی کی وجہ سے جہنّم میں چلا گیا۔

یعنی مکّھی کی وجہ سے دونوں میں سے ایک جنّت میں اور دوسرا جہنّم میں جا گرا۔

قولہ : قَالُوْا وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اِس کو معمولی عمل خیال کیا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا چنانچہ آنحضرتؐ نے اِس کی وضاحت فرمائی کہ یہ معمولی اور حقیر عمل کس طرح ان کے نزدیک اس درجہ عظیم عمل ہو گیا کہ ایک شخص اِس کی وجہ سے جنّت کا مستحق قرار دیا گیا اور دوسرا مستوجبِ دوزخ ٹھہرا۔

قولہ : مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ

صَنَمٌ : پتھر کی اُس مورتی کو کہتے ہیں جسے کسی جاندار چیز کے ہم شکل و ہم صورت بنا دیا

وَ قَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ ۔ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُقَرِّبَ لِأَحَدٍ شَيْئًا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَهٗ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ۔
(رواہ احمد)

دُوسرے شخص سے کہنے لگے کہ تم بھی کسی چیز کا چڑھاوا چڑھا دو تو اُس اللہ کے بندے نے جواب دیا کہ مَیں غیر اللہ کے نام پر کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا۔ یہ جواب سُنتے ہی انھوں نے اِس مردِ موحّد کو شہید کر دیا تو یہ سیدھا جنّت میں پہنچا۔

گیا ہو، اس پر وثن کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

قولہٗ : لَا يُجَاوِزُهٗ

یعنی کوئی شخص بغیر چڑھاوے کے یہاں سے نہیں گذر سکتا تھا اگرچہ چڑھاوے کے لیے کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو۔

قولہٗ : قَالُوْا لَهٗ قَرِّبْ

حدیث کے اِن الفاظ میں شرک کو جہنّم کا سبب بتایا گیا ہے اگرچہ شرک بالکل معمولی درجے کا اور ہلکا ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ	جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ	ٹھہرایا اُس پر اللہ نے جنّت حرام کر دی
وَ مَأْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ	اور اُس کا ٹھکانا جہنّم ہے اور ایسے
مِنْ اَنْصَارٍ ○ (المائدہ ۵-۷۲)	ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اِس حدیث میں شرک سے کُلّیتاً بچنے اور اِس سے ڈرتے رہنے کی ہدایت کی گئی ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان ایسا عمل کر گزرتا ہے جس کے متعلق وہ سمجھتا ہے کہ یہ عمل شرک نہیں ہے، اور وہ اِس عمل کی وجہ سے جہنّم کا ایندھن بن جاتا ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيْرُ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ

① آیت "ان صلاتی ونسکی" کی تفسیر وتوضیح۔

الثانیۃ: تَفْسِيْرُ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

② آیت "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کی تشریح وتفسیر

الثالثۃ: أَلْبَدَاءَةُ بِلَعْنَةِ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ۔

③ جو شخص غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اس کا پہلے ذکر اور اسے ملعون قرار دینا۔

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مسافر کا قصد شرک نہ تھا بلکہ اہلِ جہنم کے شر سے نجات حاصل کرنا مقصود تھا لیکن اس کے باوجود وہ جہنم میں داخل ہوگیا۔

یہ بھی پتا چلا کہ یہ دونوں مسافر مسلمان تھے، اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ "دَخَلَ النَّارَ فِيْ ذُبَابٍ" نہ فرماتے۔

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین کے ہاں بھی کیفیتِ قلبی ہی مقصودِ اعظم ہوتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

قولہ: وَقَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ

حدیث کے ان الفاظ سے توحید اور اخلاص کی عظمت وفضیلت واضح ہوتی ہے۔

الرابعة: لَعَنُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، وَمِنْهُ اَنْ تلعَنَ وَالِدَيِ الرَّجُلِ فَيَلْعَنَ وَالِدَيْكَ۔

④ جو شخص اپنے والدین کو ملعون کہے وُہ خود ملعون ہے۔ اور یہ کہ اگر تم کسی کے والدین کو ملعون کہو گے تو لازمی طور پر وُہ تمہارے والدین کو ملعون قرار دے گا، اِس طرح تم خود اپنے ہی والدین کو ملعون ٹھہراتے ہو۔

الخامسة: لَعَنُ مَنْ أَوٰى مُحْدِثًا وَهُوَ الرَّجُلُ يُحْدِثُ شَيْئًا يَجِبُ فِيهِ حَقُّ اللهِ فَيَلْتَجِئُ إِلٰى مَنْ يُّجِيْرُهُ مِنْ ذٰلِكَ۔

⑤ جو شخص مُحدِث کو پناہ دے اُس پر لعنت، یہ وُہ شخص ہے جو کسی ظلم کا ارتکاب کرے اور پھر پناہ کا متلاشی ہو تاکہ اس سے اِس ظلم کا بدلہ نہ لیا جا سکے۔

السادسة: لَعَنُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَهِيَ الْمَرَاسِيْمُ الَّتِي تفرق بَيْنَ حَقِّكَ وَحَقِّ جَارِكَ فَتُغَيِّرُهَا بِتَقْدِيْمٍ أَوْ تَأْخِيْرٍ۔

⑥ جو شخص علاماتِ زمین کو بدلتا ہے اُس پر لعنت۔ منار سے وُہ نشانات مراد ہیں جو کسی شخص کے پڑوسی کی حدود کو متعین کرتے ہیں اِن نشانات کو

کو آگے پیچھے کرکے اپنے پڑوسی کا حق مارنا مقصود ہو۔

السابعۃ أَلْفَرْقُ بَيْنَ لَعْنِ الْمُعَيَّنِ وَلَعْنِ أَهْلِ الْمَعَاصِي عَلَىٰ سَبِيْلِ الْعُمُوْمِ۔

⑦ کسی خاص شخص کو اور بدکاروں کی جماعت پر عموماً لعنت میں فرق کی وضاحت۔

الثامنۃ هٰذِهِ الْقِصَّةُ الْعَظِيْمَةُ وَ هِيَ قِصَّةُ الذُّبَابِ۔

⑧ وہ قصّہ عظیم ہے جو قصّۂ ذباب ہے۔

التاسعۃ كَوْنُهُ دَخَلَ النَّارَ بِسَبَبِ ذٰلِكَ الذُّبَابِ الَّذِيْ لَمْ يَقْصِدْهُ بَلْ فَعَلَهُ تَخَلُّصًا مِّنْ شَرِّهِمْ۔

⑨ ایک شخص مکھی کی وجہ سے جہنّم میں چلا گیا حالانکہ اُس کا مقصد صرف اہلِ صنم کے شر سے نجات حاصل کرنا تھا نہ کہ شرک کرنا۔

العاشرۃ مَعْرِفَةُ قَدْرِ الشِّرْكِ فِي قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَيْفَ صَبَرَ ذٰلِكَ عَلَى الْقَتْلِ عَلَى الْقَتْلِ وَ لَمْ يُوَافِقْهُمْ عَلٰى طَلَبَتِهِمْ مَعَ كَوْنِهِمْ لَمْ يَطْلُبُوْا إِلَّا الْعَمَلَ الظَّاهِرَ

(۱۰) ایک مومن کے دِل میں شِرک کتنا سنگین جُرم ہے اِس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُس نے ایک ظاہری عمل کی مخالفت کرکے اپنی جان کی بازی لگادی لیکن وہ ادنٰی شرک کرنے پر تیار نہ ہوا کیونکہ اہلِ صنم نے صرف ظاہری عمل کرنے کو کہا تھا۔

الحادیۃ عشرۃ إِنَّ الَّذِي دَخَلَ النَّارَ مُسْلِمٌ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ كَافِرًا لَمْ يَقُلْ "دَخَلَ النَّارَ فِي ذُبَابٍ"۔

(۱۱) جو شرک کرکے جہنّم کا سزاوار ٹھہرا وہ مسلمان تھا کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ "ایک مکھی کے عوض جہنّم میں گیا۔"

الثانیۃ عشرۃ فِيهِ شَاهِدٌ لِلْحَدِيثِ الصَّحِيحِ "أَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ"۔

(۱۲) زیرِ نظر حدیث ایک دوسری صحیح حدیث کے ہم معنٰی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جنّت اور دوزخ اِنسان کے جُوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔"

الثالثۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ أَنَّ عَمَلَ الْقَلْبِ هُوَ الْمَقْصُودُ الْأَعْظَمُ حَتّٰى عِنْدَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ۔

(۱۳) دِلی کیفیت کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ عنداللہ اِسی کی مناسبت سے بدلہ ملے گا اور اِس حقیقت کو جان لینا کہ بُتوں کے پجاریوں کے ہاں بھی دِل کی کیفیّت ہی مقصود و مطلوب تھی۔

باب

لا یذبح للہ بمکان یذبح فیہ لغیر اللہ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں صرف اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ناجائز ہے۔

قولہ تعالیٰ لَا تَقُمْ فِیْهِ أَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۔

تم ہرگز اس عمارت میں نہ کھڑے ہونا۔ جو مسجد روزِ اوّل سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وُہی اِس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اِس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔

قولہٗ : لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ۭ

یہاں "لا" نافیہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ "لا" نہی کے لیے ہو اور یہ زیادہ واضح ہے اس آیتِ کریمہ کے بارے میں مفسّرین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے روک دیا تھا اور اس ممانعت میں آپؐ کے ساتھ اُمت بھی شامل ہے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی جس کی تاسیس یوم اوّل ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

اُمت کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت اور تمام مسلمانوں کا ایک ہی بات پر اتفاق نہایت ضروری ہے تاکہ سب مومنوں میں اتحاد و یک جہتی کا جذبہ پیدا ہو اور اسلام اور اہلِ اسلام کی اندرونی قوت و طاقت مضبوط اور مستحکم ہو۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا

صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِ قُبَا کَعُمْرَةٍ ۔ مسجد قبا میں نماز پڑھنے سے ایک عمرہ کا اجر ملتا ہے۔

جامع صحیح میں ہے کہ رسُول اللہ ﷺ قبا کی زیارت کو سواری اور پیدل دونوں حالتوں میں آیا کرتے تھے زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں جس مسجد کا ذکر ہے اِس کے بارے میں علمائے سلف مثلاً حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عروة رضی اللہ عنہ، حضرت عطیہ، امام شعبی اور امام حسن رحمہما اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ وُہ مسجدِ قبا ہے، شارح فرماتے ہیں، اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، کہ

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ (التوبة - ۱۰۸) اِس میں اللہ تعالیٰ کے وُہ بندے ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کا کہنا ہے کہ اِس سے مراد مسجد نبوی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

تَمَارٰی رَجُلَانِ فِی الْمَسْجِدِ الَّذِیْ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ	قرآن کریم میں جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقوٰی پر رکھے جانے کا ذکر ہے اِس کے متعلق دو شخص آپس میں ایک دوسرے سے مباحثہ کر رہے تھے۔
فَقَالَ رَجُلٌ ، ھُوَ مَسْجِدُ قُبَاءَ	ایک کا کہنا یہ تھا کہ وہ مسجد قباء ہے۔
وَقَالَ الْاٰخَرُ ، ھُوَ مَسْجِدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم ھُوَ مَسْجِدِیْ ھٰذَا (مسلم)	دوسرے شخص کا موقف یہ تھا کہ اس مسجد سے مسجد نبوی مراد ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری یہ مسجد ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اِس سے مسجد نبوی مراد لینا ہی صحیح ہے اور یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ آیت اور حدیث میں کوئی منافات اور تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ جب مسجد قبا کی بنیاد تقوی پہ رکھی گئی تھی تو مسجد نبوی کی بنیاد تو بطریق اولی تقوی پر تھی بخلاف مسجد ضرار کے کہ اس کی بنیاد یقیناً اللہ تعالی کی نافرمانی پر رکھی گئی تھی جیسا کہ خود قرآن کریم کہتا ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی، اِس غرض کیلئے کہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں اور (خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں۔
وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ	اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کیلئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اُسکے

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ (التوبة - ۱۰۷)

رسولؐ کے خلاف برسرِپیکار ہو چکا ہے، وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دُوسری چیز کا نہ تھا مگر اللہ گواہ ہے کہ وُہ قطعی جھوٹے ہیں۔

آیتِ کریمہ میں جن امور کی وضاحت کی گئی ہے انہی کے پیشِ نظر مسجدِ ضرار میں نماز پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کو روکا گیا تھا۔

مسجدِ ضرار کے بانیوں نے جب مسجد مکمل کر لی تو آنحضرت ﷺ کے غزوۂ تبوک پر روانہ ہونے سے پہلے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! اگر آپؐ تشریف لا کر اِس مسجد میں نماز پڑھا دیں تو ہماری خوش قسمتی ہو گی۔ ہم نے یہ مسجد محض اس لیے تعمیر کی ہے کہ کمزور اور بیمار لوگ یا جو کسی اور تکلیف میں مبتلا ہوں یا سردی کی راتوں میں اِس میں نماز پڑھ لیا کریں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب تو ہم غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف ہیں، البتہ واپسی پر اِنشاءاللہ آئیں گے اور نماز بھی پڑھیں گے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے اور آنحضرت ﷺ اور مسجدِ ضرار کے درمیان صرف ایک دن یا ایک دن کے کچھ حصّہ کی مسافت باقی تھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسجدِ ضرار کی اصل غرض و غایت کے بارے میں وحی نازل ہوئی اور اِس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی مسجدِ ضرار کو منہدم کرا دیا۔

سوال ـــــ زیرِ بحث آیتِ کریمہ کا، جس میں مسجدِ ضرار کے گرائے جانے کا ذکر ہے، اِس باب سے کیا تعلق ہے؟

جواب ـــــ وہ مقام، جہاں غیراللہ کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہاں خالِص اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنے سے بچنا چاہیے، بالکل اِسی طرح، جس طرح کہ مسجدِ ضرار کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنا پر کی گئی تھی، لہٰذا یہ مسجد اللہ تعالیٰ کے غضب کی جگہ ٹھہری، جس میں نماز جائز نہیں۔

اِسی طرح جہاں غیراللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

قیاس کا یہ اسلوب صحیح ہے، اس کی تائید حضرت ثابت بن الضحاک کی روایت سے ہوتی ہے جو اصل کتاب میں آگے آ رہی ہے۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا

وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ (التوبہ : ١٠٨)

اِس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔

قولہ : فِيْهِ رِجَالٌ

امام احمد رحمہ اللہ اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ وغیرہ نے عویم بن ساعدہ انصاری سے ایک روایت نقل کی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ مسجدِ قبا میں تشریف لائے اور اہلِ مسجد سے سوال کیا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ بِالطُّهُوْرِ فِيْ قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ فَمَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِيْ تَطَهَّرُوْنَ بِهِ ؟	اللہ تعالیٰ نے تمھاری پاکیزہ روشی اور طہارت کی بہت تعریف کی ہے، وہ طہور اور پاکیزگی کیا ہے جس سے تم اپنے آپ کو سنوارتے اور مطہر رکھتے ہو؟
فَقَالُوْا : وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا نَعْلَمُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُ كَانَ لَنَا جِيْرَانٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَكَانُوْا يَغْسِلُوْنَ أَدْبَارَهُمْ مِنَ الْغَائِطِ فَغَسَلْنَا كَمَا غَسَلُوْا	اُنھوں نے عرض کی کہ " یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہمیں تو اس کے سوا اور کوئی چیز معلوم نہیں کہ ہمارے پڑوس میں یہودی تھے جو قضائے حاجت کے بعد پانی استعمال کیا کرتے تھے، ہم نے بھی پانی اِستعمال کرنا شروع کر دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"هُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ"	جس پاکیزگی کا اللہ نے ذکر کیا ہے، وہ یہی ہے، اس پر ضرور عمل کرتے رہنا۔

عن ثابت بن الضحاك رضی اللہ عنہ قَالَ : نَذَرَ رَجُلٌ أَنْ يَّنحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ : هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِّنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ ؟ قَالُوا لَا۔ قَالَ : فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ ؟ قَالُوا لَا ۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوآنہ نامی مقام پر جا کر چند اونٹ ذبح کرے گا اِس نذر کے ماننے والے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں کوئی بُت تھا جس کی مشرک پوجا کرتے تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا کہ کیا وہاں مُشرکین کا میلا لگتا تھا؟ صحابہؓ نے کہا کہ نہیں۔

ان الفاظ کو ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، دارقطنی اور حاکم رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

قولہ : وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

"طہارت کے لیے پانی کا استعمال یقیناً اچھی بات ہے لیکن یہاں جس طہارت کا ذکر ہے اس کا تعلق معاصی اور گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ وہ نہیں جو اخلاقی پاکیزگی کی بنا پر عنداللہ "مطہرین" کے

زمرہ میں شامل ہیں۔"

اِس آیتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ محبّت کا اثبات ہوتا ہے اور یہ بات اشاعرہ وغیرہ کے مذہب کے خلاف ہے۔

قولہٗ : عن ثابت بن الضحاك رضي الله عنه

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ ابوقلابہ وغیرہ نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ اِس جلیل القدر صحابی نے ۶۴ھ میں وفات پائی۔

قولہٗ : بِبُوَانَةَ

بُوانہ، بضمّ الباء ہے اور بفتح الباء بھی۔ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق مکۃ المکرمہ سے یلملم کی طرف چلیں تو راستے میں نشیب میں بُوانہ واقع ہے۔

صاحبِ نہایہ علامہ ابوالسعادات رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"بوانہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع کے مقام سے پرے واقع ہے۔"

قولہٗ : هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِّنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ

اِس سے معلوم ہوا کہ جس مقام پر کسی بُت وغیرہ کی پرستش ہوتی ہو وہاں جاکر نذر کو پورا کرنا ممنوع ہے اگرچہ وہاں سے بُت وغیرہ ہٹا دیا گیا ہو۔

قولہٗ : فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ

حدیث کے اِن الفاظ کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"عید اُس عام اجتماع اور میلے کا نام ہے جو بار بار آئے یا بار بار منعقد ہو، چاہے اِس اجتماع کا انعقاد سالانہ کیا جاتا ہو یا ماہانہ کیا جاتا ہو یا ہفت روزہ۔ زیرِ بحث حدیث میں "عید" سے مراد اہلِ جاہلیّت کا یہ مخصوص اجتماع ہے عید کئی معانی کو متضمن ہے، بار بار آنا جیسے:

- یوم الفطر یا یوم الجمعہ۔
- اجتماع اور اِس سے متعلقہ عبادات و رسوم۔
- اُس مقام کو بھی عید کہتے ہیں جس مقام پر اِس طرح کا اجتماع ہوتا ہو۔
- کبھی مطلق خوشی کو بھی عید کہتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا تمام امور پر لفظ عید کا اطلاق ہوتا ہے۔

۱۔۔۔ بار بار بہ اعتبارِ زمانہ آنے والا اجتماع جیسے جمعہ کا دن۔ حدیث میں ہے:

اِنَّ ھٰذَا یَوْمٌ قَدْ جَعَلَہُ اللّٰہُ لِلْمُسْلِمِیْنَ عِیْدًا	یومِ جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے عید کا دن مقرر فرمایا ہے۔

۲۔۔۔ عبادات و رسوم پر اطلاق کی مثال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ:

شَھِدْتُ الْعِیْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم	میں عید کی عبادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوا۔

۳۔۔۔ مکان اور جگہ کو عید کہنے کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا	میری قبر کو میلے ٹھیلے کی جگہ نہ بنالینا۔

بعض اوقات دِن اور اِس سے متعلقہ عمل، دونوں کو عید کہتے ہیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

دَعْھُمَا یَا اَبَا بَکْرٍؓ! فَاِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا	اے ابوبکرؓ! ان سے کچھ نہ کہو! ہر قوم کے لیے کوئی نہ کوئی دن عید کا ضرور ہوتا ہے

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفتی کو افتاء سے پہلے تمام تفصیلات معلوم کر لینا چاہئیں۔

اِس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جاہلیت کے اُن مقامات پر جہاں وہ اجتماع کیا کرتے تھے اگرچہ اب وہاں اجتماع نہ بھی ہوتے ہوں تب بھی وہاں نذر وغیرہ کا پورا کرنا منع ہے۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اِس حدیث سے باب سدِّ ذرائع کا بھی اِستنباط ہوتا ہے نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین سے کسی پہلو سے بھی مشابہت نہیں ہونی چاہیے اور ان امُور سے بچنا چاہیے جن سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ مشرکین سے مشابہت کا ذریعہ اور وسیلہ بن سکتے ہیں۔"

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَآءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ - وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ أٰدَمَ -

(رواه ابوداؤد واسنادہٗ علی شرطهما)

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرلو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کا پورا کرنا درست نہیں ہے۔
اور نہ وہ نذر پوری کرنا صحیح ہے جو اِنسان کی ملکیت میں نہ ہو۔

قولہ : فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ :

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

" یہ حدیث اِس بات کی بیّن دلیل ہے کہ جس مقام پر مشرکین کا میلا لگتا ہو یا اُس مقام پر اُن کا کوئی بُت وغیرہ نصب ہو اگرچہ اس مقام پر اب نہ میلے کا اہتمام ہوتا ہو اور نہ بُت ہی نصب ہو۔ تاہم اِس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی جانور کو ذبح کرنا ممنوع ہے اور معصیت کے دائرے میں داخل ہے کیونکہ مشرکین کا کسی جگہ پر میلا لگانا یا کسی مقام پر اُن کا غیر اللہ کی عبادت کرنا، خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کرنے اور نذر پورا کرنے کے لیے مانع اور رکاوٹ ہے۔"

قولہ : فَاِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ

حدیثِ پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ غلط مقام پر صحیح نذر کو پورا کرنا بھی معصیت ہے اور اُسکا پورا کرنا بالاجماع ممنوع ہے، اِس میں اختلاف ہے کہ اِس سلسلے میں کفارۂ یمین ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اِس میں دو قول ہیں اور یہ دونوں امام احمد رحمہ اللہ سے منقول دو روایات پر مبنی ہیں۔

ا ۔۔۔ ایک روایت یہ ہے کہ کفارہ ادا کرنا واجب ہے، یہی بات درست ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اُن کے شاگرد بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَ كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ — اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں اور اس کا کفارہ وُہی ہے جو قسم کا ہے۔

اِسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ اور خود امام احمد رحمہ اللہ نے اِسی حدیث کو قابلِ حُجت گردانا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اہلِ سنن نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

۲ —— دوسری روایت یہ ہے کہ اِس طرح نذر پورا نہ کرنے پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ مسروق، امام شعبی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ اِن کی دلیل یہی حدیث ہے کیونکہ اِس حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے اِس لیے کفارہ نہ ہوگا۔

اِن ائمۂ کرام کے اِس فرمان کا جواب یہ ہے کہ اِس سے پہلی حدیث میں کفارہ کا ذکر موجود ہے، لہٰذا مطلق حدیث کو مقید حدیث پر محمول کیا جائے گا۔

قولہ : وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ

صاحبِ شرح المصابیح اِس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ :

"اگر انسان ایسی شے کی نذر مانے جس کا وہ مالک نہیں ہے، مثلاً وہ کہے کہ "اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی تو مَیں فلاں کے غلام کو آزاد کروں گا وغیرہ" تو اِس کا ایفا ضروری نہیں۔ لیکن اگر ایسی چیز کی نذر مانتا ہے جو اُسکے ذمہ یا دائرہ اختیار میں داخل ہو اور یوں کہے کہ "اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے شِفا بخش دی تو مَیں اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کر دوں گا" یہ کہتے وقت بے شک اس کے پاس کوئی غلام نہ ہو، تب بھی اُس کے ذمے غلام آزاد کرنا باقی رہے گا۔"

قولہ : رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ إِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِهِمَا

ھما کی ضمیر کا مرجع، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔ ابوداؤد رحمہ اللہ کا پورا نام یہ ہے : سلیمان بن الاشعث بن اِسحاق بن بشیر بن شداد الازدی السجستانی۔ یہ امام احمد کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ یہ سنن ابوداؤد اور مراسیل وغیرہ کے مصنف ہیں۔ اپنے وقت کے ثقہ امام، حافظ الحدیث اور کبار علماء میں سے تھے۔ ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ تفسیر قولِہ : " لَا تَقُمْ فِیْہِ أَبَدًا "۔

① آیت " لَا تَقُمْ فِیْہِ أَبَدًا " کی تفسیر

الثانیۃ أَنَّ الْمَعْصِیَۃَ قَدْ تُؤَثِّرُ فِي الْأَرْضِ وَ کَذٰلِکَ الطَّاعَۃُ

② اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اُس کی نافرمانی کا اثر زمین پر بھی ہوتا ہے

الثالثۃ رَدُّ الْمَسْئَلَۃِ الْمُشْکِلَۃِ إِلَی الْمَسْئَلَۃِ الْبَیِّنَۃِ لِیَزُوْلَ الْأِشْکَالُ

③ مشکل مسئلہ کو پوری وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

الرابعۃ إِسْتِفْصَالُ الْمُفْتِيْ إِذَا احْتَاجَ إِلٰی ذٰلِکَ ۔

④ اگر مفتی مناسب سمجھے تو متعلقہ مسئلہ کی تفصیلات دریافت کر سکتا ہے۔

الخامسة: أَنَّ تَخْصِيصَ الْبُقْعَةِ بِالنَّذْرِ لَا بَأْسَ بِهٖ إِذَا خَلَا مِنَ الْمَوَانِعِ۔

۵ اگر کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو تو نذر کو پورا کرنے کے لیے کسی بھی جگہ کو مخصوص کیا جا سکتا ہے۔

السادسة: اَلْمَنْعُ مِنْهُ إِذَا كَانَ فِيْهِ وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ وَ لَوْ بَعْدَ زَوَالِهٖ

۶ جس مقام پر دورِ جاہلیّت کے اوثان میں سے کوئی وثن ہو، اگرچہ اس کو ختم ہی کر دیا گیا ہو تاہم ایسی جگہ کو نذر پورا کرنے کیلئے منتخب نہیں کرنا چاہیے

السابعة: اَلْمَنْعُ مِنْهُ إِذَا كَانَ فِيْهِ عِيْدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ وَ لَوْ بَعْدَ زَوَالِهٖ۔

۷ مشرکین کی عید کی جگہوں پر نذر پوری کرنے سے باز رہنا چاہیے اگرچہ مشرکین کے عید منانے کا سلسلہ ختم ہی ہو چکا ہو۔

الثامنة: أَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ الْوَفَاءُ بِمَا نَذَرَ فِيْ تِلْكَ الْبُقْعَةِ لِأَنَّهٗ نَذْرُ مَعْصِيَةٍ۔

⑧ مذکورۃ الصدر ایسی جگہوں میں نذر مانی گئی ہو تو اُس کو پورا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ نذر معصیت کی نذر کہلائے گی۔

التاسعۃ اَلْحَذَرُ مِنْ مُشَابَهَةِ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ أَعْيَادِهِمْ وَلَوْ لَمْ يَقْصُدْهُ۔

⑨ مشرکین کی عید کے دن کی مشابہت سے بچنا چاہیے اگرچہ ان کے ساتھ عید منانا مقصود نہ بھی ہو۔

العاشرۃ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ

⑩ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سلسلے کی نذر باطل ہے۔

الحادیۃ عشرۃ لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ۔

⑪ اِنسان جس کا خود مالک نہیں ہے اس کی نذر ماننا غلط ہے۔

باب
من الشرک النذر لغیر اللہ
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ
غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دینا
شرک ہے۔

قول اللہ تعالیٰ یُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُونَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿ الدھر : ۷ ﴾
قولہ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ﴿ البقرۃ - ۲۷ ﴾

یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔
تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہو، اور جو نذر بھی مانی ہو اللہ کو اس کا علم ہے۔

قول اللہ تعالیٰ : یُوفُونَ بِالنَّذْرِ

یہ آیتِ کریمہ نذر پوری کرنے کے وجوب پر دلالت کناں ہے کیونکہ نذر کا پورا کرنا عبادت کے قبیل سے ہے اور اس کے ساتھ اس بات کی بھی تصریح موجود ہے کہ غیر اللہ کی نذر ماننا شرک ہے اور یہ کہ جو شخص خالصتہً اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانتا ہے اور اسے پورا بھی کرتا ہے، وہ لائق تعریف ہے۔

قولہ : وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ :

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"اللہ اپنی تمام مخلوق کے افعال و اعمال، خیرات و حسنات اور نفقات و منذورات سے خوب آگاہ ہے۔ یہ آیتِ کریمہ اسی مفہوم کو شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن افراد کو، جو صرف اُس کی رضا کے لیے خرچ کریں اور نذر مانیں، انہیں بڑھ چڑھ کر صلہ دے گا۔"

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ نذریں جو عبّادِ قبور، اہلِ قبور سے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اصحاب القبور ان کی حاجات پوری کریں اور ان کے سفارشی بنیں، تو یہ سب بلا ریب و شک شرک فی العبادت ہے، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے :

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ ان لوگوں نے اللہ کیلئے خود اسی کی پیدا کی

اَلْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا	ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصّہ
فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ	مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے
وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ	بزعمِ خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں
لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى	کیلئے پھر جو حصّہ انکے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کیلئے
اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ	ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کیلئے ہے
يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ	وُہ اِنکے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے، کیسے بُرے
مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (الانعام-۱۳۶)	فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ!

اِس مقام پر شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"وہ نذریں جو غیر اللہ کے لیے مانی جاتی ہیں جیسے اصنام، سُورج، چاند اور قبر وغیرہ کے لیے تو ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی شخص غیر اللہ کے نام کی قسم کھائے یہ بات واضح ہے کہ جو شخص مخلوقِ خدا کی قسم کھاتا ہے نہ اِس پر کفارہ واجب ہے اور نہ وہ اِس قسم کو پُورا کرنے کا مکلّف اور پابند ہے۔

پس یہی حکم اُس شخص کا ہے جو غیر اللہ کے نام کی نذر مانے۔ یہ دونوں فعل شرک ہیں اور شرک پر کوئی کفارہ اور بدلا نہیں ہے، بلکہ مرتکبِ شرک کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ سے مغفرت طلب کرے اور وہی کچھ کہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ حَلَفَ وَ قَالَ فِىْ	جو شخص غیر اللہ مثلاً لات اور عُزّٰی کے
حَلِفِهٖ : وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى	نام کی قسم کھائے اُسے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"
فَلْيَقُلْ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ[1]	پڑھ لینا چاہیے۔"

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص قبر وغیرہ کے لیے تیل کی نذر مانے تاکہ قبروں پر دیے جلائے اور جیسا کہ بعض گمراہ لوگوں کا عقیدہ ہے، یہ عقیدہ رکھے کہ نذر قبول کی جاتی ہے ایسی نذر مُسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق معصیت ہے اور اُسے پُورا کرنا ناجائز ہے۔

---

[1] یہ روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

یہی صورتِ حال اُس مال کی ہوگی جو صاحبِ قبر یا مجاورین کو خوش کرنے کیلئے بطورِ نذر مانا گیا ہو، کیونکہ یہ مجاورین ان لوگوں سے ملتے جلتے ہیں جو کہ لات، عُزّٰی اور مناۃ کے مجاور تھے۔ وہ بھی ناحق لوگوں کا مال کھاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ آج کے مجاوروں کا بھی یہی حال ہے، یہ بھی عوام الناس کا مال بے دریغ کھاتے ہیں اور سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صراطِ مستقیم سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل وہی ہے جس کے بارے میں اللہ کے خلیلؑ نے فرمایا تھا:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○ — یہ مُورتیاں کیسی ہیں جن کے پاس بیٹھے رہتے ہو؟

نیز اِن قبروں کے مجاوروں کی حیثیت اُن لوگوں کی سی ہے جن کے پاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اِسرائیل کا گزر ہوا تھا۔ اِس واقعہ کو قرآنِ مجید اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ (الاعراف - ۱۳۸) — بنی اِسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا پھر وُہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر اُن کا گزر ہُوا جو اپنے چند بُتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی۔

قبروں کے اِن محافظوں اور مجاوروں کو نذر پیش کرنے کی حیثیت عیسائیوں کی صلیب کے محافظوں اور پہرے داروں کی سی ہے، یا پھر ہندوستان میں بُدھ کے مجسموں کے اُن پجاریوں کی ہے جو اپنے بُتوں کی حفاظت کی خاطر یہاں دھرنا دے کر بیٹھے رہتے ہیں۔"

امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ "شرح المنہاج" میں لکھتے ہیں کہ:

"کسی نبی، ولی، بزرگ، عالم، پیر وغیرہ کی قبر پر جا کر نذر ماننا کہ یہ جگہ بہت مقدس اور پاک ہے یا اِس کے نواح اور ان علاقوں میں اولیاء اللہ اور صالحین کا آنا جانا ہے۔ نذر ماننے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اِس علاقے، اِس

مشہد یا اِس زاویہ کا اکرام کرنے یا نذر ماننے یا اِس صاحبِ قبر کی تعظیم بجالانے سے برکت پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب عقائد و افعال معصیت ہیں اور نذر دینا باطل ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ ان مقامات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر نذر ماننے سے مصائب و مشکلات کا خاتمہ ہو جائے گا، رزق میں فراخی ہوگی، منافع حاصل ہوں گے اور مریض کو جلد شفا ہوگی۔

بعض لوگ اِس سلسلے میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ کسی پتھر پر جا کے نذر مان لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اِس پتھر پر فلاں ولی یا بزرگ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ بعض قبروں پر چراغ، موم بتیاں اور تیل جلاتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ فلاں قبر یا فلاں مکان پر نذر و نیاز فوراً قبول ہوتی ہے۔ اِس سے ان کی مُراد یہ ہوتی ہے کہ یہاں چراغاں کرنے سے مریض صحت یاب ہو جاتا ہے، گم شدہ واپس آجاتا ہے، غائب حاضر ہو جاتا ہے، مُسافر بخیریت گھر آجاتا ہے، سرقہ شدہ چیز بسلامت واپس آجاتی ہے۔

اِس قسم کے تمام عمل اور نذریں باطل ہیں اور قبروں پر چراغاں کرنا شریعت کے منافی ہے۔

بہت سے لوگ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر بڑی بڑی شمعیں لے کر جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام اور صلحائے عظام کی قبروں پہ اسی طرح کے چڑھاوے چڑھاتے اور نذریں پیش کرتے ہیں۔ اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے صاحبِ قبر کا تقرب حاصل ہوگا اور اس کی تعظیم و تکریم کے پہلو نکلیں گے اور یہ چیز باعثِ برکت ثابت ہوگی۔

یاد رہے کہ یہ وہ حرکات ہیں جو بلا شبہ باطل ہیں اور اِس انداز سے چراغاں وغیرہ کرنا مطلق حرام ہے، یہ افعال و اعمال نفع رساں ہوں یا نہ ہوں بہر حال دونوں صورتوں میں اِسلام کی رُو سے غلط ہیں۔"

اِس سلسلے میں اب ایک حنفی عالم الشیخ قاسم رحمہ اللہ کی رائے بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ اپنی کتاب "شرح درر البحار" میں لکھتے ہیں کہ:

"دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ کسی ولی یا بزرگ کی قبر پہ اُس کے سرہانے کھڑے ہو کر نذر مانتے ہیں اور اُن میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے جناب! اگر میرا گمشدہ بھائی مل جائے یا میرا مریض اچھا ہو جائے یا اپنی کسی حاجت کا نام لے کر کہتا ہے کہ میری یہ ضرورت اور حاجت پُوری کر دے گا تو میں اتنا سونا یا اتنی چاندی تیری نذر کروں گا یا اتنا کھانا یا اتنا دُودھ یا فلاں فلاں شے اتنی مقدار میں تجھے دوں گا یا اتنا تیل تیری قبر پہ جلاؤں گا۔ یاد رکھیے یہ نذر بالاجماع باطل قرار پائے گی جس کی کئی وجوہ ہیں:

۱۔ ایک وجہ یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لیے ہے اور مخلوق کے لیے نذر ماننا ناجائز ہے کیونکہ نذر بھی ایک قسم کی عبادت کا نام ہے اور عبادت اگرچہ کسی قسم کی ہو کسی مخلوق کے لیے نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نذر میّت کے لیے مانی گئی ہے اور میّت کو کسی چیز پر بھی قدرت اور تصرّف حاصل نہیں ہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے یہ خیال کیا کہ میّت کو معاملات میں تصرّف حاصل ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔"

علامہ قاسم الحنفی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"مندرجہ بالا دلائل معلوم ہونے کے بعد جو شخص نقدی یا شمع یا تیل وغیرہ اولیاء اللہ کی قبر پر اِس لیے لے جاتا ہے کہ وہاں سے تبرک حاصل کرے گا تو یہ فعل اور عمل باجماع المسلمین حرام ہے۔"

اِس عبارت کو علامہ ابونجیم زین الدین رحمہ اللہ نے کنزُ الدقائق کی شرح البحر الرائق میں اور علّامہ مرشدی رحمہ اللہ نے اپنے تذکرہ میں بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"آج کل اِس قسم کی نذر و نیاز اور شرکیہ اعمال میں عوام مبتلا ہو گئے ہیں، اور اسی طرح کر رہے ہیں جیسے مصر میں احمد بدوی کی قبر پہ کر رہے ہیں۔"

اِس سلسلے میں ایک اور حنفی عالم شیخ صنع اللہ الحلبی الحنفی رحمہ اللہ نے بھی صراحت کی ہے۔ وہ ان لوگوں کا جو ذبیحہ لغیر اللہ اور نذرِ اولیاء کے قائل ہیں، رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

وفی الصحیح عن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اولیائے کرام کے نام پر جانور ذبح کرنا، نذریں اور منتیں ماننا سب غیر اللہ میں شامل ہیں، لہٰذا باطل ہیں، قرآن کا ارشاد ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ	جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو، اس کا گوشت نہ کھاؤ

(الانعام - ۱۲۱)

یہ بھی ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ	کہو، میری عبادت، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ ربّ العالمین کیلئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

(الانعام - ۱۶۲)

غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا لینے کے مترادف ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح کہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا شرک ہے"

قولہ: فِی الصَّحِیْحِ

اس سے صحیح بخاری مراد ہے۔

قولہ: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی مراد ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سات سال کی عمر میں نکاح ہوا اور نو سال کی عمر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے گئیں۔

مَنْ نَذَرَ أَنْ يُّطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ۔
وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَّعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهٖ۔

جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ کسی معاملہ میں اللہ کی اطاعت کرے گا تو اُسے اپنی یہ نذر پُوری کرنی چاہیے۔
اور جو شخص ایسی نذر مانے جو اللہ کی نافرمانی پر منتج ہو تو اُس کو پُورا کر کے اللہ کا نافرمان نہ بنے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھیں۔ حضرت خدیجۃُ الکبریٰ کے سوا تمام ازواجِ مطہرات پر فضیلت رکھتی تھیں۔
صحیح قول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۵۸ھ میں فوت ہوئیں

قولہٗ : مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللهَ فَلْیُطِعْهُ

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے جو نذر مانی ہے اُس کو پُورا کرے۔
علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو نذر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مانی گئی ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا، تو ایسی نذر کو پُورا کرنا واجب ہے اگر اس نے کسی چیز کے حصول پر ایفائے نذر کو معلق رکھا تو اس کے حاصل ہونے کے بعد نذر پُوری کرے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں، کہ: نذر وہی واجب ہے، جس کی جنس عمل شرعی اصوُل کے مطابق واجب ہے، جیسا کہ روزہ اور جو واجب نہیں جیسا کہ اعتکاف تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں۔

قولہٗ : وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَ اللهَ فَلَا یَعْصِهٖ۔

علّامہ طحاوی رحمہ اللہ نے اِس سے آگے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: وَلْیُکَفِّرْ عَنْ یَّمِیْنِهٖ
علمائے اُمّت کا اِس مسئلہ پر اجماع ہے کہ معصیت پر مبنی نذر کا پُورا کرنا جائز نہیں ہے۔
حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"وہ نذر جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی ہو اُس کے حرام ہونے میں تمام عُلمائے کرام کا اِتفاق ہے، البتہ اِس بات میں اِختلاف ہے کہ ایسی نذر کا کفّارہ ادا کیا جائے یا نہ کیا جائے۔"

اِس اختلاف کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

زیرِ بحث حدیث سے نذر کی اِس صورت کے جائز ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، جو امُورِ مباح سے متعلق ہو، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک ہے۔ اِس کی مزید تائید حدیثِ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ عن ابیہ عن جدہ سے ہوتی ہے جسے ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اِس حدیث کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وہ حدیث یہ ہے کہ:

إِنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى رَأْسِكَ بِالدُّفِّ فَقَالَ: أَوْفِيْ بِنَذْرِكِ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے آکر کہا کہ مَیں نے اِس بات کی نذر مانی تھی کہ مَیں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ اپنی نذر پُوری کرلے۔

البتہ جو نذر غصّے اور لڑائی جھگڑے کی حالت میں مانی گئی ہو، اُس کے بارے میں امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اِس کی حیثیت قسم کی ہوگی، اِس میں نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا کہ یا تو نذر پُوری کرے یا اِس کا کفّارہ ادا کرے جیسا کہ عمران بن الحصین کی مرفوع حدیث میں ہے کہ:

لَا نَذْرَ فِيْ غَضَبٍ وَ كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ	غصّے کی حالت میں مانی ہوئی نذر، نذر نہیں ہے۔ اِس کا کفّارہ وُہی ہے جو قسم کا کفّارہ ہے۔

(رواہ سعید بن منصور و احمد والنسائی)

اگر کسی فعلِ مکروہ کی نذر مانے، جیسے طلاق وغیرہ کی تو اِس میں بہتر اور مستحب یہ ہے کہ کفّارہ ادا کرے، نذر پُوری نہ کرے۔

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: وُجُوبُ الْوَفَآءِ بِالنَّذْرِ۔

① نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

الثانیۃ: إِذَا ثَبَتَ كَوْنُهُ عِبَادَةً لِلّٰهِ فَصَرْفُهُ إِلٰى غَيْرِهِ شِرْكٌ

② جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ نذر اللہ کی ایک عبادت ہے تو اس عبادت کو غیر اللہ کے لیے انجام دینا شرک ہوا۔

الثالثۃ: أَنَّ نَذْرَ الْمَعْصِيَةِ لَا يَجُوزُ الْوَفَاءُ بِهِ۔

③ جو نذر مبنی بر معصیت ہو اُسے پورا کرنا جائز نہیں۔

باب
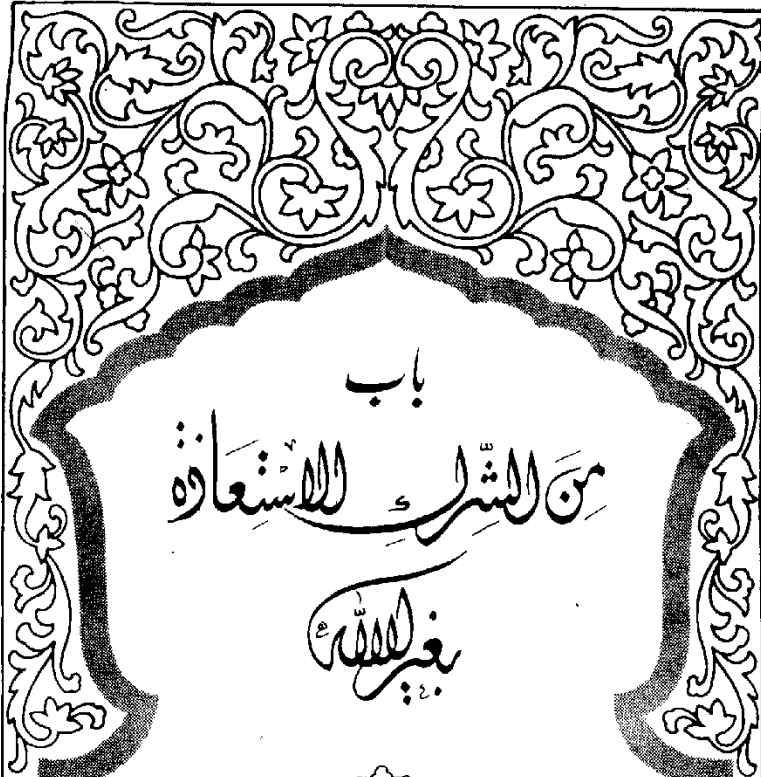
من الشرك الاستعاذة بغیر اللہ

اس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کی پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے

بَابٌ مِنَ الشِّرْكِ أَلْإِسْتِعَاذَةُ بِغَيْرِ اللّٰهِ۔

غیراللہ سے پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔

قولہ: مِنَ الشِّرْكِ اَلْاِسْتِعَاذَةُ بِغَيْرِ اللّٰهِ:

استعاذہ: کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"کسی کو اپنا ملجا و ماوٰی مان لینے اور اسے مضبوطی سے تھام لینے کو استعاذہ کہا جاتا ہے۔"

سو جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا ملجا و ماویٰ قرار دے لے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص ہر مُوذی اور مُہلک شئی سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا چاہتا ہے۔

اسلوبِ بیان کی یہ نوعیت محض ایک تمثیل ہے۔ ورنہ قلب و جگر کی وہ کیفیت جس سے ایک مومن بندہ اللہ کی پناہ میں آتا ہے۔ اس سے اُستواری کا طالب ہوتا ہے۔ اور اس کے سامنے اپنی احتیاج کا اظہار کرتا ہے۔ اور تذلّل سے پیش آتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کا الفاظ احاطہ نہیں کر سکتے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ استعاذہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"ہر قسم کی موذی، مہلک اور شریر اشیاء سے بچاؤ کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا رُخ کرنے اور اسی کو اپنا ملجا و ماوٰی قرار دینے کو استعاذہ کہتے ہیں یہ استعاذہ کبھی تو کسی کے شرّ سے محفوظ رہنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی کسی بھلائی کی طلب کے لیے۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ عبادات ہیں جن کو اخلاص کے ساتھ انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے۔ جیسے فرمایا

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (حٰم السجدۃ - ۳۶)	اور اگر چوک لگے آپ کو شیطان کے چوکنے سے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیے کیونکہ وہی ہے سُننے اور جاننے والا۔

پھر فرمایا کہ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ کہو۔ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے ربّ کی

ایک اور جگہ یوں فرمایا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ کہو۔ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے ربّ کی

اس مفہوم کی آیات قرآنِ کریم میں بے شمار ہیں

جو عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہو اُسے کسی دوسرے کے لیے انجام دینا شرک فی العبادۃ کہلاتا ہے۔

اور جس شخص نے ان عبادات میں سے کسی ایک عبادت کو بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا، اُس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ یوں سمجھیے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کو دوسرے میں ثابت کیا جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کے لیے نماز پڑھی تو اس نے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اس کے لیے نماز پڑھی، اس میں اور مندرجہ بالا عبادات میں کوئی فرق نہیں ہے اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"جنّات نے یہ خیال کیا کہ ہم انسانوں سے افضل اور اعلیٰ مقام کے مالک ہیں۔ کیونکہ انسان ہماری پناہ کی تلاش و جستجو میں رہتے ہیں۔

یعنی زمانہ جاہلیّت میں لوگ جب کسی ایسی وادی میں مقیم ہوتے جہاں کوئی خطرہ ہو یا کسی جنگل میں ٹھہرتے جہاں توحش کا سماں ہو، تو اس جنگل اور وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ طلب کرتے کہ کہیں ہمیں کوئی چیز تکلیف نہ پہنچائے، جیسے اگر کوئی شخص کسی دشمن کے ملک میں جائے تو اس صورت میں کسی بہت بڑے آدمی کی پناہ حاصل کرتا ہے۔

چنانچہ جب جنّات نے محسوس کیا کہ انسان ڈر کر ہماری پناہ میں آتا ہے تو انہوں نے اپنا رُعب، دبدبہ اور خوف و خطر کو ان پر اور زیادہ مسلط کر دیا حتیٰ کہ اُس زمانے میں انسان سب سے زیادہ خوف جنّات ہی سے کھانے لگا۔

قولہ تعالیٰ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ الجن : ٦

انسانوں میں سے کچھ لوگ جِنّوں میں بعض لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔
اِس طرح اُنھوں نے جِنّوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

ابوالعالیہ، الربیع، اور زید بن اسلم نے رَہَقًا کا ترجمہ خَوْفًا کیا ہے۔ اور العوفی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رہقًا کا ترجمہ اثمًا نقل کیا ہے اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی کہنا ہے کہ رہقًا اثمًا یعنی گناہ کے معنیٰ میں آیا ہے۔"

قدیم اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب کسی خطرناک مقام پر پڑاؤ ڈالتے تو یہ کہا کرتے تھے۔

اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْوَادِيْ کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں آتا ہوں۔

علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ غیر اللہ سے استعاذہ ممنوع اور حرام ہے۔
مُلّا علی قاری الحنفی رحمہ اللہ استعاذہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"جنّات وغیرہ سے استعاذہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کی مذمّت فرمائی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ

اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنّات! تم نے انسانوں سے بہت فائدے حاصل کیے تو جو انسانوں میں ان کے دوستدار ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار!

وعن خولة بنت حکیم رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ -

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا کہ جو شخص کسی جگہ میں ٹھہرے اور یہ کلمات کہہ لے کہ

بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ	ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل
اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ	کرتے رہے اور آخر اس وقت کو پہنچ
قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ	گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرّر کیا تھا
فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ	خدا فرمائے گا کہ اب تمہارا ٹھکانا دوزخ
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○	ہے ہمیشہ اس میں جلتے رہوگے مگر جو
(الانعام - ۱۲۸)	خدا چاہے بے شک تمہارا پروردگار
	دانا اور خبردار ہے ۔

جنّات سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنی کوئی ضرورت پُوری کرالے یا اپنا کوئی حکم منوالے۔ یا کسی نامعلوم اور مقامِ بعید کی خبر حاصل کرلے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور جنّات کے انسانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ان سے اپنی تعظیم کرالے۔ یا اس کو استعاذہ پر مجبور کردے، یا اپنے سامنے اس کو کسی کام کے لیے مجبور کردے وغیرہ۔

مصنّف رحمہ اللہ آگے چل کر لکھتے ہیں

" اس استعاذہ سے اگر کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہو بھی جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ شرک نہیں ہے۔ بلکہ یہ شرک ہی رہے گا "

قولہ : عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ :

مَیں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اُس کے مکمّل اور بے عیب کلمات کے ساتھ،
تمام مخلوق کے شرّ سے۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کو اُمّ شریک کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جب حضرت عثمان فوت ہو گئے تو بعض کا کہنا ہے کہ حضرتِ خولہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کیا، لیکن (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح نہیں کیا)

ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"یہ بہت ہی پارسا، اور صالحہ خاتون تھیں۔ اور ان کو پُوری طرح کتاب و سُنّت کا علم حاصل تھا۔"

قولہٗ : أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ :

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان مقدّس کلمات کی اس لیے تعلیم دی کہ ان سے استعاذہ کیا کریں۔ اور جاہلیّت کے دور میں جو جنّات وغیرہ سے استعاذہ کیا جاتا تھا اُسے ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں کو اپنے نام اور صفات سے استعاذہ کے لیے ہدایت کی۔

علّامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"التّامّات کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسے کامل ترین کلمات ہیں جن میں اس طرح نقص پایا جانا ناممکن ہے۔ جس طرح کہ انسان کے کلام میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کلمات نقص سے بالکل مبرّا اور بے عیب ہیں۔

○ ــــ بعض علماء نے اس کے یہ معنیٰ بھی کیے ہیں کہ یہ کلمات شافی اور کفایت کرنے والے ہیں۔

○ ــــ بعض علماء نے یہاں قرآنِ کریم مراد لیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

قرآنِ کریم کے بارے میں فرمایا ہے کہ " یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے "
ان کلمات کی حیثیت ایک رہنما کی ہے ، جس سے انسان موذی چیزوں
سے محفوظ رہتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ استعاذہ کرنے کی طرف توجہ دلائی
گئی ہے اور یہ انتہائی پسندیدہ عمل ہے لہٰذا ہر انسان کے لیے لازم ہے کہ
وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اُس کی صفات سے استعاذہ کرے۔ اور اپنی آرزوئیں
کو صدقِ دل سے اس کے سامنے پیش کرے، استعاذہ کے بارے میں
اللہ تعالیٰ پر پُورا بھروسہ رکھے اور اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارے جب
کسی شخص میں یہ صفات پیدا ہوجائیں گی تو ان شاء اللہ وہ اپنے مقصد میں
کامیاب ہوگا ، اپنی مراد ، اور خواہش کو پالے گا ، اور اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" بہت سے ائمہ کرام نے جن میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سر فہرست ہیں، اس
بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مخلوق میں سے کسی سے بھی استعاذہ کرنا جائز نہیں
ہے اور اسی سے ان ائمہ نے قرآنِ کریم کے غیر مخلوق ہونے کا استدلال کیا ہے
تمام ائمہ نے یہ لکھا اور کہا ہے کہ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت
ہو چکی ہے کہ آپ نے اللہ کے کلمات سے استعاذہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔
اور خود بھی اس پر عمل کیا ہے ۔ اسی بنا پر علما نے ایسے تعویذات سے سختی سے
منع فرمایا ہے جن کے معانی کا علم نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مبادا اُن میں شرکیہ
کلمات ہوں "

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" جو شخص کسی شیطان کے لیے کوئی جانور ذبح کرے، اس کو پکارے،
اس سے استعاذہ کرے اور اپنی محبوب چیز کے حصول کی غرض سے اس
کا تقرّب حاصل کرے تو یوں سمجھیے کہ اس شخص نے شیطان کی عبادت کی
ہے ۔ اگرچہ وہ شخص اس کو عبادت کے نام سے موسوم نہ کرے بلکہ خدمت

لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْحَلَ مِنْ مَّنْزِلِهِ ذٰلِكَ ۔ رواہ مسلم

مذکورہ دُعا پڑھنے سے اس مقام سے کوچ کرنے کے وقت تک اسے کوئی چیز تکلیف نہ دے سکے گی۔

ہی کے نام سے کیوں نہ تعبیر کرے ۔شیطان پر اعتماد کرکے ہی تو اس سے خدمت لی جاسکتی ہے ۔ اس فعل سے انسان شیطان کے غلاموں اور پجاریوں میں شمار ہوگا۔ اسی وجہ سے شیطان انسان کی خدمت کرتا ہے ۔

لیکن شیطان کے انسان کی خدمت کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ شیطان نے انسان کی عبادت کی ہے ۔کیونکہ شیطان توکسی کے سامنے نہ جھکتا ہے نہ کسی کی عبادت کرتا ہے ۔بخلاف انسان کے کہ وہ شیطان کے سامنے جھکتا بھی ہے اور اُس کی عبادت بھی کرتا ہے۔"

قولہٗ : مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

"یعنی ہر شر سے ، وہ جس مخلوق میں بھی پایا جائے وہ مخلوق حیوان ہو یا غیر حیوان ۔جن ہو یا انسان چوپایہ ہو یا کوئی زہریلا کیڑا ، ہوا میں ہو یا رعد و بجلی میں غرض دُنیا اور آخرت کی کسی چیز میں بھی شر ہو اُس سے پناہ چاہنا۔"

اس میں " ما " موصولہ ہے ۔اس سے عموم مطلق مراد نہیں ہے ۔ بلکہ تقیّد وصفی مراد ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ انسان یہ کہے کہ میں ہر اُس مخلوق سے پناہ چاہتا ہوں جس میں شرّ کا مادہ پایا جاتا ہو۔

اس میں جنّت ، ملائکہ ، اور انبیاء شامل نہیں ہیں کیونکہ ان میں شر نہیں ہوتا۔

شرّ کا لفظ دو چیزوں پر بولا جاتا ہے ۔

۱ــــــ تکلیف اور مصیبت پر ۔

۲ــــــ اور ہر اُس چیز پر جو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کر سکتی ہو ۔

فیہ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْجِنِّ.

① سورۂ جنّ کی آیت کی تفسیر۔

الثانیہ: كَوْنُهُ مِنَ الشِّرْكِ

② غیر اللہ سے استعاذہ کرنے کا شرک ہونا۔

الثالثہ: أَلْإِسْتِدْلَالُ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْحَدِيْثِ لِأَنَّ الْعُلَمَآءَ يَسْتَدِلُّوْنَ بِهِ عَلٰى أَنَّ كَلِمَاتِ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوْقَةٍ قَالُوْا لِأَنَّ الْإِسْتِعَاذَةَ بِالْمَخْلُوْقِ شِرْكٌ.

قولہ: لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"یہ خبر صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل درست ہے۔ ہم نے اس کی سچائی کو تجربہ سے بھی حاصل کیا ہے۔ کیونکہ جب سے میں نے اس ارشادِ گرامی کو سُنا ہے، اُسی وقت سے اِس پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے کسی وقت بھی کسی چیز نے تکلیف نہیں دی۔ ایک دفعہ البتہ مجھے بچھو نے کاٹا تھا میں نے غور کیا تو پتا چلا کہ میں یہ کلمات کہنا بھول گیا تھا۔"

③ غیر اللہ سے استعاذہ کے شرک ہونے پر حدیث سے استدلال کیونکہ علمائے کرام اِس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے کلمات مخلوق نہیں ہیں، اِس کی دلیل یہ ہے کہ مخلوق سے استعاذہ کرنا شرک ہے۔

اگر کلماتُ اللہ مخلوق ہوتے تو رسُول اللہ ﷺ ان سے استعاذہ کی اجازت نہ دیتے۔

الرابعۃ فَضِيلَةُ هٰذَا الدُّعَآءِ مَعَ إِخْتِصَارِهِ۔

④ اِس دعا کے مختصر ہونے کے باوجود اِس کی فضیلت۔

الخامسۃ أَنَّ كَوْنَ الشَّيْءِ يَحْصُلُ بِهِ مَنْفَعَةٌ دُنْيَوِيَّةٌ مِنْ كَفِّ شَرٍّ أَوْ جَلْبِ نَفْعٍ لَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ الشِّرْكِ۔

⑤ کسی عمل سے اگر دُنیاوی فائدہ حاصل ہو جائے مثلاً کسی کی شرارت سے محفوظ رہنا یا کوئی نفع حاصل ہو جاتے تو یہ فائدہ اِس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عمل شرک نہیں ہے۔

باب

من الشرك الاستغاثة بغير الله ودعاء غير الله

اِس باب میں اِس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ
غیراللہ کو پکارنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے فریاد کناں
ہونا شرک ہے۔

بَابٌ مِّنَ الشِّرْكِ أَنْ يَّسْتَغِيْثَ بِغَيْرِ اللّٰهِ أَوْ يَدْعُوَ غَيْرَہٗ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"کسی سے مدد طلب کرنے کو استغاثہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس سختی میں کوئی مبتلا ہو اس کا ازالہ ہو جانا۔ اِستغاثہ کے معنیٰ بالکل اسی طرح امداد طلب کرنا ہیں جس طرح استنصار کا معنیٰ نصرت طلب کرنا اور استعانت کے معنیٰ اِعانت طلب کرنا ہیں۔"

بعض علماء نے اِستغاثہ اور دعاء میں فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ استغاثہ میں شرط ہے کہ مستغیث کسی مصیبت میں مبتلا ہو اور دعاء عام ہے، کسی مصیبت میں مبتلا ہو یا نہ ہو دعاء ہر وقت مانگی جا سکتی ہے عبارت میں دعا کا عطف اِستغاثہ پر ہے۔ اس کو عطف عام علی الخاص کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہ دونوں اصل میں مجتمع ہو جاتے ہیں اور دعاء اس سے اصل میں منفرد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہر استغاثہ کا اطلاق تو دعاء پر ہوتا ہے لیکن ہر دعا اِستغاثہ نہیں کہلاتی۔

قولہٗ: او یدعو غیرہ :

دعاء کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) دعائے عبادت (۲) دعائے مسئلہ

قرآنِ کریم میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں اِستعمال ہوئی ہیں اور بعض اوقات بیک وقت دونوں مقصود ہوتی ہیں۔

دعائے مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تکلیف اور مشکل سے نجات کا طلبگار ہو یا کسی منافع کا خواہشمند ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی سخت مذمت فرمائی ہے جو اللہ کے علاوہ ایسے افراد سے طالبِ دعاء ہو جو کسی نفع یا نقصان کے قطعاً مجاز نہیں ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ:

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	ان سے کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی
مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا	پرستش کرتے ہو جو تمھارے لیے نقصان کا

وَ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ (المائدہ-۷۶)

اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا۔ حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے،

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ص لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ

اے محمدؐ! ان سے پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور جبکہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اُس شخص کا سا کر لیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو دراں حالے کہ اُس کے ساتھی اُسے پکار رہے ہوں کہ اِدھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الانعام - ۷۱)

کہو حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی رہنمائی ہے اور اُس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالکِ کائنات کے آگے سرِ اطاعت خم کر دو۔

پھر ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ (یونس - ۱۰۶)

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"ہر دعاء عبادت سے جو مستلزم ہے دعائے سوال کو اور ہر دعاء سوال ہے جو متضمن ہے دعائے عبادت کو، جیسا کہ دعائے سوال کے بارے میں قرآنِ کریم کہتا ہے،

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (الاعراف ـ ۵۵)

اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر فرمایا ہے

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ذرا غور کرکے بتاؤ، اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آجاتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ (الانعام ـ ۴۰، ۴۱)

اِس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو

پھر ارشاد ہے

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ (الجن ـ ۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا اِن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

پھر فرمایا

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ

اُسی کو پکارنا برحق ہے۔ رہیں وہ دوسری ہستیاں جنھیں اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں وہ اُن کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انھیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اُس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا

ضَلٰلٍ ۝ (الرعد-۱۴)

حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیرِ بے ہدف۔

دعائے سوال کے بارے میں قرآنِ کریم میں بیشمار آیات موجود ہیں۔ یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ یہ دعائے سوال کے بارے میں آیات، دعائے عبادت کو بھی متضمن ہیں کیونکہ سائل نے اپنا سوال فقط اللہ ہی کے سامنے پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعائے عبادت ایک ایسا عمل ہے جو تمام عبادات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ یہی حالت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے اور دوسری عبادات میں مشغول رہنے والے کی ہے کیونکہ وہ حقیقی اور معنوی طور پر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ لہٰذا دعا کرنے والا بھی، عبادت گزار ہی ٹھہرا۔"

شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی مندرجہ بالا بات سے واضح ہوا کہ دعائے عبادت (ایسی دعا، جو عبادت کے ہم معنیٰ ہے) دعائے سوال کو مُستلزم ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ دعائے سوال (ایسی دُعا، جو سوال کے ہم معنیٰ ہے) دعائے عبادت کو متضمن ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝

مَیں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنھیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ مَیں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ مَیں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ (مریم-۴۸، ۴۹)

پس جب وُہ اُن لوگوں سے اور اُن کے معبودانِ غیر اللہ سے جُدا ہو گئے تو ہم نے اُس کو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

پس دعا بھی عبادت ہی کی ایک قسم قرار پائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا "وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰٓی اَلَّآ اَکُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا" ، حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کے ہم معنی اور ہم مطلب ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا تھا کہ "رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا"

دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ بار بار تاکید فرماتا ہے کہ اے میرے بندو:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (الاعراف - ۵۵، ۵۶)	اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اُس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں دعائے سوال ہے جو عبادت کو متضمن ہے۔ داعی (دعا کرنے والا) مدعو (جس کے حضور دعا کی جائے) کے لیے راغب ہوتا اور اُس کے سامنے نہایت عجز و انکساری اور تذلل و خضوع کا اظہار کرتا ہے۔

پس اصول یہ ٹھہرا کہ تمام وہ امور جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے، ان کو اُس نے عبادت قرار دے دیا ہے، جب وہ اِس عبادت میں سے کسی چیز کی انجام دہی کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دے گا تو وہ مشرک قرار پائے گا اور اُس کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء سے متصادم ہے کیونکہ اُس نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ اِسی لیے جاری کیا تھا کہ تمام امور صرف اُسی کی رضا کیلئے انجام دیے جائیں، کسی اور کو اس میں شریک نہ ٹھہرایا جائے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ	کہہ دیجئے کہ میں تو ایک ہی اللہ تعالےٰ کی خالص عقیدہ رکھ کر بندگی کرتا ہوں۔

اِس مضمون کی مزید تشریح آئندہ صفحات میں بیان ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے "الرّسالۃ السنّیۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

"جب آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں اسلام کی طرف انتساب رکھنے والے بعض افراد بڑی بڑی عبادات ادا کرنے کے باوجود دائرہ اسلام سے خارج ہو سکتے ہیں تو آج کا مسلمان بدرجۂ اولیٰ دائرہ اسلام سے باہر نکل سکتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔

مشائخ کے بارے میں حد سے زیادہ تجاوز اور غلو کر جانا جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض لوگ حد سے تجاوز کر گئے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں نے انتہائی غلو سے کام لیا۔

پس ہر وہ شخص جو کسی نبی، رسول یا کسی صالح انسان کے بارے میں غلو سے کام لیتا ہے اور الوہیت کا کوئی انداز اس میں تصور کرتا ہے، مثلاً یہ کہتا ہے کہ:

يَا سَيِّدِيْ فُلَانُ انْصُرْنِيْ	اے حضرت! میری مدد کیجیے،
اَوْ اَغِثْنِيْ اَوِ ارْزُقْنِيْ اَوْ	یا میری فریاد رسی کیجیے یا مجھے رزق دیجیے
اَنَا فِيْ حَسْبِكَ	یا مَیں تیری پناہ میں آتا ہوں!

اور اسی قسم کے دوسرے اقوال۔

پس یہ سب شرک اور ضلالت ہے۔ اس قسم کے الفاظ کہنے والے سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر یہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے اسی لیے تو انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں کہ صرف اُسی ایک اللہ کی عبادت کی جائے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اُس کے علاوہ کسی اور کو الٰہ نہ پکارا جائے۔

سو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو الٰہ قرار دیتے تھے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کو، تو ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ یہ کسی مخلوق کو پیدا کرتے ہیں یا بارش برساتے ہیں یا انگوری وغیرہ اُگاتے ہیں؛ بلکہ وہ یا تو ان کی عبادت کرتے تھے یا اُن کی قبروں کو پُوجتے تھے یا ان کی تصویروں کے سامنے جھکتے تھے اور یہ کیوں کرتے تھے؟ قرآنِ مجید اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (الزمر - ۳)
ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس - ۱۸)
مشرک یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے صرف سفارشی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُولوں کو مبعوث فرما کر لوگوں کو اس بات سے روکا کہ وہ کسی دُوسرے کو نہ پکارا کریں، نہ دعائے عبادت کی صُورت میں اور نہ دعائے اِستغاثہ کے انداز میں۔"

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان کسی بھی غیر اللہ کو وسیلہ بنائے، ان پر بھروسہ کرے، ان کو پکارے اور ان سے سوال کرے وہ شخص بالاجماع کافر ہے۔"

شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ صاحب الفروع، صاحب الانصاف اور صاحب الاقناع نے بھی اپنی اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے۔ مسئلہ وسائط کے بارے میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ابن جرجیس کا رد کیا ہے جس سے ہم نے یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

جو لوگ اولیاء اللہ کے تصرفات کے قائل ہیں اُن کی تردید

شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"شرک کی اقسام میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ اِنسان اپنی ضروریات فوت شدہ اولیاء اللہ سے طلب کرے، ان کے نام سے اِستغاثہ کرے اور اُن کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی شرک کی جڑ ہے۔

جو شخص فوت ہو چکا، اُس کے اعمال منقطع ہو چکے، وہ تو اب خود اپنی ذات کے نفع و نقصان پر بھی قدرت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دُوسروں کی ضروریات میں کام آئے، ان کی فریاد سُنے یا یہ کہ وہ اللہ سے اس کی سفارش کرے گا۔

یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ طالب و مطلوب اور شافع و مشفوع دونوں برابر ہیں۔"

بابُ الشفاعۃ میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کی مزید توضیح کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

محمد بن عبدالهادی رحمہ اللہ، سبکی کے اس قول کو ردّ کرتے ہیں کہ:

اِنَّ الْمُبَالَغَةَ فِیْ تَعْظِیْمِهٖ وَاجِبَةٌ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں مبالغہ سے کام لینا واجب ہے۔

اور ردّ میں فرماتے ہیں کہ

"اگر یہاں مبالغے کا مطلب یہ ہو کہ کوئی شخص اپنے خیال کے مطابق اس کو جائز قرار دے کہ:

- آپؐ کی قبر کا حج کیا جائے۔
- آپؐ کی قبر کو سجدہ کیا جائے۔
- آپؐ کی قبر کا طواف کیا جائے۔
- آپؐ کے بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ آپؐ علمِ غیب جانتے تھے۔
- آپؐ کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ آپؐ عطا اور منع پر قادر ہیں۔
- آپؐ سے اللہ کے سوا استغاثہ کیا جائے تو آپؐ مشکلات کو دور بھی فرما سکتے ہیں اور نفع بھی پہنچا سکتے ہیں۔
- آپؐ سائلین کی ضروریات کو پورا فرماتے ہیں۔
- آپؐ کربات سے نجات دلا سکتے ہیں۔
- آپؐ جس کی چاہیں سفارش کر سکتے ہیں۔
- آپؐ جس کو چاہیں جنت میں داخل کر سکتے ہیں۔

تو بلاشبہ اس قدر غلو اور مبالغہ، شرک اور انحراف کے مترادف ہے۔"

احناف کی مشہور کتاب "فتاویٰ البزازیہ" میں لکھا ہے کہ:

قَالَ عُلَمَاؤُنَا: مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ	جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بزرگانِ دین اور مشائخ کی روحیں حاضر ہیں اور ہمارے بارے

تَعلَمُ يَكفُر   میں علم رکھتی ہیں، وہ کافر ہو جاتا ہے۔

شیخ صنع اللہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الرد علی من ادعی ان للاولیاء تصرفات فی الحیات وبعد الممات علی سبیل الکرامۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"دورِ حاضر میں مسلمانوں میں کچھ گروہ اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو اپنی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی اس عالم میں قدرتِ تصرف حاصل ہے اور شدائد و بلیات میں اُن سے استغاثہ اور استعانت کی جا سکتی ہے کیونکہ اُن کی سعی و ہمت سے مشکلات رفع ہوتی ہیں۔

لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی قبروں پر آتے اور ان سے حاجات رفع کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ یہ اصحابِ کرامت تھے۔ وہ اُن کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ان میں ابدال بھی تھے اور نقباء بھی، اوتاد بھی تھے اور نجباء بھی ان کی تعداد ۷۷ یا ۴۴ تک پہنچتی ہے قطب وہ ہیں جو لوگوں کی فریادیں سنتے ہیں اور ان ہی پر اس نظام کا دارو مدار ہے۔ ان کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں، جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے وہ اولیاء ان کو مستحقِ اجر گردانتے ہیں۔"

شیخ صنع اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہ وہ عقیدہ ہے جس میں نہ صرف افراط و تفریط ہی پائی جاتی ہے بلکہ اس میں ہلاکتِ ابدی اور عذابِ سرمدی بھی ہے کیونکہ اس میں خالص شرک کی بُو آتی ہے جو کتاب اللہ کے صحیح اور واضح احکام کے صریح خلاف ہے، تمام ائمہ کرام کے عقائد سے متصادم ہے اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ قرآنِ کریم یہ کہتا ہے کہ

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ	جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى	اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ	روش پر چلے درآں حالیکہ اس پر راہِ راست
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ	واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝ (النساء - ۱۱۵) | چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اُسے جہنّم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

علّامہ موصوف کہتے ہیں کہ:

" ان کی اِس بات کی کہ "اولیاء اللہ کو زندگی اور موت کے بعد تصرفات پر قدرت حاصل ہے"، قرآنِ کریم کی ان آیات سے تردید ہوتی ہے:

اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ يَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ۝ | کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی یہ کام کرنے والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًاۢ بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ | اور کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری دے کر بھیجتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی دُوسرا خدا بھی یہ کام کرتا ہے؟ بہت بالاتر ہے اللہ اُس شرک سے، جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ | اور کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے جو اِن کاموں میں حصہ دار ہے۔ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو؟

قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى | ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ○ (النمل-٦٤-٦٥)

زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے؟

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۟ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الاعراف: ۵۴)

درحقیقت تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔ جو رات کو دن پہ ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا تا چلا آتا ہے جس نے سُورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اُسکے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو! اسی کی خلق ہے اور اُسی کا امر ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔

یہ تمام آیاتِ قرآنی اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ صرف اللہ تعالےٰ ہی کو اپنی مخلوق کے لیے تدبیر، تصرف اور تقدیر کا اختیار حاصل ہے۔ اِس میں کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔ تمام کائنات اُس کے قبضۂ قدرت، اُس کی تسخیر اور اُس کے تصرف میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زندگی، موت اور پیدائش اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ یہ تمام اُمور فقط اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت میں ہیں، اِس لیے اِس کی تعریف و ثنا میں بہت سی آیات موجود ہیں، مثلاً:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖؗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (فاطر-٣)

لوگو، تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انھیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو کوئی معبود اُس کے سوا نہیں، آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو؟

وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو

مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝	وہ ایک پرِ کاہ کے مالک بھی نہیں ہیں،
اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا	انھیں پکارو تو وہ تمھاری دعائیں سُن
دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا	نہیں سکتے اور سُن لیں تو ان کا تمھیں کوئی
اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز
يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا	وُہ تمھارے شرک کا انکار کر دینگے حقیقتِ
يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝	حال کی ایسی صحیح خبر تمھیں ایک خبردار کے
(فاطر-۱۳-۱۴)	سوا کوئی نہیں دے سکتا۔"

علامہؒ موصوف نے یہاں بہت سی آیات نقل کی ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ:

"تمام آیات میں لفظ "دُوْنِہٖ" سے ہر وہ غیر اللہ مراد ہے جس کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ استمداد کے قابل ہے، چاہے وُہ ولی ہو یا کوئی شیطانی طاقت جو خود تو اپنی مدد نہیں کر سکتا، وہ بھلا دُوسروں کی کیا امداد کرے گا؟"

علامہؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہ بات بے دلیل اور غلط ہے اور اس پر طرہ یہ کہ شرکِ عظیم ہے۔"

وہ مزید کہتے ہیں کہ:

"یہ خیال کرنا کہ اولیاء اللہ کو مرنے کے بعد کسی قِسم کے تصرف پر کوئی قدرت حاصل ہے، یہ ان کی زندگی میں تصرفات کا عقیدہ رکھنے سے بھی زیادہ شنیع اور بُرا عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ، آنحضرت ﷺ کے متعلق فرماتا ہے کہ:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝	آپؐ بھی فوت ہونے والے ہیں اور
(الزمر-۳۰)	یہ لوگ بھی فوت ہونے والے ہیں۔
اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ	وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت
مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ	رُوحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے
فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ	اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جس
قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ	پر وُہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اُسے روک لیتا
يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ	ہے اور دُوسروں کی رُوحیں ایک وقتِ مقرر
مُّسَمًّى ۭ (الزمر-۴۲)	کے لیے واپس بھیج دیتا ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر جاندار چیز نے موت کا مزا چکھنا ہے۔
(آل عمران - ۱۸۵)

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۙ ہر نفس اپنے کرتوت میں پھنسا ہوا ہے۔
(المدثر - ۳۸)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ[1].... (الحديث)
انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اُس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ البتہ تین کاموں کا اجر جاری رہتا ہے......

یہ اور اِس کے علاوہ دوسری آیات واحادیث اِس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ موت کے بعد انسان کی حرکت وحِس منقطع اور ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی ارواح اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہوتی ہیں اور ان کے اعمال میں کمی بیشی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ میّت کو تو اپنی ذات پر بھی کسی قسم کے تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کے معاملات میں کس طرح تصرف کریگی؟ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ ارواح قطعی طور پر میرے قبضے میں ہیں اور ملحد واصحابِ بدعت یہ کہتے ہیں کہ ان کو علی الاطلاق تصرفات حاصل ہیں!

قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ کہو، تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟
(البقرة - ۱۴۰)

علامہؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

" ان کا یہ عقیدہ کہ یہ تصرفات ان ارواحِ اولیاء کی کرامت ہیں، تو یہ ایک مغالطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کرامت تو من جانب اللہ اولیائے کرام کے لیے ایک ایسا اعزاز ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کسی ولی اللہ کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے، کسی شخص کو اِس میں نہ کوئی دخل ہوتا ہے نہ علم ہوتا ہے اور نہ اُس کے اظہار پر قدرت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ

[1] مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ (عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

مریم بنت عمران علیہا السلام، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیتوں کے واقعات سے ظاہر ہے۔

البتہ ان کا یہ کہنا کہ "شدائد و مشکلات میں اُن سے اِستمداد و اِستغاثہ کرنا چاہیے" تو یاد رہے کہ یہ عقیدہ اپنے اندر پہلے عقائد سے بھی زیادہ بدعت و قباحت کے آثار لیے ہوئے ہے کیونکہ یہ عقیدہ قرآنِ کریم کی صریح، صاف اور واضح آیات سے متصادم ہے۔ قرآنِ کریم تو یہ کہتا ہے کہ:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ (النمل - ۶۲)	کون ہے جو بیقرار کی دعا کو سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی یہ کام کرنے والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔
قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُم مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ (الانعام - ۶۳، ۶۴)	اے محمدؐ! ان سے پوچھو، صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمھیں خطرات سے بچاتا ہے، کون ہے جس سے تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو اگر اس بلا سے تُو نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکرگزار ہوں گے؟ کہو، اللہ تمھیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے۔ پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔"

اِس مقام پر بہت سی آیات نقل کرنے کے بعد علامہؒ موصوف فرماتے ہیں کہ:

" اللہ تعالیٰ نے یہ بات بار بار بیان فرمائی ہے کہ مصائب و مشکلات کو دُور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تنہا وہی مصیبت زدہ اور مضطر لوگوں کی التجاء و دعا کو سُنتا اور شرفِ قبولیت بخشتا ہے، اُسی سے استغاثہ کیا

جاتا ہے، وہی تمام کائنات کا فریاد رس ہے، وہی مصائب و بلیات کو دُور کرنے پر قادر ہے۔ کسی کی خیر خواہی اس کو مقصود ہو تو وہی اصل خیر خواہ ہے، وہی خیر و برکت کا مالک اور تقسیم کرنے والا ہے، وُہی اکیلا بلا شرکت غیرے سب کام انجام دیتا ہے۔

سو جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمام امُور فقط اسی ایک اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہیں تو اس سے انبیاء واولیاء اور ملائکہ سب کے متصرف اور فریاد رس ہونے کی نفی ہو گئی۔"

علاّمہؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

"ظاہری اور روزمرہ کے عادی معاملات میں جو امُورِ حسّیہ میں سے ہیں، ایک دُوسرے کی مدد کرنا اور باہم ایک دُوسرے سے تعاون طلب کرنا جائز اور مباح ہے، جیسے جنگ کے موقع پر یا دشمن کے حملے کے وقت یا کسی درندے سے بچاؤ کے لیے ایک دوسرے کی امداد اور نصرت حاصل کرنا اور ایسے مواقع پر یالزید، یاللمسلمین! کہہ کر پکارنا، یہ سب افعالِ ظاہریہ میں سے ہیں اور اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ سمجھنا کہ دوسرے اِنسان کی مدد اور اُس کا تعاون معنوی لحاظ سے اثر انداز ہوتا ہے اور اپنے اندر کوئی خاص قوت و تاثیر رکھتا ہے جیسے شدائد و مشکلات کا دُور ہو جانا یا کسی مریض کا صحت یاب ہو جانا یا کسی کے خوف سے نجات پا جانا یا غرق ہونے سے محفوظ رہنا یا تنگی اور فقر و فاقہ سے نجات پا جانا یا طلبِ رزق وغیرہ کرنا۔ یہ سب امُورِ اللہ تعالیٰ کی خصُوصیات میں سے ہیں، ان کے لیے کسی غیر اللہ کے آگے دستِ طلب دراز نہیں کرنا چاہیے۔"

علامہؒ موصُوف اِس سے آگے فرماتے ہیں کہ:

"یہ عقیدہ رکھنا کہ غیر اللہ کو بلیّات و شدائد کو رفع کرنے اور حاجات کے پُورا ہونے میں کچھ اثر اور قدرت حاصل ہے، جیسا کہ دورِ جاہلیت کے عرب کہتے تھے یا اِس دُور کے جہال صوفیاء کا عقیدہ ہے اور وہ ان کو پکارتے بھی ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور منکرات میں سے ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ غیر اللہ میں سے اللہ کے کسی نبی یا ولی یا کسی رُوح کو کسی کرب و مصیبت کے دُور کرنے یا حاجت روائی

کرنے کی طاقت حاصل ہے یا وہ کسی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں یا اس باب میں اُن کو کوئی اثر و نفوذ حاصل ہے تو ایسا شخص جہالت کی خطرناک وادی میں گامزن ہے اور دوزخ کے کنارے کھڑا ہے۔

ان کا یہ عقیدہ رکھنا کہ "یہ صرف کرامات ہیں"، تو اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے کہ اس کے اولیاء میں اس قسم کی کوئی طاقت موجود ہو۔ یہ تو اصنام و اوثان کے پجاریوں کا عقیدہ ہے۔ اس کی نشاندہی خود قرآن کریم نے کی ہے کہ وہ غیر اللہ کو صرف سفارشی اور صاحبِ کرامت سمجھتے تھے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ یہ صرف ہمارے سفارشی ہیں۔

(یونس - ۱۸)

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر - ۳)

ہم تو اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝ (یٰس - ۲۳)

کیا میں اُسے چھوڑ کر دُوسرے معبود بنا لوں؟ حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ اِن کی شفاعت میرے کسی کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں۔

اِس بنا پر کسی نبی یا ولی کو نافع اور ضار خیال کرنا جبکہ ان کے بس کی بات نہیں، اصلی اور حقیقی شرک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات میں مصیبت کو دُور کرنے کی قدرت و طاقت نہیں ہے اور نہ کسی میں نفع اور خیر پہنچانے کی قوتِ مؤثرہ موجود ہے، یہ سب طاقتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں۔

باقی رہا اُن کا یہ کہنا کہ یہ ابدال، نقباء، اوتاد اور نجباء وغیرہ لوگوں کے فریاد رس ہیں جو باعتبار تعداد کے ۷۷ اور ۴۴ تک پہنچتے ہیں، تو جیسا کہ صاحبِ "سراج المریدین" نے لکھا ہے، یہ اِن کا افک اور کذب بیانی ہے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن جوزی رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے۔"

قولہ تعالیٰ ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (یونس: ۱۰۶)

اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تُو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔

اِس پُوری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اِن عقائدِ شرکیہ سے علمائے حق ہمیشہ لوگوں کو روکتے رہے ہیں جن کی تباہ کاریوں نے عوام کی اکثریت کو گھیر رکھا ہے اور بندگانِ اَہوا نے اِس کو عقائد کے اصول قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اگر علمائے حق کی پوری عبارتیں یہاں نقل کریں جس میں انھوں نے ان عقائد کا بطلان کیا ہے تو کتاب بہت پھیل جائے گی، لیکن ایک عقلمند و شائستہ اِنسان تو پہلی دلیل ہی سے حق کی تہہ کو پہنچ جاتا ہے اور جو شخص دلیل و برہان سے بے نیاز ہو کر بات کرتا ہے اس کا باطل اور غلط ہو جانا بالکل ظاہر ہے۔ یہ انداز، ان اہلِ علم اور اصحابِ ایمان حضرات کے موقف سے قطعی مختلف ہے جن کی زندگی کا لائحہ عمل ہی یہ ہے کہ وہ صِرف قرآن و حدیث سے اِستدلال کرتے ہیں اور اسی کو حجّت مانتے ہیں اور داعی حق و ایمان کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ واللہ المُستعان وعلیہ التکلان

قولہ: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

علّامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”اس آیتِ کریمہ میں ”وَلَا تَدْعُ“ کا عطف لفظِ ”اَقِمْ“ سے متعلق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے لہٰذا ان افرادِ اُمّت کو تو بالاولیٰ اِس سے دامن کشاں رہنا چاہیے۔ یعنی یہاں اگرچہ خطاب خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن عمومی طور پر پُوری اُمت اِس خطاب میں شامل ہے۔“

علّامہ ابن جریر رحمہ اللہ اِس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

" اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے محمدؐ! اپنے خالق، مالک اور معبودِ حقیقی کے علاوہ کسی صنم اور الٰہ کو نہ پکارنا کیونکہ وہ دنیا اور آخرت میں نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے اور نہ آپ کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے کسی نفع کی توقع رکھ کر یا کسی تکلیف سے ڈر کر ان کی عبادت نہ کرنا۔ ان کے اختیار میں نہ نفع ہے اور نہ ضرر۔ اگر آپ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے غیر اللہ کو پکارا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اس مُشرک گروہ میں سے ہو جائیں گے جو اپنی ذات پر ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں[1]۔"

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی ہم معنیٰ اور ہم مطلب بہت سی آیات ہیں مثلاً:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ○ (الشعراء - ۲۱۳)
پس اے محمدؐ! اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (القصص - ۸۸)
اور اللہ کے سوا کسی دُوسرے معبود کو نہ پکارو، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اِن دو آیات میں اِس بات کی وضاحت ہے کہ جس کو پکارا جائے گا وہ الٰہ قرار دیا جائیگا اور اُلوہیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ اِس میں غیر اللہ کا قطعاً کوئی حِصّہ نہیں ہے۔ اِسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

---

[1] اس آیتِ کریمہ میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ اللہ کریم اپنے بندے حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان - ۱۳)

بلکہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اِس کو اظلم الظلم کہا گیا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

" اَظْلَمُ الظُّلْمِ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ "

کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ بنانے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ مختلف قسم کی عبادات جیسے دُعا، نذر، اِستغاثہ، استعانت وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بندے کی طرف پھیرنا جس کا وہ ہرگز مستحق نہیں ہے اور نہ ہی اُس میں کسی قسم کی قدرت و طاقت ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○ (الحج - ۶۲)	یہ اِس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ سب باطل ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بالادست اور بزرگ ہے۔

یہی وہ توحید ہے جس کو واضح کرنے کے لیے اور لوگوں کے ذہنوں میں مرتسم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیار کا سلسلہ شروع فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ (البینہ - ۵)	اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے۔

ظاہری اور باطنی تمام عبادات کا نام "دین" ہے۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی دعا ہی کو عبادت گردانا ہے اور کہا ہے کہ عبادات میں سے ایک عبادت دعا ہے۔

مفسرین کرام کی یہ عادت ہے کہ وہ آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں اس کے بعض افراد اور متضمنات کو مراد لیتے ہیں۔ جیسے یہاں مثلاً دعا کا ذکر ہے، اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص نے کسی ایک عبادت کو قبر یا صنم یا وثن وغیرہ کی طرف منسوب کیا تو گویا اُس نے اِسے معبود سمجھا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت میں شریک ٹھہرایا جس کا استحقاق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ اقدس کو تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المؤمنون - ۱۱۷)	اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود پکارے جس کے لیے اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اِس کا حساب اُسکے رب کے پاس ہے۔ ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

وَ إِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَ إِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اُس کے سوا کوئی نہیں جو اِس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا اِرادہ کرلے تو اُس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔

اِس آیتِ کریمہ سے اور اِس قسم کی دوسری آیات سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا کفر و شرک اور ضلالت ہے۔

قولہٗ : وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ[1] فَلَا كَاشِفَ لَهٗ

[1] یہ اُس شخص کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ سے اِستغاثہ اور فریاد کرے۔ اِس ارشادِ خداوندی میں بتایا گیا ہے کہ جس خوش نصیب پر ربِ کریم احسانات کرنا چاہے تو ان اِحسانات کو کوئی شخص روک نہیں سکتا۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰٓى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَا يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ	اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر ساری مخلوقِ خدا تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہ پہنچا سکے گی۔ ہاں صرف اِتنا فائدہ پہنچے گا جتنا اللہ کریم نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کے مفہوم پر غور و فکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مصائب و مُشکلات کے وقت غیر اللہ کو پکارنا بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ ایسا شرک ہے جسے اللہ کریم کبھی بھی معاف نہ کرے گا کیونکہ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اس نے ایسی چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نفی اور تردید کرتا ہے۔ اِسے دوسرے لفظوں میں شرک فی الاُلوہیت کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اُس کے منع کردہ اُمور سے اِجتناب کا نام دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم ترین حکم یہ ہے کہ انسان توحید کو اپنائے اور اپنے تمام اعمال و افعال میں صرف رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھے کیونکہ انسان کی تخلیق ہی اِس لیے ہوئی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرے۔

اللہ تعالیٰ تنہا بادشاہ اور قہار ہے۔ وہی بخشش اعلیٰ کا مالک اور وہی اس کو روک دینے والا ہے۔ وہی نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہے اور جب یہ سب کچھ اُس کے قبضہ و قدرت میں ہے تو اسی کو پکارنا چاہیے اور اُسی کی عبادت کرنا چاہیے کیونکہ عبادت اسی کی ہو سکتی ہے جو مالک و قہار بھی ہو اور نفع و نقصان پہنچانے والا بھی ہو۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ سو ثابت ہُوا کہ وہی ایک اللہ ہے جو عبادت کا سزاوار ہے، وہ نہیں جو سرے سے نفع و نقصان ہی نہیں پہنچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

قُلْ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (الزمر - ۳۸)	ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو تمھارا کیا خیال ہے اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمھاری یہ دیویاں جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچا لیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اسکی رحمت کو روک سکیں گی۔ پس ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

دُوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ:

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ ۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ (الفاطر - ۲)	اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دُوسرا کھولنے والا نہیں اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔

اِسی عظیم مقصد کے پیشِ نظر انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا اور اسی کی وضاحت کے لیے کتابیں نازل کی گئیں اور سب سے عظیم تر حکم جس کے نہ کرنے کی انسان کو تلقین کی گئی ہے، وہ شرک فی الربوبیت اور شرکِ فی الالوہیت ہے۔

يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (یونس : ۱۰۷)

وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

یہ ہیں وہ دلائل و براہین جو اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور ربوبیت کے بارے میں فقط اپنی ہی خصوصیت کے لیے بیان کیے ہیں لیکن عُبّادِ قبور و مشاہد، قرآن کے ان دلائل کے بالکل برعکس عقیدہ رکھتے ہیں، انھوں نے جلبِ منفعت اور دفعِ مکارہ کے سلسلے میں اصحاب القبور کو اللہ کا ساجھی اور شریک بنا رکھا ہے۔ وہ اُن سے اُمیدیں لگائے ہوئے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ اصحاب القبور ہی ہماری مشکلات رفع کریں گے۔ وہ پوری توجہ، اعتناء و التفات، رغبت و رہبت اور تضرع زاری سے ان سے سوال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں ان کو شریک گردانتے ہیں۔ یاد رہے ان کا یہ شرک کفارِ عرب کے شرک سے بھی زیادہ سنگین اور زیادہ بڑھ کر ہے۔

وہ تو صرف یہ کہتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى — ہم ان کو صرف تقرب الی اللہ کا وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے۔

اور یہ کہ:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ — یہ صرف اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں

مشرکین عرب تو ان کو فقط اس لیے پکارتے تھے کہ وہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ثابت ہوں گے اور ان کے سفارشی بنیں گے۔ وہ اپنے تلبیہ حج میں یوں کہا کرتے تھے کہ:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ — اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں

لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا — اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس کے

هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ — جو تیری ہی ملک ہے اور وہ خود کسی چیز کا مالک نہیں۔

قولہ تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○

(العنکبوت : ۱۷)

درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمھیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اُسی کی بندگی کرو اُس کا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

لیکن یہ مُشرکین، اہلِ قبور اور اہلِ مشاہد کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ تو مشرکینِ عرب سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ انھوں نے تو تصرفات اور تدبیرِ اُمور میں بھی اہلِ قبور کو اللہ تعالےٰ کا شریک بنا دیا ہے اور انہی کو اپنی اُمّیدوں، تمناؤں کا مرکز قرار دے رکھا ہے اور انہی کو ملجا و ماویٰ سمجھتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

قولہ : وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہے اور اپنے گُناہوں پر نادم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔

قولہ : فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے یہ کہتا ہے کہ تم صرف مجھ ہی سے رزق مانگو کیونکہ میرے سوا زمین و آسمان میں کوئی بھی رزق دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں "عند اللہ" کی تقدیم تخصیص چاہتی ہے یعنی :

"غیر اللہ کو چھوڑ کر صرف اللہ ہی سے رزق طلب کرو کیونکہ وُہی مالک ہے، اس کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے۔ اپنی عبادات کو اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے خاص کر لو اور اُس کے انعامات کا شکر ادا کرو۔ قیامت کے

قول اللہ تعالیٰ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ

آخر اُس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اُسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اِس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے اِن کو پکار رہے ہیں۔

دن اُسی کے حضور پیش ہونا ہے، جہاں ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پائے گا۔"

قولہٗ : وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِس بات کی نفی کی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارتے ہیں۔ ان سے زیادہ کوئی اور بھی گمراہ ہو سکتا ہے؟ اور یہ بتایا ہے کہ جن غیر اللہ کو پکارتے ہیں وہ قیامت تک ان کا مطلوب ان کو نہیں دے سکیں گے۔

یہ آیت عام ہے، جو بھی اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتا ہے، اس کے ذیل میں آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ	ان سے کہو، پکار دیکھو اُن معبودوں کو
مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ	جن کو تم خدا کے سوا اپنا کارساز سمجھتے
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا	ہو، وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں
تَحْوِيْلًا ○ (الاسراء-۵۶)	نہ بدل سکتے ہیں۔

اِس آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن کو پکارا جا رہا ہے اور جن کے نام کی دہائی دی جا رہی ہے وہ قطعاً ان کی بات کا جواب نہیں دیں گے کیونکہ :

وَاَنَّهٗ غَافِلٌ عَنْ دَاعِيْهِ	ان کو پتا ہی نہیں ہے کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے، وہ اپنے داعی سے بالکل بے خبر ہیں

قیامت کے روز یہ لوگ ان مشرکین کے شرک کی وجہ سے ان کے مخالف ہو جائیں گے اور اِس بات سے بالکل اِنکار کر دیں گے کہ اُنھوں نے اِن کو پکارا تھا۔

اِس آیت کی رُو سے تمام پکارنے والے اور تمام معبودین دونِ اللہ میں شامل ہیں۔

علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ، "وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ" کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:

"اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ جب لوگ قیامت کے دن اپنے حساب کی جگہ پر اکٹھے کیے جائیں گے تو جِن لوگوں کو یہ دُنیا میں پکارتے تھے، وہ ان سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے اور اِس بات کا اِنکار کر دینگے کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے۔"

یعنی دُنیا میں جن کی عبادت کی جا رہی ہے، یہ لوگ اپنی عبادت سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو اپنی عبادت کے لیے کہا ہی نہیں تھا بلکہ ہمیں تو ان کی عبادت کا علم ہی نہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں کہ یہ ہم کو پکارتے بھی رہے ہیں یا نہیں۔ اے اللہ کریم! ہم ان کی عبادت سے تیرے دربار میں بالکل اظہارِ بے زاری کرتے ہیں۔ اِسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ	اور وہی دِن ہو گا جبکہ (تمھارا رب) ان لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے اِن معبُودوں کو بھی بلا لے گا جنھیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پُوج رہے ہیں۔
فَيَقُولُ ءَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝	پھر وہ اُن سے پوچھے گا کیا تم نے میرے اِن بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے؟"
قَالُوا: سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ	وہ عرض کریں گے کہ "پاک ہے آپ کی ذات، ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں مگر آپنے اِن کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان

وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ۝ (الفرقان - ۱۷، ۱۸)

زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہے۔"

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"مِنْ دُوْنِ اللّٰہ سے انسان، فرشتے اور جنّ مُراد ہیں جن کی یہ لوگ پُوجا کرتے ہیں جیسے حضرت عیسٰی، عُزیر علیہم السلام اور فرشتے وغیرہ۔"

یہ روایت مجاہد رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہے۔

قیامت کے روز حضرت عیسٰی علیہ السلام اور وہ فرشتے جن کی پُوجا کی جاتی تھی سب یک زبان ہو کر اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور ہم ان مشرکین کے شرک سے بالکل بری الذمّہ ہیں۔ ہم کو قطعاً لائق نہیں کہ ہم تیرے سوا کسی کو کارساز یا ولی خیال کریں بلکہ ہم سب کا ولی اور کارساز تُو ہی ہے۔"

کتاب وسُنّت، اہلِ لغت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تشریف لانے والے علمائے کرام اور سلفِ اُمّت کے ہاں لفظ الدّعاء سوال اور طلب کے معنیٰ میں استعمال ہوتا رہا ہے، جیسا کہ بعض اطلاقات میں اہلِ زبان کے نزدیک الصّلوٰۃ کو بمعنیٰ الدّعاء استعمال کیا گیا ہے۔

قرآنِ کریم میں ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ إِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ (الفاطر - ۱۳-۱۴)

اُسے چھوڑ کر جن دُوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِ کاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سُن نہیں سکتے اور سُن لیں تو اُن کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے حقیقتِ حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہُوا کہ:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ

اے محمدؐ! ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی

ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ (الانعام - ٦٣)	تاریکیوں میں کون تمھیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم مصیبت کے وقت گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو۔

ایک جگہ پر اِس کی یوں وضاحت کی کہ:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ (یونس - ١٢)	اِنسان کا یہ حال ہے کہ جب اس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہم کو پکارتا ہے۔
وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (فصلت - ٥١)	انسان کو جب کوئی آفت چھو جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔
لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ (فصلت - ٤٩)	اِنسان کبھی بھلائی کی دُعا مانگتے نہیں تھکتا۔
اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ (الانفال - ٩)	اور وہ موقع جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اُس نے فرمایا کہ مَیں تمھاری مدد کیلئے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔

احادیثِ نبوؐیہ میں بھی اِس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ	دعاء عبادت کا مغز ہے۔

ایک دوسری صحیح روایت میں فرمایا گیا ہے کہ:

اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ	اللہ تعالیٰ کو یقین محکم سے پکارا کرو بایں معنی کہ تمھاری دعا ضرور قبول ہوگی۔

ایک روایت میں ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ	جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا

عَلَیْہِ ‏ اُس پر وہ ناراض ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ ‏ اللہ تعالیٰ کے ہاں دعائے سے زیادہ عزیز ترین کوئی چیز نہیں۔

(رواہ احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم (کے نزدیک یہ صحیح ہے)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَ عِمَادُ الدِّیْنِ وَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ‏ دعاء مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور ہے۔

حاکم (کے نزدیک صحیح ہے)

ایک خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

سَلُوا اللّٰہَ کُلَّ شَیْءٍ حَتَّی الشِّسْعَ اِذَا انْقَطَعَ ‏ ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔

(الحدیث)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاءُ وَ قَرَأَ وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ‏ افضل ترین عبادت، دعاء مانگنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مجھ سے مانگو، میں تم سب کی دعاء قبول کروں گا۔"

(المومن-۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ابن المنذر اور حاکم نے نقل کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ مندرجہ ذیل دعائیں مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ ‏ اے اللہ! مَیں تجھ سے اِس بنا پر مانگتا ہوں کہ تمام تعریف تیرے ہی لیے سزاوار ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہی احسان کرنے والا ہے۔

اور

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ	اے اللہ! میں تجھ سے اِس لیے سوال کرتا ہوں کہ تُو اللہ ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو بے نیاز ہے جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اِس سے برابری کا دعوٰی کرسکتا ہے۔

اِس نوع کی اور بھی بہت سی ادعیہ کتاب وسُنّت میں موجود ہیں جن کا احصار نہیں کیا جاسکتا اور جن میں طلب وسوال پایا جاتا ہے۔

جس نے طلب وسوال کے عبادت ہونے سے انکار کیا، اُس نے یوں سمجھیے کہ نصوصِ کتاب وسُنّت، اہلِ لُغت اور سلف وخلفِ اُمّت کے محاورات، طریقِ اِستعمال کو ٹھکرا دیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے جلیل القدر تلمیذ، علّامہ ابنِ قیّم رحمہ اللہ کی عبارات سابقہ صفحات میں قارئینِ کرام کے ملاحظہ گرامی میں گزر چکی ہیں جن میں وہ کہتے ہیں:

"دعا کی دو قسمیں ہیں۔ دعائے سوال اور دعائے عبادت۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو متضمّن ہیں۔

اِس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ

- تلاوت کرنے والا،
- ذِکر کرنے والا،
- نماز پڑھنے والا اور
- جانور ذبح کرکے اللہ کا تقرب حاصل کرنے والا،

یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہی ہے۔ اِس لحاظ سے یہ تمام اُمور دعا ہی کو متضمّن ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کا آغاز دعائے سوال ہی سے کرنے کا حکم فرمایا ہے، اِس کے بغیر نماز ہی درست نہیں ہوتی، مثلاً:

- سورۃ الفاتحہ،

○ دعاء بین السجدتین اور

○ تشہد وغیرہ

یہ سب اسی طرح عبادات ہیں جس طرح کہ رکوع اور سجود عبادت ہیں
جو شخص غور و فکر سے کام لے گا اس کے سامنے حقیقتِ حال واضح ہو جائیگی
اور توحید کے بارے میں تمام پردے ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں گے۔"

اس مقام پر ہم علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو انھوں نے آیتِ کریمہ "قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (الاسراء ۱۱۰) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمائی ہے، تاکہ یہ مسئلہ بالکل نکھر کر سامنے آجائے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

" یہ مشہور دعاء درحقیقت دعائے مسئلہ ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دعاء مانگتے وقت کبھی "یا اللہ" اور کبھی "یا رحمٰن" کے الفاظ استعمال فرماتے۔ اس پر مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ دو خداؤں کو پکارتے ہیں اور دو معبودوں کی عبادت میں مشغول ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید فرمائی۔

یہ روایت حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
بعض علما کا خیال ہے کہ یہاں دُعَا سے مراد اللہ کا نام لینا اور اس کا معنٰی مُراد لینا ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنٰی میں سے جس نام سے بھی اسے پکارو گے، وہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں، اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے، سب اللہ ہی کے نام ہیں۔
یہاں دعاء کا وہ معنٰی مراد ہے جو قرآنِ مجید میں موجود ہے اور وہ ہے:

○ دعائے سوال اور

○ دعائے ثناء۔"

علامہ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ:

" جب یہ بات معلوم ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ: " اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً " دعاء کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے اور وہ

وَ إِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ أَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○

(الاحقاف : ٦،٥)

اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے، اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور اُن کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

ظاہراً دعائے سوال ہے جو دعائے عبادت کو متضمن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے پوشیدہ طور پر مانگنے کا حکم دیا ہے۔"

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"پوشیدہ طور سے دعا مانگنا، جہری طور پر دُعا مانگنے سے ستر درجے زیادہ افضل ہے۔ دعا کے لیے مسلمان بہت کوشش کرتے تھے اور اِس انداز سے دعا مانگتے تھے کہ آواز سنائی ہی نہ دیتی تھی۔ ان کی دعائیں، ان کے اور ان کے رب کے درمیان راز و نیاز کی حیثیت رکھتی تھیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

(البقرہ - ١٨٦)

اور اے نبیؐ! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتا دو کہ مَیں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے مَیں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

یہ آیت، دعا کی دونوں قسموں کو محتوی ہے اور مفسرین نے دونوں قسمیں بیان کی ہیں۔

بعض علمائے نے یہ معنی کیا ہے کہ:

"جب میرا بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو مَیں اُسے دیتا ہوں۔"

اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ:

قولہٗ أَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ○ (النمل : ٦٢)

کون ہے جو بے قرار کی دُعا سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟
کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

"جب میرا بندہ میری عبادت کرتا ہے تو میں اسکو اجر عطا کرتا ہوں"۔
لفظ "الدعاء" کے مندرجہ بالا دو معنوں میں استعمال ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہاں ایک حقیقی اور دوسرے مجازی معنیٰ ہیں، بلکہ حقیقی معنیٰ مراد ہے۔
دونوں معنوں میں سے جو معنیٰ بھی لیا جائیگا وہ حقیقی ہوگا اور دُوسرے معنیٰ کو مستلزم ہوگا۔
جیسے لفظ الصّلوٰۃ : اِسے لغوی معنیٰ سے منتقل کرکے حقیقتِ شرعیہ میں تبدیل کردیا گیا ہے اور جب اِس سے حقیقتِ شرعیہ مقصود ہوگی تو معنوی لحاظ سے اِس میں لغوی معنیٰ بھی پائے جائیں گے کیونکہ حقیقتِ شرعیہ اور مسمّٰی لغوی میں مناسبت و ربط موجود ہے اور مسمّٰی لغوی چند شرائط کے اضافہ سے حقیقتِ شرعیہ میں تبدیل ہوگیا ہے۔

اِس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازی، آغازِ نماز سے لے کر آخرِ نماز تک دعا سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ یا تو وہ دعائے عبادت و ثناء میں مشغول ہے یا دعائے طلب و سوال میں۔ وہ کسی بھی حال میں ہو، بہر کیف دعا ہی میں مصروف رہتا ہے۔ (ملخص از بدائع الفوائد)

آیت "امن یجیب المضطر اذا دعاہ" کی تفسیر

قولہ : اَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ مُشرکین عرب یہ علم اور عقیدہ رکھتے تھے کہ اِنسان کو مجبوری و مصیبت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی مخلصی عطا کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب اِنتہائی مشکل اور سنگین حالات میں تم میری ہی بارگاہ میں جھکتے ہو تو پھر دوسرا اِلٰہ اور معبود بنانے کی تم کو کیا ضرورت پیش آئی؟ پھر جب تمھارے بنائے ہوئے الٰہ اور معبود مجبوری اور دُکھ کے حالات میں تمھاری مدد نہیں کرتے تو وہ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو اس قادرِ مطلق کے شریک اور ساجھی قرار دیا جائے، جو دورِ تکلیف اور اضطراری کیفیات میں اِنسان کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشتا اور اس کی آہ و بکا کو سُن کر اس کے مصائب رفع کرتا ہے۔

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی یہی تفسیر باقی تفاسیر سے ہم آہنگ اور زیادہ موزونیت لیے ہوئے ہے۔ اِس سے پہلی آیات کا مفہوم بھی یہی ہے۔

قارئینِ کرام کے فائدے کے لیے ہم ان کو بھی درج کیے دیتے ہیں:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ (سورۃ النمل - ۶۰)	بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اسکے ذریعہ سے وہ خوش نما باغ اُگائے جن کے درختوں کا اُگانا تمھارے بس میں نہ تھا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دُوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ	اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اِس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں

اللهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	کے درمیان پردے حائل کر دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ (نہیں) بلکہ اکثر لوگ ان میں سے نادان ہیں۔
(سورۃ النمل ۶۱)	
اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ	اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا) ہے؟
تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝	بہت بالا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
(سورۃ النمل ۶۳)	
اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝	اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصہ دار) ہے۔ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔
سورۃ النمل ۶۴	

اِن آیات پر غور کرنے سے یہ پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر یہ حجت قائم کر دی ہے کہ وہ اقرار کے بعد انکار کر دیتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تمام عبادات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بجا لاتے اور خود کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے قالب میں ڈھال لیتے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ زیر بحث آیتِ کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِلٰى قولہ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ:

یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ، جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے، وہ بہتر اور

و روی الطبرانی باسنادہ: أَنَّهُ كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنَافِقٌ

طبرانی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک منافق

فضل ہیں یا وہ ربِ کریم بہتر ہے جو تمھاری مجبوری کی کیفیات کو تبدیل کرتا ہے، تمھاری دعاؤں کو درجۂ قبولیت عطا فرماتا ہے اور تمھاری مشکلات کو دُور کر کے اُنھیں مسرت میں بدل دیتا ہے؟

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ:

یعنی تمھارے مرنے کے بعد تم ہی میں سے تمھارے قائم مقام اور وارث بنا دیتا ہے۔

ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ

یعنی غیر اللہ میں سے کون ایسا ہے جو تم پر اِس قدر انعامات کی بارش کرے؟

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ

اللہ تعالیٰ کی اِس تذکیر سے بہت ہی کم لوگ فائدہ اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ تمھاری یہ کم فہمی ہی درحقیقت تمھارے شرک میں مبتلا ہونے کا باعث ہے۔''

قولہ: رَوَى الطَّبَرَانِيُّ

طبرانی کا پورا نام یہ ہے: الإمام الحافظ سلیمان بن احمد بن ایوب اللخمی الطبرانی رحمہ اللہ۔ صاحب المعاجم الثلاثۃ وغیرھا۔ طبرانی رحمہ اللہ نے امام نسائی، اسحاق بن ابراہیم الدبری رحمہم اللہ اور بہت سے محدثین سے روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ

قولہ: أَنَّهُ كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنَافِقٌ

اِس منافق کا نام زیرِ بحث حدیث میں منقول نہیں ہے۔ البتہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں اِس کے نام کی تصریح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ عبداللہ بن اُبی ہے۔

يُؤْذِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ قُوْمُوْا بِنَا نَسْتَغِيْثُ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ هٰذَا الْمُنَافِقِ - فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَ إِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللهِ -

---

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت تکلیف دیا کرتا تھا چنانچہ چند صحابہ رضی نے مشورہ کیا کہ چلو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق سے گلوخلاصی کے لیے اِستغاثہ کریں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو! مجھ سے اِستغاثہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے اِستغاثہ کرنا چاہیے۔

قولہ : فَقَالَ بَعْضُهُمْ

اِس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے استغاثہ کرنے کی ممانعت

قولہ : قُوْمُوْا بِنَا نَسْتَغِيْثُ

اِس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مطلب یہ تھا کہ اس کی طرف سے مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے، آنحضرت ﷺ اس کے سدِ باب پر قدرت رکھتے ہیں۔

قولہ : اِنَّهٗ لَا یُسْتَغَاثُ بِیْ

یہ حدیث اِس پر نص ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے علاوہ کسی سے بھی استغاثہ کرنا ممنوع ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے لیے اِس لفظ کے اِستعمال کو ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ آپؐ اپنی زندگی میں اِس کی طاقت رکھتے تھے۔

○ اِس کراہت کی وجہ توحید کی حمایت اور نصرت تھی۔

○ نیز یہ کہ ذرائع شرک کے دروازے بند ہو جائیں۔

○ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادب و تواضع کا یہی تقاضا ہے۔

○ اِس کی ایک وجہ افعال و اقوال سے اُمّت کو ذرائع شرک سے ڈرانا اور محفوظ رکھنا بھی ہے۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں قدرت اور طاقت کے باوجود اس سے اِنکار فرما دیا تو آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ سے استغاثہ کیونکر صحیح قرار پا سکتا ہے؟ اور وُہ امور جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں، کس طرح آنحضرت ﷺ سے طلب کیے جا سکتے ہیں؟

بوصیری اور البرعی جیسے بہت سے شعراؔ استغاثہ کے بارے میں راہِ راست سے بھٹک گئے۔ ان شعرائے ایسے ایسے افراد سے استغاثہ کیا ہے جو خود اپنی ذات کیلئے بھی نفع و نقصان اور موت و حیات اور نشور وغیرہ کی طاقت نہیں رکھتے۔

اِس قسم کے لوگ بھی اس عظیم و کریم سے اِستغاثہ کرنے سے اعراض کر گئے ہیں جو ہر چیز پر پُوری قدرت رکھتا ہے۔ تخلیق کائنات کا سارا سلسلہ جس کے ہاتھ میں ہے اور تمام عالم میں وہ اکیلا ہی صاحبِ امر اور صاحبِ تدبیر ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے، نہ رب۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسُولِ کریم ﷺ کی زبانِ اقدس سے یہ کہلواتا ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (الاعراف - ۱۸۸)

اے محمدؐ! ان سے کہ "مَیں اپنی ذات کیلئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔"

اِس کے ہم معنی الفاظ قرآنِ کریم کی سورۂ یونس، آیت نمبر ۴۹ میں بھی موجود ہیں۔

سورۂ جنّ میں ہے:

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (الجن - ۲۱)

کہو کہ مَیں تم لوگوں کیلئے نہ کسی نقصان کا اِختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔

ان لوگوں نے قرآنِ کریم کی اِن واضح اور محکم آیات کو چھوڑ کر اپنا الگ ایک عقیدہ بنا لیا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سی مخلوق ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے۔ انھوں نے شرک باللہ کو دین اور گمراہی کو ہدایت سمجھ لیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: أَنَّ عَطْفَ الدُّعَآءِ عَلَى الْإِسْتَغَاثَةِ مِنْ عَطْفِ الْعَامِ عَلَى الْخَاصِ۔

① دُعا کا عطف استغاثہ پر عطفُ العام علی الخاص کے قبیل میں سے ہے

الثانیۃ: تفسیر قوله ''وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ''۔

② آیت وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ کی تفسیر

الثالثۃ: إِنَّ هٰذَا هُوَ الشِّرْكُ الْأَكْبَرُ۔

③ غیر اللہ کو پکارنا شرکِ اکبر ہے۔

الرابعۃ: أَنَّ أَصْلَحَ النَّاسِ لَوْ يَفْعَلُهُ إِرْضَاءً لِّغَيْرِهِ صَارَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

یہ کتنی بڑی مصیبت ہے اور اس کا نقصان کتنا عظیم ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اہل توحید سے دشمنی رکھتے اور اربابِ تجرید کو مبدع قرار دیتے ہیں۔ (فاللہ المستعان)

اگر صلاح وتقویٰ کی معراج پر فائز شخص بھی غیر اللہ کی رضا کے لیے
اس کو پکارے گا تو وہ بھی ظالموں میں سے ہوگا۔

تَفْسِيْرُ الْأٰيَةِ الَّتِيْ بَعْدَهَا

آیت " ولا تدع من دون اللہ" کے بعد آنے والی
آیت کی تفسیر۔

كَوْنُ ذٰلِكَ لَا يَنْفَعُ فِي الدُّنْيَا
مَعَ كَوْنِهٖ كُفْرًا۔

اِس کے کُفر ہونے کے باوجود یہ لوگوں کو دنیا میں نفع نہیں پہنچائے گا

السابعۃ تَفْسِيْرُ الْأٰيَةِ الثَّالِثَةِ۔

⑦ تیسری آیت کی تفسیر۔

الثامنۃ أَنَّ طَلَبَ الرِّزْقِ لَا يَنْبَغِيْ
إِلَّا مِنَ اللهِ كَمَا أَنَّ الْجَنَّةَ لَا
تُطْلَبُ إِلَّا مِنْهُ۔

⑧ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے طالبِ رزق نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ
اُس کے سوا کسی سے طالبِ جنّت نہیں ہونا چاہیے۔

التاسعۃ تَفْسِيْرُ الْأٰيَةِ الرَّابِعَةِ۔

⑨ چوتھی آیت کی تفسیر۔

العاشرۃ أَنَّهٗ لَا أَضَلُّ مِمَّنْ دَعَا غَيْرَ اللهِ۔

⑩ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اُس سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں ہے۔

الحادیۃ عشرۃ　أَنَّهٗ غَافِلٌ عَنْ دُعَآءِ الدَّاعِیْ لَا یَدْرِیْ عَنْهُ۔

⑪ اللہ کے سوا جس کو بھی پکارا جا رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اُسے کون پکار رہا ہے۔

الثانیۃ عشرۃ　أَنَّ تِلْكَ الدَّعْوَةَ سَبَبٌ لِبُغْضِ الْمَدْعُوِّ لِلدَّاعِيْ وَ عَدَاوَتِهٖ لَهٗ۔

⑫ غیر اللہ کو پکارنا گویا مدعو کے دِل میں داعی کے خلاف بُغض و عداوت پیدا کرنے کے مُترادِف ہے۔

الثالثۃ عشرۃ　تَسْمِیَةُ تِلْكَ الدَّعْوَةِ عِبَادَةً لِلْمَدْعُوِّ۔

⑬ غیر اللہ کو پکارنا حقیقت میں اُس کی عبادت کرنا ہے۔

الرابعۃ عشرۃ　کُفْرُ الْمَدْعُوِّ بِتِلْكَ الْعِبَادَةِ۔

⑭ خود غیر اللہ کا اِن کی اِس عبادت سے انکار کرنا۔

الخامسۃ عشرۃ　هِیَ سَبَبُ کَوْنِهٖ أَضَلَّ النَّاسِ

⑮ غیر اللہ کو پکارنا ہی گمراہی کا سبب ہے۔

السادسۃ عشرۃ　تَفْسِیْرُ الْاٰیَةِ الْخَامِسَةِ۔

⑯ پانچویں آیت کی تفسیر۔

---

[1] امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء الخ

السابعة عشرة اَلْأَمْرُ الْعَجِيبُ، وَ هُوَ إِقْرَارُ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ أَنَّهُ لَا يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِلَّا اللّٰهُ وَ لِأَجْلِ هٰذَا يَدْعُونَهُ فِي الشَّدَآئِدِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ

(۱۷) سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بتوں کے پجاری بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مشکلات سے نجات دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی بنا پر وہ مصائب و مشکلات کے وقت خالص اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔

الثامنة عشرة حِمَايَةُ الْمُصْطَفٰی ﷺ حِمَی التَّوْحِيْدِ وَ التَّأَدُّبِ مَعَ اللّٰهِ

(۱۸) رسول اللہ ﷺ کی حمایت کے معنی توحید کی پناہ گاہ میں داخل ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تأدب کے اظہار کے ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ

لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو نہ اِن کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں

قولہ تعالیٰ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُونَ ○

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔

قولہٗ : اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ

مفسّرین کا کہنا ہے کہ اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اس بات پر ڈانٹ پلائی ہے کہ وہ اُن کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وُہ خود مخلوق ہیں اور مخلوق اپنے خالق کی عبادت میں شریک نہیں گردانا جا سکتا۔ یہاں اِس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جن کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ اپنے آپ کی نُصرت و اعانت سے قاصر ہیں، یہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟ مشرکین کو کیا ہو گیا ہے کہ جو اپنی بھی مدد نہیں کر سکتا یہ اُس سے اِستمداد کرتے ہیں۔

غیراللہ کی عبادت کے بطلان پر یہ آیت واضح دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ تمام مخلوق کی یہی حالت ہے، حتّٰی کہ فرشتے، صالحین و اولیاء اور انبیائے کرام علیہم السلام سب اللہ کے محتاج ہیں۔ اور تو اور اشرفُ المخلوقات حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشرکین پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتے تھے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَ بِكَ اُقَاتِلُ	اے اللہ! تو میرا دست و بازو ہے اور مددگار ہے۔ تیرے ہی بل پر مَیں بڑھتا حملہ کرتا اور قتال کرتا ہُوں۔

قرآنِ کریم میں اِس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا	اور (لوگوں نے) اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں جو کوئی بھی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وُہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ ہی اپنے نفع اور نقصان کا اِختیار رکھتے ہیں۔ ان کے اِختیار میں نہ موت

وَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ (الاعراف : ۱۹۱، ۱۹۲)

جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔

حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○ (الفرقان-۳)	ہے نہ حیات اور نہ قبر سے اُٹھ کھڑے ہونا۔
قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (الاعراف - ۱۸۸)	فرما دیجئے کہ مَیں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے اگر مَیں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، مَیں تو مومنوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہُوں۔
قُلْ إِنِّيْ لَآ أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ قُلْ إِنِّيْ	یہ بھی فرما دیجئے کہ مَیں تمہارے حق میں نقصان یا ہدایت کا کچھ اختیار نہیں رکھتا

لہ اِس آیتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف حُجت قائم کی کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو سفارشی اور شریک ٹھہرایا۔ حالانکہ جو خود مخلوق اور اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہو وُہ اس کا شریک کیسے بن سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کریمہ میں واضح فرمایا ہے کہ یہ شرکاء تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے اور جو اپنی مدد خود نہ کر سکے وہ دوسروں کی مدد تو بالاولیٰ نہیں کر سکتا لہٰذا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر مشرکین کا اپنے شرکاء سے تعلق ختم ہوگیا:

○ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان مدعوین کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا لہٰذا عبد کسی صورت میں بھی معبود نہیں بن سکتا۔

○ دوسری وجہ یہ کہ یہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے تو اِن سے دُوسروں کی مدد کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟

قرآن کریم کی ایسی ہی دوسری آیات پر انسان کو غور و فکر کرنا چاہیے۔

لَنۡ يُّجِيۡرَنِيۡ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ۙ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

(الجن - ۲۱، ۲۲، ۲۳)

یہ بھی فرما دیجئے کہ خدا کے عذاب سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور میں اس کے سوا کہیں جائے پناہ نہیں پا سکتا۔ ہاں خدا کی طرف سے، اس کے پیغامات کا پہنچا دینا (میرے ذمہ ہے)

غیر اللہ کوئی بھی ہو اس کو پکارنے کے بطلان پر مندرجہ بالا آیات ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ اگر وہ نبی یا اللہ کا نیک بندہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ہی خالص عبادت کے شرف سے مشرف فرمایا ہے اور اس کے قلب میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبودِ حقیقی مانے اور توحید کے اس مقام پر راضی رہے۔

پس جو شخص خود عابد و پرستار ہو وہ معبود کیسے بن سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک سے مجتنب و گریزاں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ لَهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝

(القصص - ۸۸)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارنا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذاتِ پاک کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

دوسری جگہ فرمایا کہ:

اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ

(یوسف - ۴۰)

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام سے لے کر ایک عام آدمی تک سب کو صرف اپنی ہی عبادت کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے روکا ہے۔ اصل میں یہی وہ دینِ اسلام ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، کتابیں نازل کیں اور اس کو اپنی عبادت کے لیے پسند فرمایا۔

قولہٗ وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○

اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں جس میں حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اسلام کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَ	اِسلام یہ ہے کہ تم صرف اللہ کی عبادت
لَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَ	کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ
تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ	بناؤ، نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو،
الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ	اور رمضان المبارک کے روزے رکھا
تَصُوْمَ رَمَضَانَ (الحدیث)	کرو...........

قولہٗ: وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کا جن کی عبادت کی جاتی ہے، عجز اور ضعف بیان فرمایا اور بتایا کہ یہ کیوں عبادت و پرستش کے حقدار نہیں۔ اِس کی سب سے بڑی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ ان اسباب و صفات سے محروم ہیں جن کا ایک معبود میں پایا جانا ضروری ہے۔

ان اسباب میں سے سرِفہرست مندرجہ ذیل تین اسباب ہیں:

۱۔۔۔ معبود کو مالک اور صاحبِ اختیار ہونا چاہیے۔

۲۔۔۔ مدعو کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعاء اور آہ و بکا کرنے والے کی گریہ و زاری سُنتا ہو۔ نیز:

۳۔۔۔ دعا سُن کر اس کو قبول کرنے کی قدرت و طاقت بھی رکھتا ہو۔

اِن تین شروط میں سے اگر ایک بھی کم ہو تو ان کی دعوت باطل ہو جاتی ہے۔ کجا یہ کہ تینوں ناپید ہوں۔

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَآءَكُمْ
وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ

انھیں پکارو تو وہ تمھاری دُعائیں سُن نہیں سکتے اور سُن لیں تو ان کا تمھیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ فرما کر ان کی صفتِ ملکیت کی نفی فرما دی گئی۔ قِطمیر کے بارے میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ، مجاہد، عکرمہ، عطاء اور حسن رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو باریک سا پردہ اور جھلی ہوتی ہے، اُسے قطمیر کہتے ہیں۔ غیر اللہ کی عدم ملکیت مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ (النحل - ۷۳)	(یہ لوگ) اللہ کریم کے سوا ایسوں کو پُوجتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ کسی دُوسری چیز کی طاقت رکھتے ہیں۔
قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ۝	فرما دیجیے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے۔
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ط (سبا - ۲۲، ۲۳)	اور خدا کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۝ (فاطر : ۱۳، ۱۴)

اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے حقیقتِ حال کی ایسی صحیح خبر تمھیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے کہ یہ لوگ پکارنے والے کی پکار کو نہیں سُن پاتے، اس کی وضاحت اِس آیت میں ہے:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ

یعنی یہ جن کو پکارتے ہیں یا تو وہ زندگی سے محروم ہیں اور یا پھر ان کی نظروں سے اوجھل اور غائب ہیں اور اُن فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں جو اُن پر اللہ کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔

جو زندگی سے محروم ہیں، وہ یُوں ان کی پکار سُننے سے قاصر ہیں اور جو زندہ ہیں، جیسے فرشتے، وہ اپنے فرائض میں مصروف ہونے کی وجہ سے ادھر ملتفت نہیں ہو سکتے۔ اِسکے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ ان کی پکار سُن بھی لیں تو:

مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ تو وہ تمہیں جواب بھی نہ دے سکیں گے۔

کیونکہ جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں ہے

اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی کی پکار اور دعا کا جواب دے، نہ براہِ راست اور نہ کسی واسطے اور ذریعے سے۔

اِس سلسلے کے بعض دلائل کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

قولہٗ : وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

قرآن کریم کی اِس آیت سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے، اِس سلسلے میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا لیے
اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ	ہیں تاکہ وہ ان کے لیے (موجب عزّت و)
كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ	مددگار ہوں۔ ہرگز نہیں، (وہ معبودانِ باطل)
وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۧ	ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور انکے
(مریم۔ ۸۱-۸۲)	دشمن ہوں گے۔

يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ کے متعلق علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اے مشرکین! تم سے تمہارے معبود بیزاری کا اظہار کریں گے۔"

جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا	اس شخص سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا	سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت
يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ	تک اسے جواب نہ دے سکے اور
الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ	ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور
غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ	جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ

لہ زیر بحث آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ:

- ○ پوری کائنات میں صرف اُسی کا تصرف ہے۔
- ○ روئے زمین کے تمام بادشاہ اور مخلوقات اُس کے قبضہ میں ہیں۔

اِسی لیے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ" والذین تدعون من دونه ما یملکون من قطمیر
لہٰذا جس کی یہ حالت ہو اس سے نفع کی توقع یا مصائب و مشکلات کے دفعیہ کا کیا مطلب؟ بلکہ یہ عظیم عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص رہنی چاہیے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جن انبیاءؑ، شہداء اور صالحین کو پکارا جا رہا ہے وہ ان کی فریاد کو قطعاً نہیں سُن رہے اور ان کو پکارنا ہی شرکِ اکبر ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر توبہ کیے مر گیا تو اسے ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔

پس ایسے لوگوں نے اللہ کو سچا سمجھا اور نہ اس کی اطاعت کی بلکہ اُلٹا یہ عقیدہ بنا رکھا کہ اہلِ قبور سُننے کے ساتھ ساتھ مشکلکشا اور حاجت روا بھی ہیں۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں نے حقیقت میں اِسلام اور ایمان کا سِرے سے انکار کیا ہے جیسا کہ آج کل عام مسلمان اِس میں گرفتار نظر آتے ہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً	ان کے دشمن ہوں گے اور انکی پرستش
وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○	سے انکار کر دیں گے۔

(الاحقاف - ۵، ۶)

قولہ : وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ

مطلب یہ ہے کہ جو معاملات کے انجام اور نتیجہ سے پوری طرح باخبر ہو، اِس سے بہتر اِطلاع تمھیں کوئی نہیں دے سکتا۔

حضرت قتادہ رضؓ کہتے ہیں کہ اِس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے کیونکہ وہی تمام حالات و واقعات سے باخبر ہے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علیم و خبیر ہونے کی حیثیت سے اِن کے معبُودوں کے بارے میں جو اطلاع اور خبر دی ہے، مُشرکین اِس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ علی الاعلان یہ کہتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اِن کے یہ معبُود مالک بھی ہیں، سُنتے بھی ہیں، جواب بھی دیتے ہیں اور جو ان کو پکارتا ہے اُس کی سفارش بھی کرتے ہیں۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان پر قطعاً غور نہیں کیا کہ ان کے معبود قیامت کے روز ان کے دُشمن اور مخالف بن جائیں گے اور ان سے بے زاری کا اظہار کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ پوری وضاحت سے فرماتا ہے کہ :

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا	جس دن ہم ان کو جمع کرینگے اور پھر مُشرکوں
ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا	سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک
مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ	اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم ان کو
فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ	الگ الگ کر دیں گے اور ان کے
شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ	شریک کہیں گے کہ تم ہم کو تو نہیں
اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○	پوجا کرتے تھے۔
فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا	اب تمھارے اور ہمارے درمیان خدا گواہ
وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ	کافی ہے کہ ہم تمھاری پرستش سے بالکل
عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○	بے خبر تھے۔
هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ	وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اُس نے

وفی الصحیح عن انس رضی اللہ عنہ قَالَ شُجَّ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ وَّ كُسِرَتْ رُبَاعِيَّتُهُ ۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کو جنگِ اُحد میں زخمی کر دیا گیا اور آپؐ کے اگلے دو دانت شہید کر دیے گئے ۔

أَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○	آگے بھیجے ہوں گے، آزمائش کرلے گا اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے سب ان سے جاتا رہے گا۔
(یونس ـ ۲۸، ۲۹، ۳۰)	

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ، ابنِ جریج رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ مجاہد رحمہ اللہ نے آیت (إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ) کے ضمن میں لکھا ہے کہ :

"اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جاتی ہے، قیامت کے دن اپنے عبادت کرنے والوں سے لاتعلقی اور بیزاری کا اظہار کرے گی۔"

عقلمند اور دانا شخص بہرحال اِن مندرجہ بالا آیات کو جو قطعی حُجّت، نُور، بُرہان اور ذریعۂ ایمان جان کر فوراً قبول کرے گا، اپنی عملی زندگی میں ان کو مشعلِ راہ بنائے گا اور اپنے اعمال و کردار کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سرانجام دے گا اور جو خود اپنی ہی جان کے نفع و نقصان کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے اِن سے اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ رکھے گا کیونکہ جو اپنی جان کے بھی مالک نہیں وہ دُوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟

قولُهٗ : وَفِي الصَّحِيْحِ

اِس سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم مراد ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اِس کو تعلیقاً روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حمید اور ثابت عن انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

فَقَالَ كَيفَ يُفْلِحُ قَومٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ فَنَزَلَتْ "لَيسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ"

اِس پر آپؐ نے فرمایا کہ ایسی قوم کیسے کامیاب ہوگی جِس نے اپنے ہی نبیؐ کو زخمی کر دیا ہے؟ اِس پر آیت نازل ہوئی کہ "(اے پیغمبرؐ!) فیصلہ کے اِختیارات میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں۔"

امام احمد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے اِس کو موصولاً عن حمید عن انسؓ روایت کیا ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عن ثابت عن انسؓ موصولاً روایت کیا ہے۔

محمد بن اِسحاق رحمۃ اللہ علیہ "کتاب المغازی" میں مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ: حدثنا حمید الطویل عن انس رضی اللہ عنہ قال

كُسِرَتْ رُبَاعِيَةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَومَ أُحُدٍ وَ شُجَّ وَجْهُهُ فَجَعَلَ الدَّمُ يَسِيلُ عَلَى وَجْهِهِ وَجَعَلَ يَمْسَحُ الدَّمَ وَ هُوَ يَقُولُ	غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دو دانت شہید کر دیے گئے چہرۂ انور زخمی ہوگیا اور اس پر سے خون بہنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خون کو صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ
كَيفَ يُفْلِحُ قَومٌ خَضَبُوا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ	"وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جِس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے لت پت کر دیا حالانکہ اُنکا نبی اُن کو اُنکے ربِ کریم کی طرف بلاتا ہے۔
فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْآيَةَ	آپؐ کے اِس فرمان پر یہ آیات نازل ہوئیں

قولهٗ: شُجَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اَبُو السعادات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"کوئی شخص کسی کے سر میں کسی ایسے ہتھیار سے زخم کر دے، جس سے سر پھٹ جائے

تو اس کو عربی میں شَجَّ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لفظ "شَجَّ" کا اطلاق صرف سر پھٹنے پر ہوتا ہے۔ بعد ازاں یہ لفظ دُوسرے اعضاء کے پھٹنے پر بھی استعمال ہونے لگا۔"

ابنِ ہشام، حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر کرتے ہیں کہ:

عتبہ بن ابی وقاص الیمنی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید کیے تھے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا جبڑا بھی زخمی ہو گیا تھا اور عبداللہ بن شہاب الزہری نے آپ کے چہرے کو زخمی کر دیا تھا۔ عبداللہ بن قمئہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کو زخمی کیا تھا جس سے آپ کی خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے اور خون بہنے لگا۔ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر خون کو چوس کر نگل لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ تَمَسَّكَ النَّارُ — اے مالکؓ! تجھے جہنم کی آگ ہرگز نہ چھو سکے گی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اگلے دو دانتوں سے ملا ہوا ہر دانت رباعیہ کہلاتا ہے۔"

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"انسان کے دانت چار رباعیات پر مشتمل ہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت ٹوٹنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل جڑ سے اکھڑ کر باہر گر پڑے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دانت کا کچھ حصّہ ٹوٹ گیا تھا۔"

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"اس واقعہ سے پتا چلا کہ انبیاء علیہم السلام کو ابتلا و آزمائش کی کٹھن وادی سے گزرنا پڑا تاکہ وہ ان کے اجر میں اضافہ اور بلندیٔ درجات کا سبب بنیں۔

لہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

"کسی کافر کے قتل کرنے پر مجھے اتنی حرص نہ تھی جتنی کہ اپنے بھائی عُتبہ پر تھی کیونکہ اسی نے جنگِ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نچلے دو دانت شہید کیے اور ہونٹ مبارک زخمی کیے تھے۔" (تاریخ ابنِ ہشام)

اِس لیے بھی ان کو شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑا کہ ان کے ماننے والے ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں، ان کی مشکلات کو سامنے رکھ کر اپنی مشکلات کا اندازہ لگائیں اور اپنے آپ کو مشکلات کا عادی بنائیں کہ اس کے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔"

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"انبیاء علیہم السلام کے لیے دنیا میں مصائب و مشکلات سے گزرنا اس لیے بھی ضروری تھا تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی عام انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں اور ان کو بھی اچانک تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس طرح کہ عام انسان کو، تاکہ لوگوں کو اس بات کا علم اور یقین ہو جائے کہ انبیاء مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتے بلکہ بشر اور مخلوقِ خدا ہی ہوتے ہیں، اور وہ مافوق العقل معجزات و واقعات جو ان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے لوگ شیطانی وساوس کی گرفت میں نہ آئیں جیسا کہ ابلیس نے یہود و نصاریٰ کو اس میں مبتلا کر دیا تھا۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"عبادت اور محبت میں غلوّ اور انتہا نے ان کو تباہ کیا تھا۔"

قولہ: يَوْمَ أُحُدٍ

مدینۃ الرسول ﷺ سے بجانب مشرق اُحد کے نام سے ایک پہاڑ ہے۔ یہ وہی مشہور پہاڑ ہے جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ — اُحد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب گردانتے ہیں۔

یہ وُہی احد پہاڑ ہے جہاں اِسلام اور کفر کی عظیم اور مشہور جنگ لڑی گئی تھی۔

قولہ: كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

كَسَرُوا رُبَاعِيَتَهُ وَ أَدْمَوا وَجْهَهُ — یعنی وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے ہی نبی کو زخمی کیا، اُس کے دانت توڑ دیے اور اسکے چہرہ کو خون آلود کر دیا۔

قولہٗ : فَاَنْزَلَ اللّٰہُ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ [1]

ابنِ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے اور تکلیف محسوس ہونے لگی تو کفارِ قریش کی فلاح و کامرانی سے مایوس ہو گئے اور زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے کہ: کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ ..... الخ

اسی مایوسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، انجام کار میرے ہاتھ میں ہے نہ کہ آپؐ کے قبضے میں۔ اس لیے جو کام آپؐ کے ذمّے ہے اُسے ادا کرتے رہیے اور دعاء مانگتے رہیے"

علّامہ محمّد ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، اس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ:

"لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ سے مُراد یہ ہے کہ جہاں تک میرے بندوں کا تعلق ہے تمہارے قبضہ و قدرت میں کوئی چیز نہیں۔"

قولہٗ : وَفِیْهِ

یعنی یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے مزید برآں اس روایت کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

---

[1] قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ قل: ان الامر کلہ للہ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ الا لہ الخلق والامر تبارك اللہ رب العلمین: اس مفہوم کی آیات قرآنِ کریم میں بہ کثرت پائی جاتی ہیں جن کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ تمام کائنات میں حسن ذاتِ کبریا کی بادشاہت ہے اور جس کے قبضہ میں کائنات کا ذرّہ ذرّہ ہے، ایسی ذاتِ کریم کے علاوہ مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے اور اُسے پکارا جائے۔ یہی وجہ تھی جس کی بنا پر ربِّ کریم نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: انك لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء وھو اعلم بالمھتدین:

قارئینِ کرام غور فرمائیں کہ پُوری کائنات میں افضل ترین اور اکمل ترین شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ جب ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہارے قبضہ و قدرت میں ہدایت، نہ گمراہی، نفع نہ نقصان، امر نہ خلق، بلکہ زندگی بھر لوگوں کو آپؐ نے دعوت دی کہ جس ذاتِ کبریا کے قبضہ میں یہ ساری چیزیں ہیں اُسی کی عبادت کی جائے تو ان کے علاوہ دُوسرے شخص کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ عظیم پیغام ہے جس کی تبلیغ کے لیے تمام رسُولوں کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔

صلوات اللہ وسلامہٗ علیہم اجمعین

وفیہ : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فِي الرَّكْعَةِ الْأَخِيرَةِ مِنَ الْفَجْرِ، اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا بَعْدَ مَا يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ فَأَنْزَلَ اللهُ "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ" الآية

صحیح بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز فجر کی دوسری رکعت میں (جب آپؐ رکوع سے کھڑے ہوئے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا) یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ :
"اے اللہ! فلاں اور فلاں شخص پر لعنت فرما۔"
اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "(اے پیغمبرؐ!) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔"

قولہ : عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ
اس سے عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ یہ جلیل القدر صحابی تھے سُنّت کے شیدائی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے خصوصی دُعاء فرمائی تھی۔
یہ مزاج شناسِ رسولِ مقبول ﷺ، ۷۳ھ کے آخر میں یا اس سے اگلے سال کے شروع میں فوت ہوئے۔

قولہ : اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ
یعنی جنگِ اُحد میں جب آپؐ زخمی ہوگئے اور دانت مبارک شہید ہوگئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو مشرکین کے لیے بد دعاء کرتے ہوئے سُنا۔

قولہ : اَللّٰھُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

" لعنت کا یہاں اصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ان کو اپنی رحمتوں سے دُور رکھ۔ یہی لفظ جب اِنسان، اِنسان کے بارے میں اِستعمال کرتا ہے تو اِس کا مطلب گالی دینا ہوتا ہے۔"

اِس پر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی سیر حاصل بحث سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

قولہ : فُلَانًا وَّفُلَانًا

اِس سے صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام مراد ہیں جیسا کہ اس کی تصریح آئندہ حدیث میں موجود ہے۔

اِس روایت سے یہ مسئلہ ثابت ہُوا کہ نماز میں مشرکین کا نام لے کر اُن پر بددُعا کی جاسکتی ہے اور اِس سے نماز میں کوئی خلل اور نقص واقع نہیں ہوتا۔

قولہ : بَعْدَ مَا یَقُوْلُ : سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

" سَمِعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی حمد کو قبولیت کا مرتبہ عطا فرما دیا ہے۔"

علامہ سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

" صیغہ سَمِعَ کا مفعول محذوف ہے جو دُعَاءَہٗ یا مسمعہ ہے، اِسلیے کہ لفظ سمع کا تعلق اصوات و اقوال سے ہے، اشخاص سے نہیں۔ اِس میں "لام" ایک معنی زائد کی نشاندہی کرتا ہے اور وہ اِستجابت یا پذیرائی ہے اور اِسطرح اِس کلمہ میں دو خوبیاں جمع ہو گئی ہیں۔ ایجاز و اِختصار اور معنی زائد۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ:

" یہاں مفعول محذوف نہیں بلکہ لفظ سَمِعَ متعدی بِلا م ہے جس کے معنی ہی اِستجابت و پذیرائی کے ہیں۔"

قولہ : رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

صحیح بخاری کی بعض روایات میں لفظ رَبَّنَا کے بعد وَ نہیں ہے۔

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"گویا کہ اس جملے میں حرفِ وکا اثبات، معنی زائد کی طرف اشارہ کناں ہے۔ اِس صُورت میں عبارت یوں ہوگی رَبَّنَا اسْتَجِبْ وَلَكَ الْحَمْدُ اور پھر یہ جملہ دعائکے معنی پر بھی مشتمل ہوگا اور خبر کے معنی پر بھی۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"حمد کا مفہوم ذم کے بالکل برعکس اور اس کی ضد ہے۔ حمد، بایں طور محمود کے محاسن بیان کرنا ہے کہ محمود سے دِل میں محبّتِ کامل بھی ہو، اور ذم یہ ہے کہ کسی شخص کی بُرائی بیان کرنے کے ساتھ دِل میں اُس کے خلاف بُغض بھی پایا جائے۔"

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ بھی حمد اور ذم کے مفہوم و مطلب کے سلسلے میں اِسی طرح کہتے ہیں۔

البتہ وہ حمد اور مدح میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

" اگر کسی شخص کے محاسن اور خوبیاں محبّت اور ارادے کے تقاضے سے ہٹ کر بیان کرے تو یہ مدح ہے۔

اور اگر کسی شخص کے محاسن اور خوبیوں کے ساتھ اپنی محبّت اور ارادہ بھی وابستہ ہو تو اس کو حمد سے تعبیر کیا جائے گا۔

یعنی کسی کی محبّت، عظمت و توقیر اور بزرگی اور جلالتِ شان کو ملحوظِ خاطر رکھ کر محاسن بیان کیے جائیں تو اس کو حمد کہیں گے، اِس لیے یہ خبر ہوگی جو کہ اِنشا کو متضمن ہوگی۔ البتہ مدح میں یہ بات نہیں ہے وہ مجرّد خبر ہوتی ہے۔

چنانچہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

تو یہ جُملہ ہر اُس خبر کو محیط و متضمن ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاسکتی ہو اور حقیقت میں یہ ہر اُس کمال کو لازم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا مقصود ہو۔ اِسی بنا پر یہ جملہ غیر اللہ کے لیے اِستعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کسی اور کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ اُسے اِس طرح کے الفاظ سے متصف کیا جائے۔ حمید و مجید صرف

وفي رواية: "يدعو على صفوان بن أمية وسهيل بن عمرو والحارث بن هشام فنزلت "ليس لك من الأمر شيء".

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بددعا کرتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ "(اے پیغمبرؐ!) فیصلے کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں"۔

اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور بس"۔

اس حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ امام کو تسمیع اور تحمید دونوں کو نماز میں جمع کرنا چاہیے، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے۔ البتہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ امام صرف سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ پر ہی اکتفا کرے۔

قوله: يَدْعُوا عَلَى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ

جنگِ اُحد میں لشکرِ کفار کے سرکردہ ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام ہی تھے۔

ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس یہ آیت نازل فرمائی کہ:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ — اس حکم میں تیرا کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے
أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ — تو ان کی طرف رحمت لائے یا ان کو
(آل عمران - ۱۲۸) عذاب کرے۔

چنانچہ جنگِ اُحد کے بعد یہ چاروں افراد اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہو گئے تھے، اور ان کا اسلام لانا ان کے لیے نفع بخش ثابت ہوا۔

د فیه : عن ابي هريرة رضي الله عنه قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ أُنْزِلَ عَلَيْهِ " وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ " فَقَالَ

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ " اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے " تو آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

اِس سارے واقعہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا معنیٰ و مفہوم پوری طرح واضح ہے اور یہ حقیقت عیاں ہے کہ تمام امور کی باگ ڈور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ وہ اپنی رحمت اور اپنے فضلِ خاص سے جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور یہ عدل و انصاف کی بنا پر ہوتا ہے۔

قبروں کے پجاریوں کے عقائد کی تردید میں یہ واقعہ اپنے اندر زبردست حجت اور برہان رکھتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ انبیاء، صلحاء اور اولیاء اللہ کو پکارنے والے اور ان کے نام سے اعانت حاصل کرنے والوں کو وہ نہ تو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ دے سکتے ہیں۔

سو پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی جو مشرکین کے قلب و ذہن کو ہدایت کی بہرہ مندی سے محروم رکھتی ہے اور ہدایت اس کی دین اور بخشش ہے جس کی تہہ میں بہرحال عدل و انصاف کے تقاضے پنہاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اِنسان اور اُس کے دل کے تاثرات میں حائل ہوتا ہے اور اُسی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی اور عطا کردہ قوت و طاقت سے تمام امور انجام پاتے ہیں۔

قولہٗ : دفیہ

اِس سے صحیح بخاری مراد ہے۔

قولہ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ امام نووی نے پورے وثوق اور یقین سے کہا ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا۔

مستدرک میں حاکم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ :

کَانَ اِسْمِیْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ عَبْدُ شَمْسِ بْنِ صَخْرٍ	جاہلیت میں میرا نام عبدشمس بن صخر تھا۔
فَسُمِّیْتُ فِی الْاِسْلَامِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ	اور اسلام لانے کے بعد میرا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔

الدولابی اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ :

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم سَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ رکھا تھا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ فضلاء وحفاظِ حدیث صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کثرت سے انھوں نے احادیث حفظ کی ہیں وہ دوسرے کسی صحابی نے حفظ نہیں کیں۔ اِس جلیل القدر صحابی رسول نے اٹھتر سال کی عمر پاکر وفات پائی ان کے سنِ وفات میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ۵۷ھ میں، بعض کے نزدیک ۵۸ھ میں اور بعض کے نزدیک ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ [1]

---

[1] امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کتاب البیوع کے شروع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور قول نقل فرمایا ہے جس میں وہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ :

"تم یہ کہتے ہو کہ ابوہریرہؓ مہاجرین وانصار کی بنسبت کثرت سے احادیث بیان کرتا ہے، اَیُّہا الاِخوۃ (اے میرے بھائیو) اصل بات یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی اپنی ضروریاتِ زندگی اور اپنے بال بچوں کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے وقت کا بیشتر حصہ بازاروں میں خرید وفروخت اور تجارت میں صرف کردیتے تھے۔ میرے بھائی بازار میں ہوتے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتا۔ رہے میرے انصاری بھائی، تو وہ اپنے مال ومتاع کی حفاظت اور دیکھ بھال میں مصروف رہتے، لیکن میں اہلِ صفہ میں سے

قولهٗ : قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت منقول ہے کہ:

صَعِدَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الصَّفَا فَقَالَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہوکر لوگوں کو پکارا۔

قولهٗ : حِيْنَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

کسی شخص کے باپ کی اولاد کو یا اس کے قبیلے کو عشیرہ کہا جاتا ہے کیونکہ دینی اور دنیاوی احسان اور بھلائی کے زیادہ حقدار یہی لوگ ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم - ٦)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اِس آیتِ کریمہ میں قریبی تعلق رکھنے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم فرمایا اور مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں عام لوگوں کو بھی عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے ارشاد ہوا:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (یٰس - ٦)	تاکہ تم خبردار کرو ایک ایسی قوم کو جس کے باپ دادا خبردار نہ کیے گئے تھے اور اِس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔
وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ (ابراھیم - ٤٤)	اے محمدؐ! اُس دن سے آپؐ انھیں ڈرائیے جبکہ عذاب انھیں آلے گا۔

ایک غریب اور مسکین طالب علم تھا، میرا کام ہی یہ تھا کہ جونہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ارشاد فرماتے تو میں اُسے اچھی طرح حفظ اور یاد کرلیتا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "انه لن يبسط احد ثوبه حتى اقضى مقالتى هذه ثم يجمع اليه ثوبه الا وعى ما اقول"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی چادر پھیلا دی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو مکمل کرچکے تو وہ ساری گفتگو میں نے اپنے سینے میں محفوظ کرلی اور وہ ساری کی ساری گفتگو مجھے حفظ اور ازبر ہے، اِس میں سے ایک جملہ تو کجا ایک حرف بھی نہیں بھولا ہوں۔" رضی اللہ تعالیٰ عنہ

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ” أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا
إِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ
اللهِ شَيْئًا۔

”اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو بیچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کام نہ آؤں گا۔

قولہ : يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ

معشر جماعت کو کہا جاتا ہے۔

قولہ : أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا

یعنی آنحضرت ﷺ نے يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ فرمایا یا اسی قسم کا کوئی اور دوسرا کلمہ ارشاد فرمایا۔

كَلِمَةً یہاں ماقبل پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ : إِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ

مطلب یہ ہے کہ:

- توحید کا اقرار کرکے۔
- عبادت میں دولتِ خلوص سے مالا مال ہوکر
- شرک سے اجتناب کرکے
- اس کے حکموں کو مان کر اور
- اس کی منع کی ہوئی اشیاء سے رُک کر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچالو

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ان ہی احکام پر عمل پیرا ہونا ہے۔ حسب ونسب پر اعتماد کسی کام نہ آئے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔

قولہ : لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا [1]

آنحضرت ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو انبیاء و صالحین کے فوت ہوجانے کے بعد اُن سے مصائب و مشکلات میں امداد کے متمنّی ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کرتے ہیں، ان کو نفع پہنچاتے ہیں یا ان کی تکالیف کو دُور کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہی وہ شرک ہے جس کی وضاحت کی غرض سے اور جس کے انجامِ بد سے آگاہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے عقیدے کے بارے میں فرماتا ہے :

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر - ۳)	وہ لوگ جنھوں نے اُس کے سوا دُوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (اور اپنے اِس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اِس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے اِنسان اُسی وقت بچ سکتا ہے جب کہ وہ اپنی تمام عبادات میں اخلاص پیدا کرے اور غیر اللہ کی ہر قسم کی عبادت سے براءت کا اظہار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ (المائدہ - ۷۲)	جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

زیرِ نظر حدیث میں رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خصوصی طور پر اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور بتایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا بجز اِس کے کہ تم توحید کا اقرار کر لو اور شرک سے تائب ہو کر اس سے براءت کا اِعلان کرو۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کے گھر گھر جا کر ان کو وعظ و نصیحت کی اور قبائل عرب کو خاص خاص موقعوں اور موسموں میں اُن کے اِجتماعات میں جا کر دعوتِ توحید پیش کی اور خصوصًا چچا، پھوپھی اور اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صاف صاف فرمایا کہ :

○ اگر تم ایمان نہ لائے ، ○ توحید کا اِقرار نہ کیا ،
○ شرک سے براءت کا اظہار نہ کیا اور ○ سابقہ تمام شریعتوں کو ترک نہ کیا

تو پھر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔

يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ !
لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا ،
يَا صَفِيَّةَ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللهِ لَا أُغْنِي
عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا - وَ يَا فَاطِمَةَ
بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِي مِنْ مَّالِي
مَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ
اللهِ شَيْئًا -

اے چچا عباسؓ بن عبدالمطّلب ! اے پھوپھی صفیہؓ ! اپنی جانوں کو بچا لو، مَیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے کام نہ آؤں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہؓ ! میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے کام نہ آؤں گا۔"

ایک دوسرے مقام پر مشرکین کا اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللهِ ط — یہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

(یونس - ۱۸)

اللہ تعالےٰ نے اِس عقیدۂ شرکیہ کی تردید فرمائی اور اپنے آپ کو اِس قِسم کے شِرک سے بالا و برتر اور منزّہ قرار دیا۔

اِس کی مزید تشریح آیندہ صفحات میں آرہی ہے۔ اِن شاء اللہ

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ :

يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ ! — اے عبدمناف کی اولاد !

لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا — مَیں تمھیں اللہ تعالےٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

قولہٗ : سَلِيْنِيْ مِنْ مَالِيْ مَا شِئْتِ [1]

اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اگر کوئی چیز بچاسکتی ہے تو وہ صرف ایمان باللہ اور عملِ صالح ہے۔ اِس کے علاوہ اور کوئی شے ذریعۂ نجات نہیں بن سکتی۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دنیوی مال کے سوال کرنے کو اس لیے فرمایا کہ حسبِ طاقت یہ معاملہ آپ کے اختیار میں تھا۔ البتہ وہ امور جن کا تعلق صرف اللہ سے ہے، ان پر کسی شخص کی قدرت نہیں ہے جیسا کہ اسی زیرِ بحث حدیث میں منقول ہے۔

جب ابوطالب کی وفات شرکیہ عقیدہ پر ہوئی تو اس کے احسانات اور ان کی حمایت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

لا ستغفرن لك ما لم انه عنك	میں اس وقت تک تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے روک نہ دیا جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (التوبہ-۱۱۳)	نبی کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دُعا کریں چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

اِس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ ابوطالب نے کلمۂ شہادت کا اقرار نہیں کیا اور اس کی موت شرکیہ عقیدہ پر واقع ہوئی لہٰذا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بے پناہ حمایت کی تھی وہ اس کے کام نہ آئی اور نہ ہی اس کا یہ اعتراف، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، فائدہ مند ثابت ہوا کیونکہ اُس نے شرک اور اپنے آبائی دین سے قطع تعلق نہیں کیا تھا اور یہ بات واضح ہے کہ ہر وہ تعلق جو غیر اللہ سے وابستہ ہو شرک کی تعریف میں آتا ہے جو دنیا اور آخرت میں انسان پر وبالِ جان ثابت ہوگا۔ شفاعت ان ہی افراد کے مقدر میں ہے جو صرف اخلاص کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان ہی افراد کے بارے میں ربِ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا	اے محمدؐ! تم اس علمِ وحی کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اِس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اِس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو کسی دُوسرے شخص سے وُہی سوال کرنا چاہیے جس کی اُسے دُنیاوی امور میں قدرت اور طاقت حاصل ہو۔

رحمت، بخشش، جنّت اور جہنّم سے نجات اور اس کے علاوہ ان اشیاء کا جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے سے سوال کرنا ممنوع اور حرام ہے اور وہ اشیاء جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، ان کا حصول اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے جب تک کہ انسان توحید خالص کا اقرار نہ کر لے اور وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم قرار دیے ہیں ان کو صرف رضائے الٰہی کی خاطر انجام نہ دے لے اور پھر ان ہی احکام کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ نہ سمجھ لے۔

حبیب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی، اپنی لختِ جگر، اپنے مہربان چچا، اپنی پھوپھی اور اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو ان کے علاوہ دوسرے افرادِ اُمّت کی کیا حیثیت اور وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ خصوصاً آپؐ کے چچا ابوطالب کے واقعہ میں تو اہلِ بصیرت اور عقلمندوں کے لیے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان پنہاں ہے۔

ان لوگوں پر سخت افسوس ہوتا ہے جو مُردوں کے پاس اپنی حاجات اور مشکلات لے جاتے ہیں اور ان کے مشاہد و قبور پر اُمید و خوف کے ملے جُلے جذبات سے کامل توجّہ اور انکساری کے ساتھ حاضری دیتے ہیں حالانکہ وہ خود اتنے عاجز اور درماندہ ہیں کہ اپنی جان کے لیے بھی نفع مند ثابت نہیں ہو سکتے اور نہ اپنی تکالیف ہی کو از خود دُور کر سکتے ہیں۔ اِس صورت میں بھلا دوسروں کے کام کس طرح پُورے کر سکتے ہیں؟

ان کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے اور ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَ	اِن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنالیا اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ

شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ (الانعام - ۵۱)	کوئی ایسا (ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو، ان کی سفارش کرے، شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہوکر) وہ خداترسی کی روش اختیار کرلیں۔

اس کی مزید تفصیل "بابُ الشفاعۃ" میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿ ہیں۔

(الاعراف ۔ ۳۰)

شیطان نے ان کے سامنے شرک کو صالحین کی محبت و عقیدت کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے حالانکہ ہر مردِ صالح دنیا میں بھی اس شرک سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور قیامت کے روز بھی اس سے اظہارِ برأت کرے گا۔

اِس میں شک نہیں کہ صلحائے سے محبّت صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ دینی معاملات میں ان سے ہم آہنگی اختیار کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملے میں انکے نقشِ قدم کا تتبع کیا جائے نہ کہ اللہ کے ان نیک بندوں کو اس کا شریک ٹھہرا کر ، اُن سے اِس انداز کی محبت کرے جو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے ، یہ تو اللہ کے ساتھ شرک ، غیر اللہ کی عبادت اور اللہ، اس کے رسُولؐ اور اللہ کے صالح بندوں کے ساتھ دشمنی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ	اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب خدا فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟
قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○	وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کیا حق تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہے کیونکہ جو بات میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اُسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تُو ہی غیب دان ہے
مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ	میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ بجز اسکے جس کا تُو نے مجھے حکم دیا، وہ یہ کہ تم خدا کی

وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (المائدہ - ۱۱۶، ۱۱۷)

عبادت کرو جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان کے حالات کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس آیت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کی مخالفت کی ہے جن پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کاربند رہنے کی تاکید کی تھی۔ اُنھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ انھوں نے صرف توحید ہی کو اپنی قوم کے سامنے پیش کیا تھا، جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ:

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ

میں نے اُن سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا بھی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شہادت محض اُس زمانے تک کی ہے جب تک کہ وہ ان میں قیام فرما رہے۔ ان کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد ان کو ان کی کوئی خبر نہ تھی۔ ان کے رفع الی السماء کے بعد کے حالات و کوائف کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

میں اُسی وقت تک اُن کا نگران تھا جب تک کہ میں اُن کے درمیان تھا جب آپ نے مجھے واپس بُلا لیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگران ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی شہادت تمام لوگوں کی شہادت سے ارفع و اعلیٰ ہے"

شارح رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اِس آیتِ کریمہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُولوں کو جن احکام کا حکم دیا تھا، ان کی مشرکین نے مخالفت کی اور وہ تھی توحیدِ الوہیت جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے۔ اِسی کی طرف انھوں نے لوگوں کو دعوت دی اور اِسی کو لوگوں سے تعلقات کے قیام و انقطاع کا معیار ٹھہرایا۔

جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کے دین کو اپنائے اور جو حکم ان کو ملا اس کی اطاعت کرے اور بلا شرکت غیرے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ انجام دے، ایسے شخص کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی اطاعت اور توحیدِ خالص کے اقرار میں اُس نے کسی قسم کی کمی کی ہے۔ اُس نے اپنے رسُول ﷺ کی اِتباع کی اور اللہ تعالیٰ کو شرک سے منزہ اور پاک قرار دیا جو کہ توحیدِ ربوبیت کی ضد ہے۔ ہم اس کے بارے میں کس طرح اِس سوئے ظن سے کام لے سکتے ہیں کہ اس نے توحیدِ الوہیت میں کسی بھی نوع کی کمی کا ارتکاب کیا ہوگا؟

مُشرکین تو دُنیا اور آخرت دونوں جہان میں انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور ان کے مدِمقابل ہیں انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے متبعین پر یہ واضح کیا ہے کہ وُہ ہر مُشرک سے قطع تعلق رکھیں، ان کے رسم و رواج سے بالکل الگ تھلگ رہیں اور اُن سے اور اُن کے معبُودوں سے بُغض و عناد کا اظہار کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ	فرما دیجیے کہ خُدا ہی کی حجّت پوری ہے
فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○	اگر وُہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

(الانعام - ۱۴۹)

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ تَفْسِيرُ الْآيَتَيْنِ -

① دو آیات کی تفسیر۔

الثانیۃ قِصَّةُ أُحُدٍ -

② جنگِ اُحد کا مختصر واقعہ۔

الثالثۃ قُنُوطُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَلْفَهُ سَادَاتُ الْأَوْلِيَاءِ يُؤَمِّنُوْنَ فِي الصَّلٰوةِ -

③ سید الانبیاء ﷺ کا قنوتِ نازلہ پڑھنا اور آپ کے پیچھے سادات الاولیاء یعنی صحابہ کا آمین کہنا۔

الرابعۃ أَنَّ الْمَدْعُوَّ عَلَيْهِمْ كُفَّارٌ -

④ جن کے لیے بد دُعاء کی گئی وہ کافر تھے۔

الخامسۃ أَنَّهُمْ فَعَلُوْا أَشْيَاءَ مَا فَعَلَهَا غَالِبُ الْكُفَّارِ مِنْهَا شَجُّهُمْ نَبِيَّهُمْ وَ حِرْصُهُمْ عَلٰى قَتْلِهِ - وَ مِنْهَا التَّمْثِيْلُ بِالْقَتْلٰى مَعَ أَنَّهُمْ بَنُوْ عَمِّهِمْ

⑤ اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دوسرے کفار نے نہیں کیا جیسے آنحضرت ﷺ کو زخمی کرنا، آپؐ کے قتل پر آمادہ اور کوشاں ہونا، مسلمان شہداء کا مُثلہ کرنا۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی حالانکہ یہ لوگ آپؐ کے قریبی رشتہ دار تھے اور بعض تو آپؐ کے چچیرے بھائی تھے۔ اِس قدر قریبی رشتے کی بھی انھوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔

السادسة أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ " لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ "

⑥ اِن مظالم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اِن کا انجام کار آپؐ کے قبضہ و قدرت میں نہیں۔

السابعة قَوْلُهُ : " أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَتَابَ عَلَيْهِمْ فَآمَنُوا ۔

⑦ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ " ان کی توبہ قبول کرلے یا اُن کو عذاب دے "۔ چنانچہ اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول کی اور وُہ ایمان لے آئے۔

الثامنة أَلْقُنُوتُ فِي النَّوَازِلِ

⑧ نزولِ حوادث کے موقع پر دُعائے قنوت پڑھنا۔

التاسعة تَسْمِيَةُ الْمَدْعُوِّ عَلَيْهِمْ فِي الصَّلٰوةِ بِأَسْمَائِهِمْ وَ أَسْمَاءِ آبَائِهِمْ ۔

⑨ جن کے لیے بددُعا کی جارہی ہو اُن کے اور اُن کے آباء و اجداد کے نام نماز میں لینا۔

العاشرة لَعْنُ الْمُعَيَّنِ فِي الْقُنُوتِ

⑩ قنوت میں کسی خاص شخص کا نام لے کر لعنت کرنا۔

الحادية عشرة قِصَّتُهُ ﷺ لَمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ "وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ"۔

⑪ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیے" تو آپؐ کا ایک ایک کو پکار کر عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا واقعہ۔

الثانية عشرة جِدُّهُ بِحَيْثُ فَعَلَ مَا نُسِبَ بِسَبَبِهِ إِلَى الْجُنُوْنِ وَ كَذٰلِكَ لَوْ يَفْعَلُهُ مُسْلِمٌ أَلْآنَ۔

⑫ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ توحید سنائی تو آپؐ کو مجنون جیسے لقب سے پکارا جانا۔

آج بھی اگر کوئی شخص دعوتِ توحید دے تو اُس کو بھی ایسے ہی القاب سے پکارا جاتا ہے۔

الثالثة عشرة قَوْلُهُ لِلْأَبْعَدِ وَ الْأَقْرَبِ "لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا"۔ حَتّٰى قَالَ : يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، فَإِذَا صَرَّحَ وَ هُوَ سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ بِأَنَّهُ لَا يُغْنِيْ شَيْئًا عَنْ سَيِّدَةِ

نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ وَ أَمَّنَ الْإِنْسَانُ أَنَّهُ ﷺ لَا يَقُوْلُ إِلَّا الْحَقَّ ثُمَّ نَظَرَ فِيْمَا وَقَعَ فِيْ قُلُوْبِ خَوَاصِّ النَّاسِ الْيَوْمَ ، تَبَيَّنَ لَهُ التَّوْحِيْدُ وَ غُرْبَةُ الدِّيْنِ ۔

⑬ رسول اللہ ﷺ کا قریبی اور غیر قریبی سب کو علی الاعلان یہ فرمانا کہ مَیں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہاں تک آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا کہ دیکھو میں تم کو بھی عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکوں گا۔ سیّد المرسلینؐ کا سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اِس صراحت سے کہنا کہ مَیں تم کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رکھ سکوں گا۔ اِنسان کا یہ ایمان اور یقین کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مُبارک سے سوائے حق کے دوسری بات نہیں نکلتی۔

مُندرجہ بالا صراحت کی روشنی میں آج کے حالات پر بھی غور کیجیے کہ جس میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بعض خواص بھی مبتلا ہیں تو آپ کو صحیح توحید صاف طور پر معلوم ہوگی اور دین کی بے بسی بھی واضح ہو جائے گی۔

باب

قول اللہ تعالیٰ:

حتّٰی إذا فُزّع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربّکم قالوا الحق وهو العلی الکبیر

جب گھبراہٹ اُن کے دِلوں سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردِگار نے کیا حکم دیا ہے؟ اِس پر مُقربین کہتے ہیں کہ جو حکم دینا چاہیئے تھا وُہی دیا ہے۔ اور وُہ عالی شان اور سب سے بڑا ہے

قولہ تعالیٰ حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ

حتیٰ کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دُور ہوگی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔

قولہ : حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ

یعنی اُن کے دِل سے گھبراہٹ جب ختم ہوجاتی ہے۔

فُزِّعَ کا یہ مفہوم حضرت ابنِ عباس، ابنِ عمر رضی اللہ عنہم، ابوعبدالرحمٰن السلمی، الشعبی اور حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

علّامہ ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"یہاں بعض کے نزدیک فرشتے مُراد ہیں کیونکہ جب وہ کلام اللہ سُنتے ہیں تو اُن پر ہیبت اور خوفِ الٰہی طاری ہوجاتا ہے۔"

ابنِ عطیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں

"ظاہرِ کلام اس پر دلالت کناں ہے کہ یہاں عبارت محذوف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو تم اپنے سفارشی سمجھتے ہو حقیقت میں وہ تمہارے سفارشی نہیں ہیں کیونکہ وہ تو خود ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہیں، اُن کی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں جو اپنے مولا و آقا کا مطیع و منقاد ہوتا ہے جیسا کہ ابن جریرؒ نے کہا ہے' یہاں فرشتے مُراد ہیں۔"

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :

"یہاں بلاشبہ فرشتے ہی مُراد ہیں جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کی ہے اور صحیح احادیث اور آثارِ صحابہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔"

ابوحیان رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر "البحر المحیط" میں رقمطراز ہیں کہ :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اِس بارے میں واضح ہیں کہ اِس آیتِ کریمہ میں ملائکہ ہی مُراد ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرتے

قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ○ (سبا:۲۳)

وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے۔

ہیں تو تمام فرشتے ایک آواز سنتے ہیں، جیسے کسی نے پتھر پر لوہے کو دے مارا ہو تو اس آواز کی دہشت، خوف اور ہیبت سے اُن پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

جن مفسّرین نے یہاں فرشتے مُراد لیے ہیں، اُن کے لیے گذشتہ آیت سے اِس کا ربط قائم رکھنا آسان ہو جاتا ہے، اور جنھوں نے فرشتے مُراد نہیں لیے، اُن کے لیے اِس آیت کا سابقہ آیت سے ربط پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

قولہ : قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ

یعنی فرشتے وحی کے اِس مرحلہ میں یہ نہیں سوال کرتے کہ مَا ذَا خَلَقَ رَبُّنَا۔ یعنی ہمارے پروردگار نے کیا پیدا کیا؟ کیونکہ اگر کلامُ اللہ مخلوق ہوتا تو فرشتے " مَا ذَا خَلَقَ رَبُّنَا " کہتے۔

(ماخوذ از شرح سنن ابن ماجہ)

لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآنِ حکیم، اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔

ایک حدیث میں اِسی قسم کے الفاظ آئے ہیں :

مَا ذَا قَالَ رَبُّنَا يَا جِبْرِيلُ اے جبرائیل! ہمارے ربّ نے کیا فرمایا ہے؟

کتاب وسُنّت میں اِس قسم کے بہت سے دلائل ہیں، جن سے کلامُ اللہ کا غیر مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قولہ : قَالُوا الْحَقَّ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا وُہ برحق ہے۔

---

[1] زیرِ بحث آیات میں چار اُمور ایسے ذکر کیے گئے ہیں جن سے شِرک جیسے مُوذی مرض کی جڑیں کٹ جاتی ہیں :

۱ــــ یہ کہ غیر اللہ ذرہ برابر کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتا۔ جس کی یہ حالت ہو وہ دُوسرے کو تکلیف یا نفع نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا مالک ہے : وہی تدبیرِ امر کرتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، اپنی مخلوق میں تصرّف کرتا ہے۔

جب فرشتے کلامُ اللہ سنتے ہیں تو اُن پر بے ہوشی اور غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ پھر خود ہی ایک دُوسرے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ برحق ہے۔

---

۲ ـــ یہ کہ (وما لهم فيهما من شرك) یعنی زمین و آسمان میں کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔

۳ ـــ یہ کہ (وما له منهم من ظهير) یعنی تمام کائنات میں سے کوئی ایک فرد بھی اللہ تعالیٰ کا مُعین اور مددگار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سب کا مددگار ہے۔ وہی اپنے بندوں کی ضروریات کا واحد کفیل ہے اور تمام مخلوق کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی دنیوی ضرورت ہو یا اُخروی سب کو اللہ تعالیٰ ہی پوری کرتا ہے۔

۴ ـــ یہ کہ (ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له) یعنی دربارِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنا سفارشی بناتا ہے تو ایسے شخص کی شفاعت ہرگز نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارشی بنانا شرک ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ	یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔
قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ ؕ	(اے محمدؐ!) ان سے کہو، کیا تم اللہ کو اُس بات کی خبر دیتے ہو جسے وُہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین؟
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (یونس - ۱۸)	پاک ہے وُہ اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اِس آیت کریمہ میں اُن لوگوں کو مُشرک قرار دیا گیا ہے جو کسی کو سفارشی خیال کرتے ہیں اور مشرک کی سفارش ممکن ہی نہیں۔ مُشرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ○	اس وقت سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

قولہ : وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

یہاں مراد بلندی قدر و منزلت، بلندی قہر و اختیار اور بلندی ذات ہے۔ غرض ہر قسم کی کامل ترین بلندیاں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لیے خاص ہیں۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے جب سوال کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل کریں؟ تو فرمایا "اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوقات سے جدا (بائن) عرش پر استواء پذیر مانیں"۔

اس عقیدہ کو قرآن کریم سے ماخوذ اور اللہ کی طرف سے تعلیم کردہ خیال کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ (طٰہٰ - ۵) رحمن عرش پر استواء پذیر ہوا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ (الفرقان - ۵۹) پھر وہ عرش پر استوا پذیر ہوا۔

دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ (الانعام - ۹۴)

اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہوگئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں اُن کا بھی کچھ حصہ ہے۔ تمہارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔

جو شخص کسی کو اپنا سفارشی خیال کرتا ہے وہ اُسے مختلف اوقات میں یاد کرتا ہے، اُس سے امید یا وابستہ رکھتا ہے، اُس سے ڈرتا ہے اور اُس کی محبت میں آ کر اپنے دل میں امیدوں کے چراغ جلائے رکھتا ہے۔

یہ مختلف قسم کی عبادات ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مخصوص ہیں اور جو شخص ان کو کسی بھی غیر اللہ میں سمجھے تو یہ ایسا شرک ہے جو اخلاص اور توحید کے منافی ہے اور ایسا شخص مشرک ہے۔

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِى السَّمَآءِ

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ صادر فرماتا اور حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عرش پر استوا پذیر ہونا قرآن کریم میں سات مقامات پر آتا ہے۔

قولہ : اَلْكَبِيْرُ

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ تو کوئی بڑا ہے اور نہ کوئی اعظم ہے۔ تبارک وتعالیٰ۔

قولہ : فِي الصَّحِيْحِ [1]

یہاں صحیح سے صحیح بخاری مراد ہے۔

قولہ : إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَآءِ

یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی ایسے حکم و فیصلہ کے بارے میں کلام کرتا ہے جس کو جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔

لفظ قضا کا ترجمہ کلام ہم نے ایک حدیث کی روشنی میں کیا ہے جس کو سعید بن منصور، ابوداؤد اور ابن جریر رحمہم اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے

إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ	جب اللہ تعالیٰ وحی کے انداز میں کلام کرتا ہے تو
أَهْلُ السَّمٰوٰتِ صَلْصَلَةً	آسمانوں میں رہنے والے اس طرح واضح طور پر اور
كَجَرِّ السِّلْسِلَةِ عَلَى الصَّفْوَانِ	دہشت زدہ ہو کر سنتے ہیں جیسا کہ پتھر پر کسی زنجیر کے گھسیٹنے کی آواز ہوتی ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

[1] امام بخاری رحمہ اللہ آیت "اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ" کی تفسیر کرتے ہوئے سورۃ الحجر سورۃ سبا دونوں جگہ یہ روایت لائے ہیں۔

ضَرَبَتِ الْمَلَآئِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهُ سَلْسَلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ -

تو مارے ڈر اور خوف کے فرشتے اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بنا پر اپنے پروں کو پھڑپھڑانے لگتے ہیں اور اللہ کے کلام کی آواز ایسی واضح اور زور دار ہوتی ہے جیسے صاف اور نرم پتھر سے لوہے کی زنجیر ٹکرائے۔ یہ آواز ان فرشتوں کے دلوں میں اُتر جاتی ہے۔

قَالَ . لَمَّا اَوحَى الْجَبَّارُ اِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ دَعَا الرَّسُوْلَ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ لِيَبْعَثَهُ بِالْوَحْيِ فَسَمِعَتِ الْمَلَآئِكَةُ صَوتَ الْجَبَّارِ يَتَكَلَّمُ بِالْوَحْيِ فَلَمَّا كُشِفَ عَنْ قُلُوبِهِمْ سَأَلُوْا عَمَّا قَالَ اللّٰهُ ؟	جب جبّار (اللہ) آنحضرت ﷺ کی طرف وحی کرنا چاہتا ہے تو فرشتوں میں سے ایک کو بلاتا ہے تاکہ وہ وحی لے کر آپ کے پاس جائے۔ ربِ جبّار کی اس وحی کی آواز کو سب فرشتے سنتے ہیں۔ جب ان کے دلوں سے دہشت کی کیفیت ختم ہوتی ہے تو ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟
فَقَالُوا الْحَقَّ وَعَلِمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا	سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہے اور سب فرشتے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہی ارشاد فرماتا ہے۔

قولہ : خَضَعَانًا لِقَوْلِهِ

خاء اور ضاد کے فتح کے ساتھ جس کے معنی خضوع کے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ۔

جب ان کو گھبراہٹ اور غشی سے افاقہ ہوتا ہے تو ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں اللہ نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہی ہے اور وہ صاحبِ علوّ ہے۔ چنانچہ اِس کلامِ ربّانی کو شیطان چوری چھپے سُننے کی کوشش کرتے ہیں۔

یا بضمِ خاء اور سکونِ ضاد ہے۔ اِس صورت میں یہ مصدر ہوگا بمعنیٰ خاضعین کے۔

لقولہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام اور اُس کا حکم ہے۔

قولہٗ : يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ

یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام اور حکم ان فرشتوں کے دِلوں میں اُتر جاتا ہے۔

ابن مردویہؒ نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے:

فَلَا يَنْزِلُ عَلٰٓى اَهْلِ سَمَآءٍ اِلَّا صَعِقُوْا

جبرئیلؑ اِس کلام کو لے کر جب بھی کسی آسمان سے گزرتے ہیں تو اس آسمان کے مقیم تمام فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ایک مرفوع حدیث یوں روایت کرتے ہیں

اِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ اَهْلُ السَّمَآءِ الدُّنْيَا صَلْصَلَةً كَجَرِّ السِّلْسِلَةِ عَلَى الصَّفَا فَيُصْعَقُوْنَ فَلَا يَزَالُوْنَ

جب اللہ وحی سے تکلم فرماتا ہے تو آسمانِ دُنیا کے سب فرشتے ایک ایسی واضح اور زوردار آواز سنتے ہیں جیسے کسی نے صاف اور نرم پتھر پر لوہے کی زنجیر دے ماری ہو۔ چنانچہ اس آواز

وَ مُسْتَرِقُ السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ - وَصَفَهُ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَّفَهَا وَ بَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ

اور یہ صف بصف زمین سے آسمان تک اوپر تلے سُننے پر آمادہ رہتے ہیں۔ (راوی حدیث) حضرت سفیان رحمہ اللہ نے شیاطین کے صف بصف اوپر تلے ہونے کی حالت کو اپنا ہاتھ ٹیڑھا کر کے اور اُنگلیوں میں فاصلہ دے کر بتایا کہ اس طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

كَذٰلِكَ حَتّٰى يَاْتِيَهُمْ جِبْرِيْلُ — کی دہشت سے وہ بیہوش ہو جاتے ہیں وہ اسی بیہوشی کی حالت میں رہتے ہیں، حتیٰ کہ جبرائیل آجاتے ہیں۔

قولہ: قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوا الْحَقَّ

یعنی فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ برحق ہے کیونکہ تمام ملائکہ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مبنی برحق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

قولہ: فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ

یعنی وہ فیصلہ اور حکم جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اُسے سُننے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ سُننے والے شیاطین ہوتے ہیں جو صف بصف ایک دُوسرے کے اُوپر تلے کھڑے ہو کر زمین سے آسمان تک پہنچتے ہیں۔

اس کو مزید سمجھنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس پر غور کیجیے تو بات صاف ہو جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَنْزِلُ فِي — فرشتے بادلوں میں نازل ہوتے ہیں اور

فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا
إِلَى مَنْ تَحْتَهُ۔ ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ
إِلَى مَنْ تَحْتَهُ حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلَى لِسَانِ
السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ،

جب سب سے اُوپر والا شیطان کوئی بات سُنتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے۔

اَلْعَنَانِ وَهُوَ السَّحَابُ فَتَذْكُرُ الْاَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَاءِ	جو فیصلہ آسمان میں ہوتا ہے اسکا تذکرہ کرتے ہیں۔
فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ فَتُوحِيهِ اِلَى الْكُهَّانِ	چنانچہ اس آواز کو شیاطین چوری چھپے سُن لیتے ہیں اور کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

قولہ : وَمُسْتَرِقُ السَّمْعِ هٰكَذَا وَصَفَهُ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ

یعنی حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسری پر رکھ کر فرمایا کہ شیاطین اس طرح صف بصف ایک دُوسرے کے اُوپر تلے کھڑے ہو کر آسمان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سُفیان سے سفیان بن عیینہ ابو محمد الہلالی کوفی ثم المکی مراد ہیں۔ حضرت سفیان حافظ الحدیث، ثقہ امامِ حُجت اور اپنے زمانے کے فقیہ تھے۔

یہ جلیل القدر فرزندِ اسلام اکیانوے برس کی عمر پاکر ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

قولہ : وَبَدَّدَ

یعنی اپنی انگلیوں کو اس طرح پھیلا دیا کہ ہر ایک انگلی میں کچھ فاصلہ پیدا ہوگیا۔

قولہ : فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا اِلَى مَنْ تَحْتَهُ

یعنی سب سے اُوپر والا شیطانی طبقہ نیچے والے طبقہ تک حکم و فیصلہ کی نوعیت پہنچاتا ہے اور وُہ اپنے

سے نیچے والے طبقہ تک اور اس طرح یہ سب سے نیچے والا شیطانی طبقہ کاہنوں اور ساحروں تک اس حقیقت کو پہنچا دیتا ہے۔

قولہ : فَرُبَمَا اَدْرَکَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ یُّلْقِیَهَا

شہاب سے مراد وہ ٹوٹا ہوا ستارہ ہے جو شیاطین پر پھینکا جاتا ہے۔ یعنی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ شہاب سننے والے شیطان کو جلا دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ شہابیے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی گرا کرتے تھے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے معمر کے واسطے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

انبأنا الزہری عن علی بن الحسین عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسًا فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ: فَرُمِیَ بِنَجْمٍ عَظِیْمٍ فَاسْتَنَارَ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ اِذَا كَانَ مِثْلُ هٰذَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ؟	رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ صحابہؓ کی ایک جماعت میں عبد الرزاقؒ کی روایت کے مطابق، اپنے انصاری صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک شہابیہ گرا اور اس کی روشنی سے گرد و پیش چمک اٹھا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ جاہلیت کے دور میں اس شہابیے کے متعلق تم کیا عقیدہ رکھتے تھے؟
قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ: لَعَلَّهٗ یُوْلَدُ عَظِیْمٌ اَوْ یَمُوْتُ عَظِیْمٌ قُلْتُ لِلزُّهْرِیِّ اَكَانَ یُرْمٰی بِهَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ؟	صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ آج یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوگا یا مرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے زہریؒ سے پوچھا کہ کیا جاہلیت میں بھی شہابیے گرا کرتے تھے؟
قَالَ: نَعَمْ وَلٰكِنْ غَلُظَتْ حِیْنَ بُعِثَ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ: فَاِنَّهَا لَا یُرْمٰی بِهَا	فرمایا ہاں! لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہ زیادہ گرنے لگے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ تو

فَرُبَمَا أَدْرَكَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُّلْقِيَهَا، وَ رُبَمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُّدْرِكَهُ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُقَالُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا كَذَا وَ كَذَا فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِيْ سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ۔[1]

پس کاہن کو بتانے سے پہلے ہی شہاب اُس کو جلا دیتا ہے اور کبھی بات بتانے کے بعد اُس پر آ کر گرتا ہے۔ پس شیطان ایک بات کے ساتھ سَو جھُوٹ ملاتا ہے۔ اگر کوئی بات ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں روز فلاں کاہن نے یوں ہی نہ کہا تھا چنانچہ صرف ایک سچی بات سے جو آسمان سے سُنی گئی تھی، کی وجہ سے کاہن کو سچا سمجھا جاتا ہے۔

لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيَاتِهٖ	کسی کی مَوت کے وقت نمودار ہوتا ہے اور
وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ	نہ کسی کی ولادت کے وقت۔ اصل بات یہ
اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةَ	ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی اہم فیصلہ کرتا
الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ	ہے تو وہ فرشتے جو عرش کو اُٹھائے ہوئے
السَّمَآءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ	ہیں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر اُن سے

[1] جادُوگر، کاہن اور عرّاف کی بات بعض اوقات جب واقعہ کے مطابق ہو جاتی ہے تو جاہل لوگ اُس کے سَو جھُوٹ کو بھی صحیح مان کر دھوکہ کھا جاتے ہیں حالانکہ یہ سراسر اللہ تعالیٰ پر کذب، بہتان اور افترا ہے اور غیب دانی کا دعویٰ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
اِس کی مزید تشریح "بابُ الکھّان" میں آ رہی ہے۔ اِن شاء اللہ

اَلَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ	نیچے کے آسمان والے اور پھر ان سے نیچے
التَّسْبِیْحُ هٰذِهِ السَّمَآءَ الدُّنْیَا	کے آسمان والے فرشتے تسبیح کہتے ہیں،
ثُمَّ یَسْتَخْبِرُ اَهْلُ السَّمَآءِ	یہاں تک کہ آسمانِ دُنیا یعنی پہلے آسمان
اَلَّذِیْنَ یَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ	تک اِس تسبیح کی آواز پہنچتی ہے۔ اِس
فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ یَلُوْنَ حَمَلَةَ	کے بعد وہ فرشتے جو حاملینِ عرش کے
الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَا	قریب تر ہوتے ہیں ان سے پوچھتے ہیں
ذَا قَالَ رَبُّکُمْ ؟	کہ تمھارے ربِّ ذوالجلال نے کیا فرمایا ہے؟
فَیُخْبِرُوْنَهُمْ وَ یُخْبِرُ اَهْلُ	حاملینِ عرش ان کو بتاتے ہیں۔ یہاں تک
کُلِّ سَمَآءٍ سَمَآءً حَتّٰی	کہ ہر آسمان والے فرشتے اپنے سے اوپر
یَنْتَهِیَ الْخَبَرُ اِلٰی هٰذِهِ السَّمَآءِ	والے آسمان کے فرشتوں سے پوچھتے ہیں
وَتَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ	اور آہستہ آہستہ یہ خبر آسمانِ دنیا (پہلے
فَیَرْمُوْنَ فَمَا جَآءُوْا بِهٖ عَلٰی	آسمان) تک آ پہنچتی ہے اور ان سے
وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَلٰکِنَّهُمْ	جنّات سُن لیتے ہیں، وہ بات جو آسمان
یَقْرِفُوْنَ فِیْهِ وَیَزِیْدُوْنَ	سے جنّات سُنتے ہیں وُہ تو ٹھیک ہوتی ہے
	لیکن یہ جنّات کچھ اپنی طرف سے گھڑتے
	ہیں اور اِس میں کمی بیشی کرتے ہیں۔

قولہ : فیکذب معها مائة کذبة :

اِس سے کاہن اور جادُوگر مراد ہیں۔ لفظ کذبة بفتح الکاف اور سکون الذال ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے اِس بات کا پتا چلا کہ اگر کسی کی باتوں میں ایک آدھ بات سچّی اور صحیح ہو تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی سب باتیں سچّی ہوں گی کیونکہ گمراہ اور بدعتی لوگوں کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک بات صحیح اور اس کے ساتھ کئی جھوٹی، غلط اور بے بنیاد باتیں مِلا کر عوام کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ صحیح بات صِرف اِس لیے کہتے ہیں کہ سادہ لوح عوام ان کی جھوٹی باتوں کے فریب میں پھنس جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ	حق کو باطل کے ساتھ نہ مِلاؤ
وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ	اور تم سچّی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ

وعن النواس بن سمعان رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ اللهُ تَعَالَى أَنْ يُّوحِيَ بِالْأَمْرِ تَكَلَّمَ بِالْوَحْيِ أَخَذَتِ السَّمٰوٰتُ مِنْهُ رَجْفَةً أَوْ قَالَ رَعْدَةً خَوْفًا مِّنَ اللهِ تَعَالَى۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کرنا چاہتا ہے تو اُس حکم سے کلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے ہی تمام آسمانوں پر اللہ کے خوف سے کپکپی اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ - ۴۲) اور تم اس کو جانتے بوجھتے ہو۔

ان احادیث سے اور جو آئندہ ذکر ہوں گی، ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت و جلالت کا جو بھی تقاضا ہے وُہ اِس میں موجود ہے اور وہ اپنی تمام مخلوق سے بالا ہے اور یہ کہ وہ ازل سے جب بھی چاہتا ہے اپنے پاکیزہ کلام کو فرشتوں تک پہنچا دیتا ہے۔

اللہ کے علو اور فرشتوں سے تکلم پر اہلِ سُنت کے تمام گروہوں کا اتفاق رہا ہے، سلف سے لے کر خلف تک اِس میں کبھی اختلاف رونما نہیں ہُوا بجز اشاعرہ، جہمیہ اور معتزلہ کے جو نفی صفات کے قائل ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ تعطیل کی ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں۔

قولہ : وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رضی اللہ عنہ

ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے۔ حضرت نواس بن سمعان بن خالد الکلابی رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ انصاری تھے اور بعض محدثین کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے والد ماجد بھی صحابی رسولؐ تھے۔

قولہ : إِذَا أَرَادَ اللهُ أَنْ يُّوحِيَ بِالْأَمْرِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ وحی کو تکلم کی صُورت میں ڈھالتا ہے۔ یہ حدیث منکرین نطق پر اہلِ سُنّت کی طرف سے دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ:

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ مُتَكَلِّمًا إِذَا شَاءَ	اللہ تعالیٰ ازل سے صفتِ کلام سے متصف رہا ہے۔ اُس نے جب چاہا تکلم فرمایا۔

اس کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔

قولہٗ : اَخَذَتِ السَّمٰوٰتِ رَجْفَةٌ :

السَّمٰوٰتِ مفعول مقدم ہے اور "رَجْفَةٌ" فاعل ہے۔ مطلب یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے سے آسمانوں پر کپکپی اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آسمان اللہ کے کلام کو سُنتے ہیں۔ اِس سلسلے میں ابنِ ابی حاتم نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ منکرین کے عقائدِ باطلہ پر ایک ضرب کی حیثیت رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

إِذَا قَضَى اللّٰهُ أَمْرًا تَكَلَّمَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى رَجَفَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَخَرَّتِ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ سُجَّدًا	جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر ایک زلزلہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور تمام فرشتے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

قولہٗ اَوْ قَالَ : رَعْدَةٌ

راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ رَعْدَةٌ فرمایا تھا یا رَجْفَةٌ۔

قولہٗ خَوْفًا مِّنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں احساس اور معرفت کا ملکہ پیدا کر دیا ہے تبھی تو وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ عظیم مخلوق بھی اس کی تسبیح و تہلیل کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ	ساتوں آسمان اور زمینیں اور اُن کے رہنے

وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

والے سب اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بُردبار (اور) غفار ہے۔ (بنی اسرائیل-۴۴)

دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝

قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ (مریم-۹۰)

ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ

اور بعض ایسے ہیں جو خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ (البقرہ-۷۴)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان آیات کے الفاظ اور ان میں جو معنی پنہاں ہیں، اُن سے استدلال کرتے ہُوئے فرمایا ہے کہ زمین اور آسمان حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں

كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ

ہم کھانا کھاتے وقت کھانے کی تسبیح سُنا کرتے تھے۔

وہ حدیث جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اَخَذَ فِيْ يَدِهٖ حَصَيَاةٍ فَسُمِعَ لَهُنَّ تَسْبِيْحٌ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں چند کنکریاں لیں جن سے تسبیح کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

ان احادیث کے علاوہ صحیح بخاری میں وہ مشہور واقعہ بھی موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، منبر تیار ہونے سے قبل ایک سُوکھے ہوئے کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے

فَإِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ أَهْلُ السَّمٰوٰتِ صُعِقُوا وَ خَرُّوا لِلّٰهِ سُجَّدًا فَيَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَّرْفَعُ رَأْسَهٗ جِبْرِيْلُ فَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ مِنْ وَحْيِهٖ بِمَا أَرَادَ -

ثُمَّ يَمُرُّ جِبْرِيْلُ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ كُلَّمَا مَرَّ بِسَمَآءٍ سَأَلَهٗ مَلٰٓئِكَتُهَا مَاذَا قَالَ رَبُّنَا يَا جِبْرِيْلُ ؟ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ، قَالَ الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ -

---

پھر جب اِسے آسمان والے سُنتے ہیں تو بیہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ پس سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے گفتگو فرماتا ہے۔ جس آسمان سے جبریل علیہ السلام فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے ربّ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ جبریل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہے اور وُہی صاحبِ عُلوّ ہے (یعنی بلند و بالا ہے)

تھے۔ جب منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ تنا زار و قطار رونے لگا جس کی ہچکیاں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سُنیں۔

قولہ : صُعِقُوْا وَ خَرُّوْا سُجَّدًا

الصّعق غشی کی اُس حالت کا نام ہے جس میں سجدہ بھی ہو۔

قولہ : فَيَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَّرْفَعُ رَأْسَهٗ جِبْرِيْلُ

لفظ "اوّل" یکون کی خبر مقدم ہے جس کا مؤخر ہونا بھی مستعمل ہے۔

جبرئیل عبداللہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن جریرؒ وغیرہ نے حضرت علی بن الحسین سے نقل کیا ہے کہ:

جبرئیل کا نام عبداللہ،
میکائیل کا نام عبیداللہ اور
اسرافیل کا نام عبدالرحمٰن ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جو لفظ "ایل" کی طرف منسوب ہو کر استعمال ہو اُس کے معنی اللہ کی عبادت کرنے والے کے ہوتے ہیں

اس روایت سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قدر و منزلت اور ان کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اور قرآن کریم بھی اس پر شاہد ہے

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍۙ	بے شک یہ (قرآن) فرشتۂ عالی مقام
ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ	کی زبان سے پیغام ہے جو صاحبِ
مَكِيۡنٍۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍؕ	قوت، مالکِ عرش کے ہاں اُونچے
(التکویر-۱۹)	درجے والا اور امانت دار ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ:

"یہ قرآن پاک ایک کریم پیغامبر کا لایا ہوا ہے۔" (یعنی جبرئیلؑ کا)

مذکورہ آیت کے ذیل میں ابوصالح نے طویل حدیث کا ایک جملہ نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جِبۡرِيۡلُ يَدۡخُلُ فِىۡ سَبۡعِيۡنَ	جبرئیلؑ بلا اجازت نُور کے ستر پردوں
حِجَابًا مِّنۡ نُوۡرٍ بِغَيۡرِ اِذۡنٍ۔	میں داخل ہو سکتا ہے۔

مسند امام احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح روایت یوں منقول ہے:

رَاٰى رَسُوۡلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم	رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کو
جِبۡرِيۡلَ فِىۡ صُوۡرَتِهٖ لَهٗ	اُس کی اپنی صورت میں دیکھا کہ اُس کے
سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ كُلُّ جَنَاحٍ	پَر چھ سو تھے اور ہر ایک پَر آسمان کے
مِنۡهَا قَدۡ سَدَّ الۡاُفُقَ يَسۡقُطُ	کناروں تک پھیلا ہوا تھا (خوف اور

مِنْ جَنَاحِهِ مِنَ التَّهَاوِيْلِ وَالدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ مَا اللّٰهُ بِهٖ عَلِيْمٌ

ڈر کی وجہ سے) اُس کے پَروں سے موتی اور یاقوت گر رہے تھے جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اِس حدیث پر غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اِتنی بڑی ہوسکتی ہے تو اُس خالقِ کائنات کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

سب سے اہم مسئلہ جس پر غور و فکر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس خالقِ کائنات کے علاوہ کون ہے جس کی عبادت کی جائے، جس سے دُعاء کی جائے، جس سے ڈرا اور خوف کھایا جائے اور کون ہے جس پر بھروسہ کیا جائے اور اُس سے اُمّیدیں وابستہ کی جائیں اور ان عبادات کے علاوہ دوسری عبادات میں اللہ کے سوا کون مستحق ہے؟

فرشتوں کی حالت اور ان کے خوف و دہشت پر ایک نظر ڈالیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کس قدر لرزہ براندام ہیں، ان کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝

بلکہ وہ اُس کے صاحبِ عزت بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اسی کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ جو کچھ ان سے پہلے ہوچکا اور جو کچھ اب ہے گا وہ سب سے آگاہ اور واقف ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء-۲۶،۲۷،۲۸،۲۹)

اور جو بھی ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے بعد مَیں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

فَيَقُولُونَ كُلُّهُمْ مِثْلَ مَا قَالَ جِبْرِيلُ۔ فَيَنْتَهِي جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ إِلَىٰ حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ تعالیٰ

پس تمام فرشتے وہی الفاظ کہتے ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کہتے ہیں پھر جبریل علیہ السلام اس وحی الٰہی کو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے پہنچا دیتے ہیں

قولہ : فَيَنْتَهِي جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ إِلَىٰ حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ

اِس باب میں جن آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویّہ کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اُس توحید کی وضاحت اور توضیح کرتی ہیں جس کا بیان کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ میں ہے کیونکہ وہ ملکِ عظیم جس کے کلام کو سن کر فرشتے خوف و دہشت سے غش کھا کر گر پڑتے ہیں اور تمام مخلوقات اِس سے گھبراتی اور کانپتی ہیں اور وہ ذاتِ اقدس ہے جو اپنی ذات اپنی صفات، اپنے علم، اپنی قدرت، اپنی بادشاہت، اپنی عظمت و شرف اور بے نیازی میں تمام مخلوقات سے کامل و اکمل ہے اور ساری کائنات اِس کی محتاج ہے اور اس کے فیصلے، اس کا تصرف اور اس کی تقدیر مخلوقات میں نافذ اور جاری و ساری ہیں کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے پس ایسی باکمال ذاتِ کبریا کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہرانا شرعاً یا عقلاً کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔

جو خود پرورش یافتہ ہو اُسے پرورش کنندہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور جو خود عابد ہو، اُسے معبود کیونکر مانا جا سکتا ہے؟

ان کی عقلیں کہاں چلی گئی ہیں اور ان کی قوتِ فہم کیوں سلب ہو گئی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ موٹی موٹی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں؟ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ تو صاف اور کھلے الفاظ میں فرماتا ہے

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ — تمام شخص جو زمین و آسمان میں ہیں سب خدا کے روبرو غلامانہ حیثیت سے آئیں

عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ (مریم۔ ۹۳، ۹۴، ۹۵)

گے۔ اُس نے ان کو گھیر رکھا اور شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔

پس بلا استثنا جب تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی غلام اور عبید ہے تو بغیر کسی دلیل و حجت کے ایک دُوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنی رائے کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور اختراعات اور من گھڑت امُور میں مبتلا ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اول سے آخر تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو صرف اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو شرک سے بچنے کی تلقین کریں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی عبادت سے منع کریں، اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی اطاعت میں ایسا ہی کیا۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ

(ماخوذ از شرح سنن ابن ماجہ)

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولی تَفْسِيْرُ الْأٰيَةِ ۔

① آیتِ کریمہ "حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ" کی تفسیر

الثانیۃ مَا فِيْهَا مِنَ الْحُجَّةِ عَلٰى إِبْطَالِ الشِّرْكِ خُصُوْصًا مَا تَعَلَّقَ عَلَى الصَّالِحِيْنَ وَ هِيَ الْأٰيَةُ الَّتِيْ قِيْلَ إِنَّهَا تَقْطَعُ عُرُوْقَ شَجَرَةِ الشِّرْكِ مِنَ الْقَلْبِ ۔

② آیت "حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ" ابطالِ شرک پر دلیل ہے، خصوصاً اُس شرک پر جس کا تعلق صُلحائے اُمّت سے ہے، جو انسان کے دِل سے شرکیہ عقائد کی جڑیں کاٹتی ہے۔

الثالثۃ تَفْسِيْرُ قَوْلِهٖ "قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ" ۔

③ آیت "قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ" کی تفسیر وتوضیح۔

الرابعۃ سَبَبُ سُؤَالِهِمْ عَنْ ذٰلِكَ ۔

④ فرشتوں کے سوال کرنے کا سبب اور وجہ۔

الخامسة: أَنَّ جِبْرِيْلَ يُجِيْبُهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ "قَالَ كَذَا وَ كَذَا"۔

⑤ فرشتوں کے سوال کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام ان کو جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ ارشادات فرمائے ہیں۔

السادسة: ذِكْرُ أَنَّ أَوَّلَ مَنْ يَّرْفَعُ رَأْسَهٗ جِبْرِيْلُ۔

⑥ اِس بات کی وضاحت کہ غشی کے بعد سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں۔

السابعة: أَنَّهٗ يَقُوْلُ لِأَهْلِ السَّمٰوٰتِ كُلِّهِمْ لِأَنَّهُمْ يَسْئَلُوْنَهٗ۔

⑦ چونکہ ہر آسمان کے فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں لہٰذا وہ سب کو جواب دیتے ہیں۔

الثامنة: أَنَّ الْغَشْيَ يَعُمُّ أَهْلَ السَّمٰوٰتِ كُلَّهُمْ۔

⑧ تمام آسمانوں کے فرشتوں پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔

التاسعة: إِرْتِجَافُ السَّمٰوٰتِ بِكَلَامِ اللّٰهِ

⑨ اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمانوں کا لرزنا۔

العاشرة

أَنَّ جِبْرِيلَ هُوَ الَّذِي يَنْتَهِي بِالْوَحْيِ إِلَىٰ حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ ۔

⑩ وحی الٰہی کو صرف جبریل علیہ السلام، جہاں اللہ تعالیٰ اس کو حکم دیتا ہے، منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔

الحادیۃ عشرۃ

ذِكْرُ إِسْتِرَاقِ الشَّيَاطِينِ ۔

⑪ شیاطین کے چوری چھپے کلامِ الٰہی کو سننے کا ذکر۔

الثانیۃ عشرۃ

صِفَةُ رُكُوبِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا ۔

⑫ شیاطین کے صف بصف ایک دوسرے کے اوپر تلے کھڑے ہونے کی صورت اور کیفیت۔

الثالثۃ عشرۃ

إِرْسَالُ الشِّهَابِ ۔

⑬ شیاطین پر شہاب کا گرنا۔

الرابعۃ عشرۃ

أَنَّهُ تَارَةً يُدْرِكُهُ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا وَ تَارَةً يُلْقِيهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ مِنَ الْإِنْسِ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ ۔

⑭ بعض اوقات شیاطین کے سننے سے پہلے ہی شہاب اُن کو خاکستر بنا دیتا ہے اور بعض اوقات وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنے گلے بندھوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں۔

الخامسة عشرة: كَوْنُ الْكَاهِنِ يَصْدُقُ بَعْضَ الْأَحْيَانِ۔

⑮ بعض اوقات کاہن بھی ٹھیک ٹھیک بات بتا دیتا ہے۔

السادسة عشرة: كَوْنُهُ يَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ۔

⑯ کاہن اگر ایک بات صحیح بتاتا ہے تو اُس کے ساتھ سَو جھوٹ بھی ملا دیتا ہے۔

السابعة عشرة: أَنَّهُ لَمْ يُصَدَّقْ كَذِبُهُ إِلَّا بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ۔

⑰ کاہن کے جُھوٹ کو لوگ صرف اِس لیے صحیح تسلیم کر لیتے ہیں کہ اُس نے ایک سچی بات بھی تو کہی تھی اور وہ بھی آسمان سے سُنی گئی تھی۔

الثامنة عشرة: قَبُولُ النُّفُوسِ لِلْبَاطِلِ كَيْفَ يَتَعَلَّقُونَ بِوَاحِدَةٍ وَ لَا يَعْتَبِرُونَ بِمِائَةٍ۔

⑱ نفُوسِ اِنسانی باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ غور کیجیے کہ اِنسان کاہن کی صرف ایک سچّی بات کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے اُسے سچّا تسلیم کر لیتا ہے لیکن اس کے سَو جُھوٹ کی کیوں کوئی پرواہ نہیں کرتا؟

التاسعة عشرة: كَوْنُهُمْ يَتَلَقَّى بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ تِلْكَ الْكَلِمَةَ وَ يَحْفَظُونَهَا وَ يَسْتَدِلُّونَ بِهَا۔

(۱۹) شیاطین ایک دُوسرے سے سُن کر اُسے یاد کر لیتے ہیں اور اس سے بعض دُوسرے جھوٹوں کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

العشرون إِثْبَاتُ الصِّفَاتِ خِلَافًا لِلْأَشْعَرِيَّةِ الْمُعَطِّلَةِ

(۲۰) اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات، اشاعرہ معطلہ اس کو نہیں مانتے ہیں۔

الحادیۃ والعشرون أَنَّ تِلْكَ الرَّجْفَةَ وَ الْغَشْيَ خَوْفًا مِّنَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ.

(۲۱) یہ دہشت اور غشی اللہ تعالیٰ کے خوف سے طاری ہوتی ہے۔

الثانیۃ والعشرون أَنَّهُمْ يَخِرُّوْنَ لِلّٰهِ سُجَّدًا.

(۲۲) تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

بَابُ

الشفاعة

اِس باب میں

بیان کیا گیا ہے کہ سفارش کی دو قِسمیں ہیں۔
ایک سفارش وہ ہے جو قرآنِ کریم سے
ثابت ہے اور دُوسری سفارِش وہ ہے
جِس کے قائِل مُشرِک ہیں

قولهٗ وَ أَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ أَنْ يُّحْشَرُوْٓا إِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ (الانعام : ۵۱)

اور اے محمدؐ! تم اِس (علم وحی) کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اِس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اِس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اُس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی اور مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے شاید کہ (اِس نصیحت سے متنبّہ ہوکر) وہ خُدا ترسی کی روش اِختیار کرلیں۔

قولهٗ : وانذر به الّذین :

خوف وخشیت کے اسباب کی نشاندہی اور

قولهٗ : به :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بہ کے لفظ سے قرآنِ کریم اور الّذین یخافون ان یحشروا الیٰ ربهم سے مومنین مراد لیے ہیں۔

فضیل بن عیاضؒ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی ساری مخلوق کو معتوب نہیں ٹھہرایا بلکہ صرف ذوی العقول سے خطاب کیا ہے اور اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ سے وہ مومن مراد ہیں جن کے پہلو میں ایسے دِل پائے جاتے ہیں جو احکامِ الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیّت رکھتے ہیں

قولهٗ : لیس لهم من دونه ولیٌ و لا شفیع :

علّامہ الزجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ یہاں لفظ 'لیس' 'یخافون' کا حال ہے معنیٰ یہ ہیں کہ تیرے انذار کے مخاطبین کو یہ سمجھ لینا چاہیے۔ کہ وہ اس حالت میں اپنے ربّ کے حضور پیش کیے جائیں گے کہ ان کا کوئی دوست اور سفارشی نہیں ہوگا۔

قولہ تعالیٰ : قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ

کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔

قولہٗ : لعلهم يتقون :
مطلب یہ کہ ان کو ڈراؤ تاکہ یہ اس دنیا میں ایسی زندگی بسر کرنا شروع کر دیں جو ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔

قولہٗ : قل ، لله الشفاعة جميعا
اس آیت کے ساتھ اس سے پہلے والی آیت کو ملا کر پڑھا جائے تو مسئلہ بالکل صاف ہو جائیگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (الزمر - ۴۳)	کیا اس خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو، کیا وہ شفاعت کریں گے، خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو۔ اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟

اس آیت کریمہ کا مفہوم بالکل وہی ہے جو درج ذیل آیت کا مفہوم ہے۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○	یہ لوگ اللہ کے سوا اُن لوگوں کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمد! ﷺ ان سے کہو۔ "کیا تم اللہ کو اُس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمینوں میں؟" پاک ہے وہ اور بالا و

(یونس - ۱۸) برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے زعم میں جو شفاعت کا تصور تھا، اس کی تردید فرمائی ہے، اور ان کے اس خیال کو شرک سے تعبیر کیا ہے کہ انبیأ و صلحا شفاعت کرنے والے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ ۚ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ (الاحقاف: ۲۸)

پھر کیوں نہ اُن ہستیوں نے ان کی مدد کی جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہوئے معبود بنا لیا تھا؟ بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے اور یہ تھا ان کے جھوٹ اور ان بناوٹی عقیدوں کا انجام جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے۔

ان کے اس عقیدے کو کہ جن انبیأ و صلحا کی ہم عبادت کرتے ہیں، وہ ہماری شفاعت کرینگے اللہ تعالیٰ نے کذب و افترائ سے تعبیر کیا ہے۔

زیر بحث آیت "قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کا خود مالک ہے اور جن سے مشرکین شفاعت کے طلب گار ہیں ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اُسی ذات گرامی سے مانگے جس کے قبضہ و اختیار میں ہر شئے ہے۔ اِدھر اُدھر نہ بھاگا پھرے۔ کیونکہ مانگنا اور دست طلب دراز کرنا عبادت ہے جو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی بھی حق دار نہیں،

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں

"مشرکین جن لوگوں کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے ہیں ان کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے چونکہ یہ مقرب اور برگزیدہ ہیں اس لیے یہ ہماری شفاعت کریں گے قرآن مجید نے یہ کہہ کر کہ سفارش کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے اس عقیدہ کی تردید کی ہے"

قولہ تعالیٰ : مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط

کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

زیرِ بحث آیت کریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — زمین و آسمان کی بادشاہت صرف اللہ کریم کے لیے خاص ہے۔

اس آیت میں غیر اللہ کو شفاعت کا ذمہ دار ٹھہرانے کی مزید تردید کی گئی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور شفاعت بھی اسی کی ملکیت اور اختیار میں ہے ۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہی مالکِ حقیقی ہے تو غیر اللہ سے شفاعت طلب کرنا باطل اور لغو قرار پایا قرآنِ کریم میں ہے

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط (البقرۃ - ۲۵۵) — کون ہے جو اُس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے ۔

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ۔

وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (الانبیاء - ۲۸) — وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو ۔

مفسرِ قرآن علامہ ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

" مشرکین نے یہ کہا کہ ہم کسی وثن اور صنم کی قطعاً پوجا نہیں کرتے ہم تو ان اولیائے کرام کے نام کی نذر و نیاز صرف اس لیے دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ ہم گنہگاروں کے لیے قربِ الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ بن جائیں ۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں ۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ — زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے ۔

قولہ تعالیٰ: وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى۔

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں، ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اس کی اجازت نہ دے جس کے لیے وہ کوئی عرضداشت سُننا چاہے اور اُس کو پسند کرے۔

یعنی سفارش بھی اسی کی ہوگی، جس کے قبضہ و قدرت کے دائرے آسمان و زمین تک وسعت پذیر ہیں۔"

قولہ: من ذا الذی یشفع:

سابقہ آیات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قرآن کریم نے غیر اللہ سے طلب کردہ شفاعت کو باطل قرار دیا ہے۔ شفاعت کا حق دار اس کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اس آیت کریمہ میں اُس شفاعت کا ذکر ہے جو میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم سے کی جائے گی۔ اس سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ — اس روز سفارش کچھ فائدہ مند نہ ہوگی۔
إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ — مگر اس شخص کی جس کو اللہ تعالیٰ اجازت
وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ○ (طٰہٰ - ۱۰۹) — دیدے، اور اس کی بات کو پسند فرمالے۔

اس سے پتا چلا کہ جب کسی شخص میں دو شرطیں پائی جائیں گی تو وہ سفارش کر سکے گا۔

۱ — جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دیدے کہ تم سفارش کر سکتے ہو۔

۲ — جس کے لیے شفاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ صرف اس شخص کی سفارش سے راضی ہوگا جس نے اپنے ظاہری اور باطنی اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی زندگی بھر مخلصانہ عبادت کی اور اپنے رب سے اس حالت میں ملا کہ دِل شکوک و شبہات سے پاک تھا۔

قولہ تعالیٰ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ

(اے نبیؐ! ان مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو ان اپنے معبودوں کو جنھیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔

آئندہ صفحات میں شیخ الاسلام کے کلام میں بھی ہم ان کا ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

قولہ: وکم من ملك فی السمٰوٰت،

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں

"اس آیت کریمہ اور سابقہ آیات یعنی مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ" اور "وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ" کا مطلب ایک ہی ہے ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مقرب اور برگزیدہ فرشتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ بھی بارگاہِ قدس میں دم نہیں مار سکتے تو یہ جاہل اور احمق لوگ غیر اللہ اور معبودانِ باطل سے کس طرح توقع اور اُمید لگائے بیٹھے ہیں؟ جن کی عبادت کا اللہ تعالیٰ نے نہ شریعت میں کوئی حکم فرمایا اور نہ اجازت دی۔ بلکہ اس کے برعکس تمام انبیائے کرامؑ کے ذریعہ سے اس کی تردید اور ممانعت فرمائی اور اپنی نازل کردہ کتب میں اس کی نفی کی۔"

قولہ: قل ادعوا الذین زعمتم:

امام ابن قیم رحمہ اللہ ان آیات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے ان تمام اسباب اور ذرائع کو کالعدم قرار دے دیا ہے جن کو کسی نہ کسی صورت میں مشرکین عقیدۂ سفارش کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ مشرک غیر اللہ کو صرف اس لیے معبود بناتا ہے کہ اُسے اس سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل ہو۔ لیکن جب تک کسی شخص میں مندرجہ ذیل چار صفات نہ پائی جائیں اس وقت تک اُس سے نفع کی توقع عبث ہے۔

۱ـــــ اسے نفع اور فائدہ پہنچانے پر قدرت یا ملکیت اور اختیار حاصل ہو۔

۲ـــــ ملکیت حاصل نہ ہو تو شریک ملکیت ہو

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْأَرْضِ

وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔

۳۔۔۔ شرکت بھی میسر نہ ہو تو مالک کا معین و مددگار ہو۔

۴۔۔۔ اگر مددگار بھی نہیں تو کم از کم مالک کے ہاں اس کی یہ حیثیت تو مسلم ہو کہ اس کی سفارش اس کے ہاں مانی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان چاروں مراتب کی کلیۃً نفی اور تردید فرما دی ہے اور صرف اس شفاعت کو برقرار رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وقوع پذیر ہوگی اور اس میں مشرک کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

پس ایک عقل مند اور صاحبِ بصیرت شخص کے لیے اس آیت میں ہدایت اور دلائل کی دولت موجود ہے اور توحید الٰہی کو سمجھنے کے لیے شمع نور ہویدا ہے۔ شرک و بدعت کی جڑیں کاٹنے کے لیے یہ آیات تلوار بے نیام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم اس قسم کی آیات سے بھرا پڑا ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ لوگوں میں شعور کا مادہ ختم ہو چکا ہے اور شرک و بدعت میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ اُن کا واپس آنا مشکل نظر آتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مشرکین یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نے جو سوچ اور فکر ان کو دیا ہے وہ اس کے واحد وارث ہیں جس کی حفاظت ان کا فرض ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کا قلب فہم قرآن کے درمیان حائل ہے۔

بخدا! ان مشرکین کے آباؤ و اجداد، اپنے ہی جیسوں کو یا اپنے سے زیادہ شریروں کو وارث بنا گئے ہیں چنانچہ قرآن پاک اِن کو اور اُن کو برابر رکھتا ہے۔

وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ۝

وہ آسمان وزمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں، ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

- مُردوں سے اپنی حاجات طلب کرنا اور
- اُن سے استغاثہ اور فریاد کرنا۔

دنیا میں سب سے بڑا شرک ہے۔ اس لیے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع اور ختم ہو چکا ہے۔ اور جب وہ خود اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں رہا تو وہ دوسرے کی فریاد سن کر کیا جواب دے گا؟ اب تو دوسروں کی شفاعت اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہی۔

شفاعت طلب کرنے والا اور جس کو شفاعت کنندہ سمجھ لیا گیا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں اس کی اجازت کے بغیر کسی شخص کا شفاعت کرنا تو درکنار اونچی آواز سے بول بھی نہیں سکتا —— اور سب سے غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ سے استغاثہ، فریاد رسی اور سوال کرنے کو اپنی رضا کا سبب اور ذریعہ بھی نہیں قرار دیا بلکہ اس کو عدمِ اجازت اور شرک سے تعبیر فرمایا ہے اور اپنے غضب اور قہر کا باعث ٹھہرایا ہے۔

اب ہر مشرک کی یہ کیفیت ہو چکی ہے کہ اس نے غیر اللہ سے فریاد کر کے حقیقت میں اپنی حاجت اور طلب کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو حائل کر لیا ہے۔

معبود حقیقی کے ساتھ شرک، اُس کے دین خالص میں تغیّر و تبدّل،

اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہوسکتی بجُز اُس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو۔

اہلِ توحید سے عداوت اور دشمنی یہ سب عیب مشرکین نے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ ان کا شرک کرنا، خالقِ کائنات میں عیب اور نقص نکالنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور موحّدین کی مذمّت اور ان سے عداوت ہے۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اہلِ توحید مُردوں کی تنقیص کرتے ہیں۔ حالانکہ خود ان کا عمل یہ ہے کہ شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ ان کے بارہ میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بزرگ ان کے اس شرک پر خوش ہیں اور یہ کہ خود انہوں نے ان کو شرک کی تلقین کی ہے۔ اور یہ ان کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ شرک کرنے والے انبیاء و رسل کے ہر دور اور ہر جگہ دشمن تصوّر کیے گئے ہیں۔

خصوصاً جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا گیا ان میں تو بہت زیادہ نقص نکالنے کی اس وجہ سے کوشش کی گئی کہ وہ ہماری ان عبادتوں پر راضی ہیں اور یہ کہ ان کو اس قسم کی عبادات کا انہوں نے خود حکم دیا تھا اور اس عبادت سے وہ خوش ہوتے ہیں۔

اِس طرح کا کردار ادا کرنے والے مشرکین ہمیشہ کثیر تعداد میں اس دنیا میں رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ انبیاء کرامؑ کی مخالفت کی ہے۔ اِس شرکِ اکبر سے وہی بچ سکتا ہے۔ جو توحید کو صرف اللہ کے لیے خاص کرے، اللہ تعالیٰ

قال ابو العباس رحمہ اللہ نَفَى اللّٰهُ عَمَّا سِوَاهُ كُلَّ مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْمُشْرِكُونَ فَنَفَى أَنْ يَكُونَ لِغَيْرِهِ مِلْكٌ أَوْ قِسْطٌ مِّنْهُ أَوْ يَكُونَ عَوْنًا لِلّٰهِ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے اِن باتوں کی نفی کر دی جن سے مشرکین سند پکڑتے ہیں اور خصوصاً اِس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی کو آسمان و زمین میں کسی قسم کی قدرت ہو یا قدرت کا کچھ حصّہ یا وہ اللہ کی کچھ مدد کرتے ہوں۔

کی رضا کے لیے مشرکین سے دشمنی مول لے، ان کے ظلم و ستم برداشت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست، اللہ اور معبود سمجھے تمام دنیا کی محبت کو دل سے نکال کر صرف اللہ سے پیمانِ محبت باندھے۔ ساری کائنات کا ڈر قلب سے محو کر کے فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرے اللہ ہی سے اپنی اُمیدیں وابستہ رکھے اور اپنی عجز و انکساری صرف اسی کے سامنے پیش کرے۔ توکّل اور بھروسہ ہو تو اللہ پر، کسی وقت امداد کا طالب ہو تو اللہ سے، گڑگڑائے تو اسی کے سامنے، استغاثہ دائر کرے تو اسی کی بارگاہِ قدس میں، مقصود و منتہیٰ اسی کو قرار دے۔ غرض اپنے تمام امور اس کی مرضی اور حکم کے مطابق انجام دینے کی طرح ڈالے، اور اسی کی رضا کا طالب رہے جب سوال کرے تو اسی ایک اللہ سے،

اعانت کا خواہاں ہو تو اسی ایک اللہ سے،

کوئی بھی عمل کرے تو اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے۔

خود بھی اور اپنے تمام امور اور معاملات میں بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو کر رہ جائے"

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ان آیات پر جو سیر حاصل بحث کی ہے حقیقت میں انہوں نے

وَلَمْ يُبْقَ إِلَّا الشَّفَاعَةُ فَبَيَّنَ أَنَّهَا لَا تَنْفَعُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّبُّ كَمَا قَالَ وَ لَايَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیآء : ۲۸)

فَهٰذِهِ الشَّفَاعَةُ الَّتِيْ يَظُنُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ هِيَ مُنْتَفِيَةٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَمَا نَفَاهَا الْقُرْاٰنُ

باقی رہی سفارش، تو یہ بھی اُسے نفع دے گی جس کے بارے میں ربِّ کریم اجازت عطا فرمائے، جیسا کہ فرمایا "وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سُننے پر اللہ راضی ہو۔"

البتہ قیامت کے دِن وُہ شفاعت جس کے مشرکین قائل ہیں اُن کے حق میں نہ ہو سکے گی کیونکہ قرآنِ کریم نے اِس کی صراحت کے ساتھ اور غیر مبہم الفاظ میں تردید کی ہے ــــ

دین اسلام کا بہترین نقشہ کھینچ کر سامنے رکھ دیا ہے اور اسی مفہوم کو قرآنِ کریم نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا	اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی
مِّمَّنْ اَسْلَمَ	ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے
وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ	سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویّہ نیک رکھا
مُحْسِنٌ وَّ	اور یک سُو ہو کر ابراہیم علیہ السلام
اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط	کے طریقے کی پیروی کی اس ابراہیم

وَ أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ : أَنَّهُ يَأْتِي فَيَسْجُدُ لِرَبِّهِ وَ يَحْمَدُهُ ۔ لَا يَبْدَأُ بِالشَّفَاعَةِ أَوَّلًا ثُمَّ يُقَالُ لَهُ : إِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ يُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ۔

وقال ابو هريرة رضی اللہ عنہ : "مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ؟"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دِن اپنے ربّ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے اور فوراً شفاعت نہیں کرینگے بلکہ آپؐ سب سے پہلے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونگے، اُس کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔ پھر آپؐ کو حکم ہوگا کہ اپنا سرِ مبارک اٹھاؤ۔ آپؐ کی بات کو سُنا جائے گا اور جو سوال کروگے وہ دیا جائے گا اور سفارش کیجئے، آپؐ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون خوش نصیب اور سعید شخص ہے جو آپؐ کی شفاعت کا مستحق ہوگا؟"

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۝ (النساء ۱۲۵) ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا تھا۔

قولہ : قال ابو العباس :

ابو العباس شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ کی کنیت ہے جو بالاتفاق اہلِ سنّت کے نزدیک امام اور پیشوا تسلیم کیے جاتے ہیں۔

قولہ : قال ابو ھریرہ :

اس روایت کو امام بخاری اور امام نسائی نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت

قَالَ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ۔" فَتِلْكَ الشَّفَاعَةُ لِأَهْلِ الْإِخْلَاصِ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَ لَا تَكُوْنُ لِمَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے دِل کی گہرائیوں سے کلمہ لآ الٰہ الاّ اللہ کا اقرار کرے"۔ پس ثابت ہوا کہ یہ شفاعت اُن کو حاصل ہو گی جو اپنے اعمال و افعال میں مخلص ہوں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے لیکن مُشرکین کی شفاعت ہرگز نہ ہو سکے گی۔

کیا ہے۔امام احمدؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ابن حبّان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَشَفَاعَتِيْ لِمَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا يُصَدِّقُ قَلْبُهٗ لِسَانَهٗ وَلِسَانُهٗ قَلْبَهٗ	وہ شخص میری شفاعت کا حق دار ہوگا جس نے اخلاص قلب سے لاالٰہ الااللہ کا اقرار کر لیا اور جس کے دِل نے اس کی زبان کی اور زبان نے اس کے دِل کی تصدیق کی۔

اس حدیث کے ہم معنیٰ ایک حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهٗ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِّأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مَنْ	ہر نبی سے مخصوص دعاء قبول کرنے کا وعدہ کیا گیا چنانچہ ہر نبی نے اسی دنیا میں وہ دعاء مانگ لی۔ البتہ میں نے اس دعاء کو چھپا کر رکھا ہے تاکہ قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کر سکوں۔

مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا پس اس دعاء کا ہر اس شخص کو فائدہ پہنچے گا جو شرک سے بچ بچا کر زندگی گذار گیا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے یہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام نقل فرمایا ہے جو اس پورے باب کی تشریح اور تفسیر کے لیے کافی و وافی ہے، جس میں تحقیق بھی ہے اور ایجاز و اختصار بھی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اخلاص کی جو بہترین تعریف کی ہے، وہ یہ ہے

اَلْاِخْلَاصُ مَحَبَّةُ اللّٰهِ وَحْدَهٗ وَاِرَادَةُ وَجْهِهٖ ایک اللہ کریم کی خالص محبت اور ہر کام میں اس کی رضا جوئی کا نام اخلاص ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں

اس حدیث پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف توحید خالص کو شفاعت کے حصول کا سبب قرار دیا ہے، اور مشرکین کے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ وہ غیر اللہ سے محبت اور ان کی عبادت کی بنا پر اور ان کو سفارشی سمجھ کر شفاعت کے مستحق قرار پائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس زعم باطل کے برعکس فرمایا کہ شفاعت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے توحید میں تجرید و اخلاص کا پایا جانا۔ جب اخلاص پیدا ہو جائے گا تو پھر اس کے لیے شفاعت کی اجازت مل جائے گی۔

مشرکین کی جہالت یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن کو انہوں نے اپنا ولی، دوست، اور سفارشی سمجھ رکھا ہے وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور اس کی بارگاہ میں ان کے لیے نفع رساں ثابت ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ بادشاہوں کے مقربین اپنے ساتھیوں کو فائدہ پہنچا دیتے ہیں مشرکین اس بات کو بالکل بھول گئے ہیں کہ اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی

وَحَقِيقَتُهُ أَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ هُوَ الَّذِي يَتَفَضَّلُ عَلَى أَهْلِ الْإِخْلَاصِ فَيَغْفِرُ لَهُمْ بِوَاسِطَةِ دُعَاءِ مَنْ أَذِنَ لَهُ أَنْ يَّشْفَعَ لِيُكْرِمَهُ وَ يَنَالَ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ -

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ اُن کی دُعا کی وجہ سے اہلِ اخلاص پر اپنا خاص فضل وکرم کرتے ہوئے معاف فرما دے گا تاکہ اُن کی عزّت وتکریم ہو اور وہ قابلِ تعریف مقام حاصل کرلیں۔

سفارش کرنے کی جرأت نہ کرسکے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی شخص کی سفارش ممکن ہے جس کے اعمال وافعال اور کردار پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

امام ابن قیمؒ نے پہلی فصل میں قرآنِ کریم کی یہ آیت پیش کی ہے

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ (البقرۃ - ۲۵۵) کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے؟

اور دوسری فصل میں۔ یہ آیت ذکر کی ہے کہ

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو۔

رہی تیسری فصل تو اس میں فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کسی کے قول وعمل پر اس وقت تک قطعًا اظہارِ رضامندی نہیں کرتا جب تک کہ وہ توحید خالص کا حامل اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہ ہو۔

پس قرآنِ کریم نے جس شفاعت کی تردید کی ہے وُہ ایسی شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر شفاعت کو اپنی اجازت سے ثابت اور مقید کر دیا ہے۔

یہ تینوں فصلیں اُس شخص کے دِل سے شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے کافی ہیں، جس میں عقل وخرد کا مادہ موجود ہے اور وہ غور وفکر کے لیے بھی تیار ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ شفاعت کی چھ قسمیں ہیں۔

۱۔۔۔ پہلی: شفاعت کبریٰ ہے، جس سے اولوالعزم انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام بھی گھبرا جائیں گے۔حتیٰ کہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک آپہنچے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے

"انا لھا" کہ یہ میرا ہی کام ہے۔یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب کائنات یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے لیے عرض کرے گی کہ اس مقام کے عذاب سے لوگوں کو نجات ملنی چاہیے۔اس شفاعت کے وہی لوگ مستحق ہوں گے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا

۲۔۔۔ دوسری شفاعت دخولِ جنت کی ہوگی۔اس کا مفصل بیان حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے جو صحیحین میں مروی ہے

۳۔۔۔ تیسری شفاعت ان لوگوں کی ہوگی جو اُمّت محمدیہ میں سے ہوتے

وَقَدْ بَيَّنَ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهَا لَا تَكُوْنُ إِلَّا لِأَهْلِ التَّوْحِيْدِ وَالْإِخْلَاصِ ۔ انتهی کلامه

اور نبی رحمت ﷺ نے صاف اور واضح طور پر فرمایا کہ یہ شفاعت صرف موحّدین اور سچّی توحید والوں کے لیے ہوگی۔

ہوئے اپنے گناہوں کی پاداش میں دخولِ جہنّم کے مستوجب قرار پا جائیں گے لیکن آنحضرت ﷺ جہنّم میں داخل ہونے سے پہلے ان کی شفاعت کریں گے تاکہ یہ لوگ دوزخ میں نہ جا سکیں۔

۴ــــ چوتھی شفاعت ان اہلِ توحید کے لیے ہوگی جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنّم میں سزا بھگت رہے ہوں گے۔

احادیثِ متواترہ، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ سُنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ اہلِ توحید اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا بھگتیں گے۔

جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، ان نفوسِ قدسیہ نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے، ان کی نکیر کی ہے اور ان کو گمراہ ٹھہرایا ہے۔

۵ــــ پانچویں شفاعت صرف اہلِ جنّت کے لیے ہوگی تاکہ ان کے اجر میں اضافہ کیا جائے اور ان کے درجات بلند کیے جائیں۔ اس شفاعت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مندرجہ بالا پانچوں شفاعتیں صرف ان مخلصین کے لیے ہیں جنھوں نے کسی غیر اللہ کو نہ اپنا ولی بنایا اور نہ شفاعت کنندہ سمجھا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ	اور اے محمد ﷺ تم اس (علمِ
اَنْ يُّحْشَرُوْٓا	وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو
اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ	نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ	ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس

الاولیٰ: تفسیرُ الآیاتِ۔

① آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر۔

الثانیۃ: صِفَۃُ الشَّفَاعَۃِ الْمَنْفِیَّۃِ۔

② ناقابلِ قبول شفاعت کی توضیح و تشریح۔

الثالثۃ: صِفَۃُ الشَّفَاعَۃِ الْمُثْبَتَۃِ۔

③ اُس شفاعت کا تذکرہ جو مؤمنین کے لیے فائدہ مند ہوگی۔

وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ (الانعام - ۵۱)	حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے۔

۶ــــ چھٹی شفاعت بعض اہل جہنم کفار کے لیے ہے تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے اور یہ صرف ابوطالب کے لیے خاص ہے۔

انتھی کلام ابن القیم ؒ

الرابعة ذِكْرُ الشَّفَاعَةِ الْكُبْرٰى وَ هِيَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ۔

④ شفاعتِ کُبریٰ کا ذکر جسے مقامِ محمود بھی کہتے ہیں۔

الخامسة صِفَةُ مَا يَفْعَلُهُ ﷺ أَنَّهُ لَا يَبْدَأُ بِالشَّفَاعَةِ بَلْ يَسْجُدُ فَإِذَا أُذِنَ لَهُ شَفَعَ۔

⑤ رسُول کریم ﷺ کے شفاعت کرنے کے طریقے کی وضاحت کہ آپؐ لوگوں کی بات سُنتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں گے جب اجازتِ شفاعت ملے گی تو شفاعت کریں گے۔

السادسة مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِهَا ؟

⑥ حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال کرنا کہ "یا رسُول اللہ ﷺ! وُہ کون خوش نصیب اور سعید شخص ہے جو اِس شفاعت کا حق دار ہوگا؟

السابعة أَنَّهَا لَا تَكُوْنُ لِمَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ

⑦ یہ شفاعت اُس شخص کے لیے قطعًا نہ ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کیا ہے۔

الثامنة بَيَانُ حَقِيْقَتِهَا۔

⑧ شفاعت کی حقیقت و ماہیّت کا بیان۔

باب قول اللہ تعالیٰ

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ

اِس باب میں

اِس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ رُشد و ہدایت کی توفیق اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہے ہدایت کی نعمت سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا کرے اور جس سے چاہے یہ دَولت چھین لے

قال اللہ تعالیٰ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ (القصص-۵۶)

اے نبیؐ! تم جسے چاہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

قولہٗ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ :

اِس آیت کریمہ کا شانِ نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی موت تھی۔ اس کی موت اپنے باپ عبد المطلب کے مذہب وعقیدہ پر ہوئی۔ اس کی تفصیلات اسی باب میں آگے آرہی ہیں۔

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ

" اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کو جس سے آپ کو محبت ہو، ہدایت اور سیدھے راستہ پر لانا آپؐ کے اختیار میں نہیں ہے۔ آپ کا کام صرف تبلیغِ دین ہے کسی کو ہدایت سے نوازنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے "

اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر بھی واضح فرمایا ہے۔ جیسے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ (البقرۃ - ۲۷۲)

(اے میرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم!) ان کو ہدایت اور راہِ راست پر لانا آپ کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نورِ ہدایت سے منور فرماتا ہے۔

و فی الصحیح عن ابن المسیّب عن ابیہ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَآءَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعِنْدَهُ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اَبِیْ أُمَیَّةَ وَ أَبُوْ جَهْلٍ

صحیح بخاری اور صحیح مُسلم میں حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ حضرت مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب ابُوطالب کی وفات کے آثار دکھائی دیے تو رسُول اللہ ﷺ اُس کے پاس تشریف لے گئے۔
اُس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابو امیہ بھی وہاں بیٹھے تھے۔

ایک اور جگہ پر یوں ارشاد ہوتا ہے

وَمَآ اَکْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ (یوسف۔۱۰۳)	اے میرے پیغمبر ﷺ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے بے بہرہ ہی رہیں گے اگرچہ آپ کا کتنا ہی جی چاہتا ہو۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِن آیات میں جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہدایت کی توفیق دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہے' اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور وہی اس پر قدرت رکھتا ہے۔

البتہ مندرجہ ذیل آیت میں جس ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے، اُس سے ہدایت کی تشریح اور اس کی وضاحت مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ دینِ اسلام' اس کے احکام اور اللہ کی ہدایت کو لوگوں پر واضح فرمادیں۔
آیت یہ ہے۔

وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ (الشوریٰ۔۵۲)	اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں

فَقَالَ لَهٗ يَا عَمِّ !

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، چچا جان !

قولہٗ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ :

یہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ ہیں۔ ان کا مختصر نسب نامہ یہ ہے۔

سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم القرشی المخزومی۔

حضرت سعید بن مسیب کا شمار ان سات علما اور کبار فقہا میں ہوتا ہے جو جماعت تابعین میں بہت ہی نامور اور عظیم المرتبت تھے۔ اہل الحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس قدر بھی مراسیل منقول ہیں اُن میں سعید کی مراسیل بہت ہی صحیح ترین ہیں۔ ان کے بارے میں ابن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

لَا اَعْلَمُ فِي التَّابِعِيْنَ اَوْسَعَ عِلْمًا مِنْهُ	مجھے تابعین میں سعید بن مسیب سے بڑھ کر کوئی صاحبِ علم دکھائی نہیں دیتا۔

ان کی عمر اسّی سال کے لگ بھگ تھی ۹۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔

ان کے والد ماجد حضرت مسیب رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ حضرت سعید کے جدِّ امجد حضرت حزن رضی اللہ عنہ بھی صحابیِ رسول تھے، جنہوں نے جنگِ یمامہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

قولہٗ: لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طَالِبِ الْوَفَاةُ ،

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ابوطالب پر موت کی علامات اور اُس کے آثار ظاہر ہوئے

قولہٗ جَآءَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ)

جب ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابوطالب کے پاس بیٹھے تھے ممکن ہے اُس وقت مسیب رضی اللہ عنہ بھی وہیں بیٹھے ہوں۔ کیونکہ یہ تینوں قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور وفاتِ ابی طالب کے وقت تینوں کافر تھے۔ ابوجہل تو حالتِ کفر ہی میں مرا۔ اور باقی دونوں نے دولتِ اسلام سے متمتع ہونے کا شرف حاصل کیا۔

قُلْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجَّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کرلو، مَیں تمہارے لیے یہی کلمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور دلیل پیش کروں گا۔

قولہٗ یَا عَمِّ ،

یہ مضاف منادیٰ ہے اس میں حرف "یا" کو باقی رکھنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی۔ یعنی "یَا عَمِّ" بھی پڑھا جاسکتا ہے اور "یَا عَمِّیْ" بھی۔ یہاں "یا" محذوف ہے اور "میم" مکسورہ ہے جو اس کی "یا" پر دلالت کناں ہے۔

قولہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ؛

رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو کلمۂ توحید کے اقرار کرنے کی ترغیب دی لیکن ابوطالب نے انکار کردیا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ علم ویقین کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ شرک اور مشرکین سے کلیتہً اظہار برأت کیا جائے اور تمام عبادات پُورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کی جائیں اور یہ کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہوا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے مطلب کو خوب سمجھتے تھے۔ اس وقت مکۃ المکرمہ میں دو ہی قسم کے لوگ تھے مسلمان اور کافر۔ اس کلمے کا اقرار وہی شخص کرتا تھا جو شرک سے بالکل بیزار ہوجاتا اور قطعِ علائق کرلیتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مکۃ المکرمۃ سے مدینۃ طیبۃ تشریف لے گئے، تو جہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت فرمائی، اور موحد مسلمان جمع ہوگئے تھے، وہاں ایسے منافق بھی تھے جو صرف زبان سے کلمۂ توحید ادا کرتے تھے لیکن اس کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھنے کے باوجود اس پر دل سے یقین نہ رکھتے تھے ان کے دل بغض وعداوت اور شکوک وشبہات سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ صرف ظاہری طور پر مسلمانوں کے ساتھ بعض اعمال میں شرکت کرتے تھے بباطن ان کے مخالف تھے۔

مدینہ طیبہ میں یہود بھی سکونت پذیر تھے لیکن جیسا کہ کتب حدیث وسیر میں منقول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ اور اقرار لے لیا تھا کہ وہ نہ تو مسلمانوں سے خیانت

فَقَالَا لَهُ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ؟

ابوجہل اور عبداللہ بن ابو امیہ بولے "کیا عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے ؟"

کریں گے اور نہ ان کے خلاف کفر کی حمایت و نصرت کریں گے۔

قولہٗ كَلِمَةً :

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"لفظ "کَلِمَۃً" منصوب ہے کیونکہ یہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا بدل ہے۔ اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں اس کو مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا جائے گا"

قولہٗ اُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ :

احاج میں حرف "ج" مشدد ہے جو "محاجۃ" سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالتِ موت میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا جائے تو اس کو حجت قرار دیا جاتا ہے۔

اگر ابوطالب مرتے وقت بھی اس کلمہ کا اقرار کر لیتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور دلیل اس کی اس شہادت کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ کیونکہ اگر ابوطالب خلوصِ دل سے اور ان تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جو نفی و اثبات کی صورت میں لا الٰہ الا اللہ سے وابستہ ہیں یہ کلمہ پڑھ لیتا تو وہ لازماً اس کے لیے سُود مند ثابت ہوتا۔

قولہٗ: فَقَالَا لَهُ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ :

یہ وہی حجت ملعونہ ہے جو تمام مشرکین نے اپنے رسولوں کے سامنے پیش کی تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کہتا ہے

فَاَعَادَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَأَعَادَا۔
فَكَانَ أٰخِرُ مَا قَالَ ۔

رسولِ اکرم ﷺ بار بار کلمۂ شہادت کی ترغیب دیتے تھے اور وہ دونوں ابوطالب کو اپنے مذہب پر قائم رہنے پر اصرار کرتے تھے۔
ابوطالب کی آخری بات یہ تھی کہ

فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ؟ (طٰہٰ۔ ۵۱)
تو اچھا یہ بتاؤ کہ پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا ؟

قرآنِ کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ (الزخرف۔ ۲۳)

اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اُس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں۔

قولہٗ: فَاَعَادَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَاَعَادَا ،
حدیث کے ان الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ اس کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے مقتضیات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ کیونکہ اُس وقت ان دونوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اگر ابوطالب نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس نے عبدالمطلب کے مذہب سے اظہارِ بیزاری کر دیا ہے۔ عبدالمطلب کا مذہب شرک فی الالوہیت ہی تو تھا۔ البتہ توحید ربوبیت کا جیسا کہ پہلے گزر چکا، کافر و مشرک سب اقرار کرتے تھے۔
ابرہہ بادشاہ کو جو بیت اللہ کو گرانے کے لیے آیا تھا عبدالمطلب نے یہی جواب تو دیا تھا کہ

أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ وَالْبَيْتُ لَهُ رَبٌّ يَمْنَعُهُ مِنْكَ

یہ اونٹ میرے ہیں، یہ مجھے واپس کر دو۔ رہا بیت اللہ کا معاملہ، تو اس کا مالک موجود ہے وہ تم سے خود نمٹ لے گا

یہ جملہ ابوجہل اور اس کے ساتھی نے اُس وقت کہا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کو لاالٰہ الا اللہ کے اقرار کی ترغیب دی تھی۔ انہوں نے اس کلمہ کے تقاضوں اور مدلول پر عمل کرنے کو حقارت اور تکبر کی نگاہ سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ اِن جیسے دوسرے مشرکین کے بارے میں فرماتا ہے کہ

إِنَّهُمْ كَانُوٓا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝ (الصّٰفّٰت - ۳۵، ۳۶)

وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے

بَلْ جَآءَ بِٱلْحَقِّ وَصَدَّقَ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝ (الصّٰفّٰت - ۳۷)

یہ تو ایک سچا دین لے کر تمہارے پاس آئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

لاالٰہ الا اللہ سے مشرکین کے انکار اور استکبار کی وجہ بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اس لیے انکار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور جن پر معبود اور الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، کلمہ لاالٰہ الا اللہ، ان کے اس عقیدہ کی بیخ کنی کرتا ہے۔ یہ کلمہ اخلاص پر دلالت کرتا ہے اور مشرکین کے عقائدِ شرکیہ کے ابطال اور ان کے معبودانِ باطلہ کی نفی کو متضمن ہے۔

ابوطالب کے ہدایت یاب نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ان میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ

لوگوں کو اس بات کا علم اور یقین ہو جائے کہ کسی کو ہدایت دینا یا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے اور اگر

○ ــــ لوگوں کے دلوں کو ہدایت کی طرف ملتفت کرنا۔

هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبٰى أَنْ يَّقُوْلَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ۔

"وہ عبدالمطلب کے دین پر ہی قائم رہے گا" اور اُس نے لآاِلٰہ الاّاللہ کے اقرار سے اِنکار کر دیا۔ رسُولِ اکرم ﷺ نے اُس سے فرمایا کہ جب تک مجھے روک نہ دیا گیا مَیں تمھارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔

○ مصائب ومشکلات سے نجات دلانا۔

○ ان کو عذابِ الٰہی سے بچانا

اور ان جیسے دوسرے اُمور آنحضرت ﷺ کے اختیار میں ہوتے جو کہ تمام کائنات سے افضل واشرف ہیں تو اس کے سب سے زیادہ حقدار ابوطالب تھے کیونکہ یہ رشتہ میں آپ کے چچا بھی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو حمایت، نصرت اور اعانت آنحضرت ﷺ کی ابوطالب نے کی ہے وہ تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ نقش رہے گی۔ لیکن ہم اس حکمت اور بھید کی تہہ تک پہنچنے میں یکسر عاجز اور قاصر ہیں اور اللہ کی ذات ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے جس کی حکمتوں کو سمجھنے کے لیے عقلِ انسانی وغیرہ حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے اپنی معرفت، توحید، اور اخلاصِ عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قولہ: فَكَانَ اٰخِرُ مَا قَالَ :

احسن یہ ہے کہ لفظ اٰخِرُ کو مرفوع پڑھا جائے کیونکہ یہ كَانَ کا اسم ہے اور هُوَ اور اس کے بعد اس کی خبر ہے۔

قولہ: هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ :

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" روایت کا سیاق یہ واضح کرتا ہے کہ اصل عبارت یوں تھی کہ

"اناعلی ملۃ عبدالمطلب"

راوی نے لفظ آنا کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے ھو سے بدل دیا ہے۔ اس قسم کے تصرفات اہلِ علم کے ہاں استحسان کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

قولہ: وَاَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ :

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

" راوی نے ابوطالب کے انکار کو مزید مؤکد کرنے کی غرض سے یہ کہا ہے"

مصنف رحمہ اللہ اسی باب کے آخر میں " فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

۱۔ حدیث کے زیرِ بحث الفاظ میں اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو ابوطالب کے اسلام پر اصرار کرتے ہیں اور ان کی حمایت میں بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بُرے اور غلط ساتھیوں کے شر سے چوکس رہنا چاہیے

۳۔ تیسری بات یہ ظاہر ہوئی کہ اپنے اسلاف کی تعظیم میں افراط و تفریط اور غلو سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ چیز اس درجہ خطرناک ہے کہ اکثر اوقات یہ دخولِ جہنم کا سبب بن جاتی ہے۔ یعنی ان کی تعظیم شریعت کی حد سے تجاوز کر جاتی ہے اور متنازعہ فیہ مسائل میں اُن کے قول کو فیصلہ کن خیال کر کے مان لیا جاتا ہے تو اس سے احکامِ شرعی مجروح ہوتے ہیں۔

قولہ: فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْكَ :

یہاں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" بلاقسم لیے اگر کوئی شخص قسم کھائے تو جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی تالیفِ قلبی کے لیے اور اپنے عزم کے اظہار کی غرض سے، اس کے لیے اللہ سے استغفار کرنے کی قسم کھائی ہے"

ہجرتِ نبوی سے تھوڑا عرصہ قبل مکہ مکرمہ میں ابوطالب کی موت واقع ہوئی۔ ابن فارس کا کہنا ہے کہ

" جب ابوطالب فوت ہوئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر انچاس سال آٹھ مہینے گیارہ دن تھی"

اور ان کی موت کے آٹھ روز بعد اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی اس عالمِ فانی کو چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی کے جوارِ رحمت میں جا بسیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فانزل الله عزوجل: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ الآیۃ
(التوبۃ: ۱۱۳)

اِس پر اللہ کریم نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نبیؐ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دُعا کریں۔ چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

قولہ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا:
یعنی کسی نبی اور مؤمن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔
یہ آیت کریمہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْكَ - یہی ثابت ہوتا ہے۔
علمائے کرام نے اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں اور بھی کئی چیزیں بیان فرمائی ہیں، جن میں کوئی منافات نہیں ہے اور وہ سب صحیح ہیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
"آیت استغفار، ابوطالب کی وفات کے کافی عرصہ بعد نازل ہوئی اور یہ کہ یہ آیت ابوطالب اور غیر ابی طالب کے لیے عام ہے۔ لہٰذا اس کو صرف ابوطالب کے حق میں نازل ماننا قرینِ صحت معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں!

و انزل الله في ابی طالب : إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ لَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (القصص ۵۶)

ربِ ذوالجلال نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے نبیؐ! تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وُہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

دوسری آیت یعنی اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ابوطالب کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ کفر ہی کی حالت میں فوت ہوا تھا۔

اور سہیلی کا مسعودی کی بعض کتب کے حوالے سے یہ کہنا کہ ابوطالب مسلمان ہو گئے تھے، صحیح نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی باتیں صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"

اس آیت کریمہ میں صاف اور واضح ارشاد موجود ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا، اُن سے محبت و موالات قائم کرنا اور اُن سے تعلقات استوار کرنا، حرام ہے۔ اس لیے کہ جب اس نے ان کے لیے استغفار حرام ٹھہرا دیا تو اُن سے محبت اور تعلقات و موالات تو بالاولیٰ حرام قرار پائے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تفسیر (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ)

① آیت کریمہ" إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ" کی تفسیر

الثانیۃ: تفسیر قوله (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ) ۔(الآیة)

② آیت کریمہ

" مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ " کی تفسیر و توضیح ۔

الثالثۃ: وَهِيَ الْمَسْأَلَةُ الْكَبِيرَةُ تَفْسِيرُ قَوْلِهِ " قُلْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ " بِخِلَافِ مَا عَلَيْهِ مَنْ يَدَّعِي الْعِلْمَ ۔

③ بہت عظیم اور اہم مسئلہ جس میں آپ کے ارشاد "قل لآ الٰہ الاّ اللہ" کی وضاحت ہے اور اُن لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو کلمۂ شہادت کے زبانی اقرار کو باعثِ نجات قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ شرکیہ اعمال کے مرتکب ہو رہے ہوں۔

الرابعۃ أَنَّ أَبَا جَهْلٍ وَ مَنْ مَّعَهُ يَعْرِفُونَ مُرَادَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ قَالَ لِلرَّجُلِ قُلْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَقَبَّحَ اللهُ مَنْ أَبُوجَهْلٍ أَعْلَمُ مِنْهُ بِأَصْلِ الْإِسْلَامِ۔

④ جب رسُولِ عربی ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا کہ لآ الٰہ الاّ اللہ کا اقرار کرلو تو اس کے مطلب کو ابوجہل اور اُسکے ساتھی جانتے تھے اِسی لیے تو انہوں نے ابوطالب کو عبدالمطّلب کے مذہب پر قائم رہنے کی ترغیب دی۔ آج کل کتنے ہی ابوجہل ہیں اللہ ان کا ستیاناس کرے جن سے ابوجہل لآ الٰہ الاّ اللہ کے مفہوم کو زیادہ جانتا تھا۔

الخامسۃ جِدُّهُ ﷺ وَ مُبَالَغَتُهُ فِي إِسْلَامِ عَمِّهِ۔

⑤ اپنے چچا ابوطالب کے قبولِ اسلام کے لیے رسُول اللہ ﷺ کی اِنتہائی جدوجہد اور بدرجہ غایت کوشش وسعی۔

السادسة: أَلرَّدُّ عَلٰى مَنْ زَعَمَ إِسْلَامَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ أَسْلَافِهٖ۔

⑥ عبدالمطلب اور اس کے بڑوں کو مسلمان سمجھنے والوں کی تردید۔

السابعة: كَوْنُهٗ ﷺ إِسْتَغْفَرَ لَهٗ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ بَلْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ

⑦ رسولِ اکرم ﷺ کے استغفار کے باوجود ابوطالب کی مغفرت نہ کی گئی بلکہ اس کے برعکس آپؐ کو ان کے لیے استغفار سے روک دیا گیا۔

الثامنة: مَضَرَّةُ أَصْحَابِ السُّوْءِ عَلَى الْإِنْسَانِ

⑧ انسان پر بُرے لوگوں کی صحبت کا اثر پڑنا۔

التاسعة: مَضَرَّةُ تَعْظِيْمِ الْأَسْلَافِ وَ الْأَكَابِرِ

⑨ اپنے اکابر و اسلاف کی تعظیم میں غلو کی مضرتیں۔

العاشرة: إِسْتِدْلَالُ الْجَاهِلِيَّةِ بِذٰلِكَ۔

⑩ اپنے اکابر کی زندگی سے استدلال جاہلیت کی رسم ہے۔

الحادية عشرة: أَلشَّاهِدُ لِكَوْنِ الْأَعْمَالِ بِالْخَوَاتِيْمِ لِأَنَّهٗ لَوْ قَالَهَا لَنَفَعَتْهُ

⑪ ان احادیث سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اعمال کا دارومدار انسانی زندگی کے خاتمے پر ہے کیونکہ ابوطالب اگر بوقتِ وفات کلمۂ شہادت کا اقرار کر لیتا تو وہ اس کے لیے ضرور نفع رساں ہوتا۔

الثانیۃ عشرۃ

أَلتَّأَمُّلُ فِيْ كِبَرِ هٰذِهِ الشُّبْهَةِ فِيْ قُلُوْبِ الضَّآلِّيْنَ لِأَنَّ فِي الْقِصَّةِ أَنَّهُمْ لَمْ يُجَادِلُوْهُ إِلَّا بِهَا مَعَ مُبَالَغَتِهٖ ﷺ وَ تَكْرِيْرِهٖ فَلِأَجْلِ عَظْمَتِهَا وَ وُضُوْحِهَا عِنْدَهُمْ إِقْتَصَرُوْا عَلَيْهَا .

(۱۲) مشرکین کے دِلوں میں جو یہ شبہ پیدا ہوگیا ہے کہ وُہ صرف لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ کو اپنے جھگڑے اور اِختلاف کی بنیاد سمجھتے تھے، اِس پر غور و تامّل۔

اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ شریعتِ اِسلامیہ میں اِس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے تبھی تو رسُولِ معظّم ﷺ بار بار یہ کوشش فرماتے ہیں کہ ابُوطالب اِس کا اقرار کرے۔ کلمۂ شہادت کا مطلب اور اِسکے تقاضے اِتنے واضح اور روشن ہیں کہ مُشرک بھی اِسے سمجھتے تھے، اِسی بنا پر تو اُنھوں نے اپنے مُعاملات اور اِختلافات کو اِس پر مرکوز کر رکھا تھا۔

باب ما جاء

أنّ سبب كفر بني آدم وتركهم دينهم هو الغلوّ في الصّالحين

اِس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی نوعِ انسان کے کُفر اور شِرک میں مُبتلا ہونے اور دِین کو چھوڑ دینے کا سب سے بڑا سبب بزرگوں کے معاملہ میں غلو کرنا ہے

قولہ تعالیٰ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ

اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔

قولہٗ: يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ

قول اور اعتقاد میں افراط و تجاوز کا نام غلو ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا ہے اس سے اس کو اونچا اور بالا نہ سمجھو۔ یہ خطاب اگرچہ یہود و نصاریٰ سے ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پوری اُمتِ محمدیہ سے بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ خدشہ ہے کہ یہ اُمت بھی کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اور یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کے ساتھ کیا۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ ٱللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ ٱلْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ ٱلْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَٰسِقُونَ ۝ (الحدید - ١٦)	کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اُس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت اُن پر گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں؟

اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ	میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے مبالغہ سے کام لیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ط

(النسآء : ۱۷۱)

اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔

پس جس شخص نے اللہ کے سوا کسی نبی اور ولی کو پکارا گویا کہ اس نے اس کو معبود ٹھہرا لیا انہوں نے شرک میں نصاریٰ سے مشابہت پیدا کی، تفریط میں یہودیوں کے مانند ہو گئے۔ نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں غلو سے کام لیا اور اس کے مقابلے میں یہودیوں نے ان سے عداوت کا مظاہرہ کیا، انہیں سب و شتم کیا اور ان کی تنقیص کی۔ اس طرح یوں سمجھیے کہ نصاریٰ نے افراط کا ثبوت دیا اور یہودی تفریط کا شکار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ	مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ
إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ	بس ایک رسول تھا۔ اس سے پہلے اور
قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَ اُمُّهٗ	بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اس
صِدِّيْقَةٌ ۚ كَانَا يَاْكُلٰنِ	کی ماں ایک راستباز عورت تھی اور وہ
الطَّعَامَ ۚ (المائدہ - ۷۵)	دونوں کھانا کھاتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں اور اس قسم کی دوسری آیات میں یہود و نصاریٰ کی تردید کی گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

"امت محمدیہ میں سے جو شخص یہود و نصاریٰ سے مشابہت اختیار کرے گا اور دین میں افراط یا تفریط سے کام لے گا، وہ ان ہی جیسا ہو گیا"

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں غالی رافضیوں کو جلا دیا تھا اور باب کندہ کے قریب گڑھے کھدوا کر ان کو ان میں پھینک دیا تھا، صحابہ کرام کا ان غالی رافضیوں کے قتل پر اتفاق تھا۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو بجائے جلانے کے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔

اکثر اہل علم کا یہی قول ہے "

وفی الصحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ في قول الله تعالیٰ

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ (نوح : ٢٣) قَالَ

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آیت (انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وَدّ اور سُواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو) کے بارے میں کہتے ہیں کہ

قولہ وَفِي الصَّحِيْحِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ

مصنف رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر کو اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جسے ہم بہت ہی اہم خیال کرتے ہوئے اس کا یوں خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

قوم نوح کے عرب میں بڑے بڑے اور مشہور معبود پانچ تھے۔ یہ سب قوم نوح میں صالح اور نیک افراد شمار کیے جاتے تھے۔

۱ ــــ وَدّ :۔ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا دیوتا تھا۔

۲ ــــ سُواع :۔ بنو ہذیل کا پیشوا تھا۔

۳ ــــ یغوث : قبیلہ مراد کا شکل کتا سمجھا جاتا تھا، ان کے بعد بنو غطیف نے اس کی پوجا شروع کر دی یہ سبا شہر کے پاس جرف نامی مقام پر تھا۔

۴ ــــ یعوق :۔ ہمدان کا بت تھا۔

۵ ــــ نسر :۔ قبیلہ حمیر کا بت تھا جو آلِ ذی الکلاع سے تعلق رکھتے تھے۔ عکرمہ، ضحاک اور ابن اسحاق سے اسی طرح مروی ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ محمد بن قیس سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ

"یغوث، یعوق، اور نسر، تینوں اولادِ آدم میں سے صالح اور بہتر

هٰذِهِ أَسْمَآءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا هَلَكُوْا أَوْحَى الشَّيْطٰنُ إِلٰى قَوْمِهِمْ أَنْ أَنْصِبُوْا إِلٰى مَجَالِسِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ فِيْهَا أَنْصَابًا۔ وَسَمُّوْهَا بِأَسْمَآئِهِمْ فَفَعَلُوْا وَلَمْ تُعْبَدْ حَتّٰى إِذَا هَلَكَ أُولٰٓئِكَ وَنُسِيَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ۔

یہ سب قومِ نُوح کے صالح لوگ تھے، جب وُہ مر گئے تو شیطان نے اُنکی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کرو اور اس پتّھر کو اُن کے نام سے پکارو، سو اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب اگلے لوگ مر گئے اور علم اُن سے جاتا رہا تب اُن کی اولاد نے اُن یادگاروں کی پرستش شروع کر دی۔

لوگ شمار کیے جاتے تھے۔ کچھ لوگ ان کی صالحیت کی بنا پر ان کی اتباع بھی کرتے تھے جب یہ مر گئے تو ان کے ساتھیوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنا کر رکھ لیں تو ان کی وجہ سے ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مزید جذبہ اور شوق پیدا ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ان کی تصاویر بنالیں جب یہ لوگ وفات پا گئے اور ان کے بعد دوسری نسل پیدا ہوئی تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے آباؤ اجداد ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی تھی ان کی عبادت کرنے لگے۔

قولہٗ : اَنْصَابًا : جمع نصب :۔

اس سے وہ اصنام مراد ہیں، جوان نیک لوگوں کی تصویروں کی شکل میں انہوں نے اپنی مجلسوں میں سجا رکھے تھے اور ان کے وہی نام رکھ لیے تھے جو ان صلحا کے نام تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سیاق یہ بتاتا ہے کہ اصنام کو اوثان سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کو وثن کہتے ہیں۔ خواہ وہ قبر کی شکل میں ہو۔ یا مشہد کی شکل میں یا کسی دوسری صورت میں۔

قولہٗ : حَتّٰٓی اِذَا هَلَكَ :

یعنی جن لوگوں نے ان اصنام کی تصویریں تیار کی تھیں وہ فوت ہو گئے۔

قولہٗ : وَنُسِیَ الْعِلْمُ :

مطلب یہ کہ علماؒ کی وفات کی وجہ سے اور جہالت کے دور دورہ سے ان کے آثار و نشانات ختم ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ لوگ توحید اور شرک کے درمیان فرق نہ کر سکے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ صالحین عند اللہ ہمارے لیے نفع رساں ثابت ہوں گے، اس لیے یہ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے۔

قولہٗ : عُبِدَتْ :

ابلیس نے ان سے کہا کہ دیکھو! تمہارے آباؤ اجداد ان بزرگوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے طفیل بارش ہوتی تھی۔ اس نے ان اصنام کی عبادت کو ان کے سامنے انتہائی خوب صورت انداز میں پیش کیا اور ان کی عظمت کا نقش اس طرح بڑھا چڑھا کر ان کے دلوں میں بٹھا دیا کہ وہ سمجھنے لگے کہ گویا وہی ان کے معبودِ حقیقی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا اَفَلَمْ	اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ مگر اس کے باوجود اس نے تم میں سے ایک گروہِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے

وَ قَالَ ابْنُ الْقَیِّمِ رحمہ اللہ

قَالَ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ: لَمَّا مَاتُوْا عَکَفُوْا عَلٰی قُبُوْرِهِمْ۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مر گئے تو پہلے یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے،

تَکُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ○ تھے۔ ؟

اللہ تعالیٰ کے اس عہد و پیمان کو یاد رکھنے کا اصل فائدہ یہ ہے کہ انسان غلوّ سے محفوظ رہتا ہے۔ شیطان نے صالحین کی شان میں افراط و مبالغہ اور ان سے غلو فی المحبّت کی بنا پر ہی ان لوگوں کو مبتلائے شرک کیا تھا۔ جیسا کہ آج کل اُمّتِ محمدی میں سے اکثر لوگ شرک کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ شیطان نے صالحین کی محبّت و عظمت کو اور ان کی شان میں بدعت و غلو کو اُن کے سینوں میں اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ یہ لوگ اب اعمالِ شرکیہ کو بھی توحید اور رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ بیٹھے ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں

"اُن لوگوں نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد کی شان و عظمت کی اصل وجہ یہی تھی کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے تھے"

یعنی ہمارے جن بزرگوں نے یہ تصویریں بنائی تھیں اور ان تصویروں کو انہی ناموں سے موسوم کیا، جو ان کے اصل نام تھے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو شفاعت کنندہ سمجھنا، ان کی شفاعت کی اُمید رکھنا اور یہ کہنا کہ یہ ضرور ہماری مدد کریں گے، یہی شرکِ اعظم ہے۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں محکم آیات کی تشریح میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

قولہ وقال ابن القیم الجونیہ رحمہ اللہ تعالیٰ

یہاں امام علامہ محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی الدمشقی مراد ہیں جو ابن القیم الجوزی کے نام سے مشہور ہیں۔

ثُمَّ صَوَّرُوا تَمَاثِيلَهُمْ -
ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَعَبَدُوهُمْ -

پھر ان کی تصاویر بنائیں۔ پھر زمانہ دراز گزرنے پر ان کی عبادت کرنے لگے۔

علّامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ سلف میں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب وہ لوگ مر گئے تو یہ ان کی قبروں پر معتکف ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کے مجسموں کی تصویریں بنالیں اور پھر مدتِ مدید تک وہاں بیٹھ کر ان کی عبادت میں مشغول رہے۔

علامہ ابن قیمؒ کو امام سخاویؒ ان الفاظ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اَلْعَلَّامَةُ الْحُجَّةُ الْمُتَقَدِّمُ فِيْ سَعَةِ الْعِلْمِ وَمَعْرِفَةِ الْخِلَافِ وَقُوَّةِ الْجِنَانِ اَلْمُجْمَعُ عَلَيْهِ بَيْنَ الْمُوَافِقِ وَالْمُخَالِفِ صَاحِبُ التَّصَانِيْفِ السَّائِرَةِ وَالْمَحَاسِنِ الْجَمَّةِ مَاتَ سَنَةَ اِحْدٰى وَخَمْسِيْنَ وَ

علّامہ، وسعتِ علم اور اختلافی مسائل کی معرفت میں فائق تر، قوتِ قلب میں اس درجہ بڑھے ہوئے کہ اس پر مخالف و موافق سب متفق، متداول و مقبول کتابوں کے مصنّف اور بہت سے محاسن کے مرکز، ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

قولہ : وَقَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ :

امام بخاریؒ اور ابن جریرؒ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ البتہ انہوں نے بتایا ہے کہ وہ ان کی قبروں پر، ان کی تصویروں کے بت بنانے سے پہلے ہی مجاور بن کر بیٹھ گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ بڑا ذریعہ اور سبب ہے جو انسان کو شرک کی وادی میں لے جاتا ہے۔ یہی شرک ہے کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے مسجد میں بیٹھنا عبادت ہے۔ اسی طرح جب کسی کی قبر پر بیٹھنا صاحبِ قبر کی عظمت اور محبت کی دلیل ہے تو یہ بھی اس کی عبادت ہی ٹھہری۔

قولہ : ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَعَبَدُوهُمْ :

یعنی جب ایک زمانہ گزر گیا تو انہوں نے ان لوگوں کی عبادت شروع کر دی ۔ ان کی عبادت کا سب سے بڑا محرک وہی غلو و مبالغہ تھا جو ان سے پہلے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنا اور پھر ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ جانا اور اپنی مجالس میں ان کی تصویروں کو باعثِ برکت سمجھتے ہوئے سجا لینا مزید گمراہی کا موجب ہو۔ اسی طرح یہ چیز وثن کی شکل اختیار کر گئی اور اللہ کے سوا ان کی عبادت شروع ہو گئی جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے عنوانِ باب میں واضح کیا ہے۔

ان اسبابِ شرک سے قبل یہ لوگ خالص دین اسلام پر کاربند تھے ان صلحا کی تصاویر کی عبادت سے انکار کرتے تھے اور ان کو صرف اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے تھے اور یہی وہ سب سے پہلا شرک ہے جو دنیا میں نمودار ہوا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"ان کی پہلی تصاویر بنانے والوں نے صرف اس بنا پر تصویریں بنائی تھیں کہ ہم ان کو دیکھ کر ان کے اعمالِ صالحہ یاد کریں گے' انہی کی طرح اعمالِ صالحہ اور امورِ خیر میں حصہ لیں گے اور ان کی قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں گے۔

لیکن ہوا یہ کہ ان کی وفات کے بعد ایسے افراد پیدا ہوئے جو ان کے مقاصد کو بھول گئے اور شیطان کو ان کے گمراہ کرنے کا موقع مل گیا چنانچہ ابلیس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ "تمہارے آباء واجداد ان بزرگوں کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور ان کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

"قبروں کے پجاریوں کے دل میں شیطان ہمیشہ یہ وسوسہ ڈالتا رہا کہ دیکھو! انبیائے کرام اور صلحائے عظام کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا اور ان پر قبے تعمیر کرنا ان اہلِ قبور سے محبت و عقیدت کا مظہر ہے اور یہ کہ ان کی قبروں کے پاس آکر دعا کرنا قبولیتِ دعا کا ذریعہ ہے۔

یہ بات ان کے دل میں اچھی طرح گھر کر گئی تو پھر یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو! اگر ان کے نام کو وسیلہ ٹھہرا کر دعا کرو گے اور ان کے نام کی قسم دے کر ملتجی ہو گے تو دعا بہت جلد قبول ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سے کہیں بلند ہے کہ ان بتوں کا نام لے کر

اس کی قسم کھائی جائے یا کسی مخلوق کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے۔

جب یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن میں بیٹھ گئی تو یہ وسوسہ ڈالا کہ ان کو براہ راست پکارو، ان کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھو، ان کی قبروں پر چادریں چڑھاؤ، اور خوب چراغاں کرو۔ اگر ان کی قبروں کا طواف کیا جائے، ان کو بوسہ دیا جائے اور ان پر جانور ذبح کیے جائیں تو یہ بہت ہی نیکی اور سعادتمندی کی بات ہے۔ جب یہ چیز ان کے ذہن میں راسخ ہوگئی تو کہا،

دیکھو! لوگوں کو بھی ان بزرگانِ کرام کی عبادت کی طرف بلاؤ۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان کے عُرس منانے کا اہتمام کرو، اور ان کے یومِ پیدائش مناؤ۔ مشرکین نے جب دیکھا تو انہوں نے اس فعل کو انتہائی نفع بخش سودا سمجھا۔ دنیا میں بھی مالا مال ہوگئے اور آخرت میں بھی اپنے آپ ہی کو نجات یافتہ قرار دیا۔

شریعتِ اسلامیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب خرافات توحید کے منافی اور اُس دین کے سراسر برعکس ہیں جس کو لے کر محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث کیے گئے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اس کے سوا اور کسی کے آگے نہ جھکا جائے۔

جب یہ تمام باتیں مشرکین کے دلوں میں جاگزیں ہوگئیں تو شیطان نے اپنا آخری تیر بھی چلایا کہ

دیکھو! جو شخص تم کو اس عقیدے کو اپنانے اور ان اعمال پر کاربند رہنے سے روکے، وہ شخص ان مراتب عالیہ کا منکر ہے اور ان بزرگوں کی شان کو گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان بزرگوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ اب اگر ان مشرکین کی اصلاح کے لیے کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں اور ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں۔ مشرکین کی اس حالت کو قرآنِ کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ○ (الزمر-۴۵)	جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کِھل اُٹھتے ہیں

وعن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَآ أَطْرَتِ النَّصَارٰى

ابْنَ مَرْيَمَ۔

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی تعریف میں نصاریٰ نے مبالغہ کیا تھا۔

اور یہ بات اکثر جہّال اور طاغی نفوس کے سینوں میں بیٹھ چکی ہے اور افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اکثر اہلِ علم اور دین دار لوگ بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ اہلِ توحید کے دشمن ہوگئے ہیں اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں اور عوام الناس کو ان سے متنفر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ـــــ لیکن اہلِ شرک سے ان کی دوستی ہے اور خوب بڑھا چڑھا کر ان کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں۔ ان کی جہالت یہیں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے دینِ اسلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اس کردار کی تردید کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانُوْٓا أَوْلِيَآءَهٗ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۝ (الانفال۔۳۴)

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہرگز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دوست تو صرف متقین اور پرہیزگار لوگ ہی ہیں۔

قولہ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ

یہاں امیر المؤمنین عمر بن الخطاب بن نفیل العدوی رضی اللہ عنہ مراد ہیں آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریباً ساڑھے دس سال تک خلافت کی اپنے دورِ خلافت میں انہوں نے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیا تھا۔ ان ہی کے دورِ خلافت میں قیصر اور کسریٰ کی عظیم مملکتوں کو فتح کیا گیا۔

إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ۔ (اخرجاہ)

میں ایک بندہ ہوں، پس مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہو (بخاری مسلم)

اسلام کے اِس عظیم خادم اور عدل و انصاف کے پیکر نے ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں (ابولؤلؤ کے ہاتھوں) جامِ شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قولہٗ : لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ :

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"کسی کی تعریف میں حد سے تجاوز کرنے کو، جس میں کذب بیانی سے کام لیا جائے، اطراء سے تعبیر کیا جاتا ہے"

دیگر علماء نے لکھا ہے کہ

"میری جھوٹی تعریف نہ کرو اور میری تعریف میں حد سے آگے نہ بڑھو"

قولہٗ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ :

مطلب یہ ہے کہ میری بے جا تعریف نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ اس میں غلو پیدا ہو جائے جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کر کے غلو کا شکار ہوئے اور حد سے تجاوز کر گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی ذات میں الوہیّت کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔

میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔ پس مجھے اسی صفت سے پکارا کرو اللہ تعالیٰ نے میری یہی صفت بیان کی ہے۔

بُرا ہو مشرکین کا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ وہ آپ ؐ کی مخالفت پر اُتر آئے۔ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا تھا اس پر عمل کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز سے تعریف کی کہ جس سے آپؐ نے منع فرمایا تھا۔ انہوں نے آپ کی اس سلسلے میں شدید مخالفت کی اور غلو اور شرک میں نصاریٰ کی مشابہت اختیار کر لی اور محذورات ومنہیات میں گر پڑے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نظم و نثر میں اتنی کتابیں لکھیں جن کا شمار کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے دور کے بعض ان مشرک علما کی تردید کی ہے۔ جنہوں نے لکھا ہے کہ

"جن جن مواقع پر اللہ تعالیٰ سے استغاثہ جائز ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی استغاثہ جائز ہے"

اِس موضوع پر خاص کتب لکھی جا چکی ہیں جن کی شیخ الاسلام ؒ نے خوب تردید کی ہے شیخ الاسلام ؒ کی یہ تردید اب بھی کتابی صورت میں موجود ہے۔

ایک شخص اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

"غیب کی وہ چابیاں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی باخبر ہیں"

اس کے علاوہ بھی اس نے بہت سی خرافات اپنی کتاب میں جمع کردی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلبی بصیرت کے اس اندھا پن سے محفوظ رکھے۔ آمین

اِس ضمن میں بوصیری کی ایک نظم کا یہ شعر دیکھیے۔ لکھا ہے۔

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مَنْ أَلُوْذُ بِهٖ ... سِوَاكَ عِنْدَ حُدُوْثِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے مخلوق میں سے بہترین انسان! ... میں تیرے سوا خطراتِ عامہ میں کس کی پناہ میں آؤں؟

اس کے بعد کے اشعار پر غور کیجیے کہ اخلاص، دعا، اُمید و رجا، اعتماد، اور مشکلات میں پناہ کی خواہش کا اظہار جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، ان اشعار میں ان چیزوں کو غیر اللہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔

اصل میں یہ آنحضرت ؐ کے فرامین سے انکار ہے کیونکہ جو آپ نے فرمایا تھا اس کے خلاف عمل کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے گئے ہیں۔

حقیقت میں محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں شیطان نے شرک کو ان کے قلب و ذہن میں پیوست کر دیا ہے۔ توحید اور اخلاص کو جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو مرحمت فرما کر مبعوث کیا تھا، ناقص کر دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و توقیر کے بجائے آپ ؐ کی شان میں نقص اور گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ افراطِ تعظیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا

وَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِيَّاكُمْ وَ الْغُلُوَّ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوَّ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلوّ سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پہلے جتنے لوگ ہلاک ہوئے وُہ سب غلوّ ہی کی وجہ سے ہلاک ہُوئے تھے۔

تھا۔ یہ اس کا ارتکاب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور آپ کی تعلیمات کی قطعاً پروا نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ کے فرامین پر رضامند نہیں۔ اور نہ ان کو تسلیم ہی کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی عظمت اور توقیر صرف اس میں ہے کہ

آپ کے ارشادات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔
آپ کی منع کی ہوئی اشیاء کو ترک کر دیا جائے۔
آپ کے اختیار کردہ راستہ پر چلا جائے۔
آپ کی سُنّتِ مطہرہ کو مشعلِ راہ بنایا جائے۔
آپ کے دین کی دعوت کو قریہ قریہ پہنچایا جائے۔
آپ کے دین کی مدد و نصرت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا جائے۔
آپ کے نقشِ قدم پر جو شخص گامزن ہو، اس سے محبّت کی جائے۔

اور جو شخص آپ کے طریقے اور سُنّت کی مخالفت کرے، اس سے عداوت بغض اور قطع تعلق کر لیا جائے لیکن ان لوگوں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے، اس کے خلاف کیا ہے اور جن سے منع فرمایا تھا، اس پر عمل پیرا ہیں۔

فاللّٰہ المستعان

قولہ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ : (الحدیث)

وَلِمُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ۔ قَالَهَا ثَلَاثًا۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ تکلّف کرنے اور حد سے بڑھنے والے ہلاک ہوگئے۔

یہ حدیث مصنف نے بغیر ذکرِ راوی لکھی ہے جسے امام احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہ نے (اور بمطابق حاکم فتح ابوداؤدؒ نے بھی ذکر کی ہے اور یہ لفظ مسند احمد اور ابن ماجہ میں بھی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے میدان جمع (مزدلفہ) میں (بلاکر) فرمایا:

هَلُمَّ الْقُطْ لِي فَلَقَطْتُ لَهُ حَصَيَاتٍ هُنَّ حَصَى الْخَذْفِ فَلَمَّا وَضَعَهُنَّ فِي يَدِهِ قَالَ نَعَمْ بِأَمْثَالِ هٰؤُلَاءِ فَارْمُوا وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّيْنِ

میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ۔ چنانچہ میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن کر لایا۔ آپ نے انہیں ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا کہ ہاں اسی مقدار کی کنکریاں جمرات کو مارا کرو۔ اور دیکھو! دین کے بارے میں غلوّ سے بچتے رہنا۔ کیونکہ غلو ہی کی وجہ سے سابقہ متیں تباہ و برباد ہوئی تھیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"یہ لفظ اگرچہ رمی جمار کے لیے استعمال ہوا ہے لیکن ہر قسم کے اعتقادی اور عملی غلو کو محیط ہے۔ جیسا کہ کوئی یہ خیال کرے کہ بڑے بڑے پتھروں سے رمی زیادہ افضل ہے۔ بہ نسبت چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے۔ اس کے بعد سابقہ اُمتوں کے ہلاک اور گمراہ ہونے کے وجوہ بیان فرمائے اس لیے کہ جن اسباب کی بنا پر سابقہ اُمتیں ہلاک ہوئی تھیں، ان اسباب میں ہماری مشابہت ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔"

قولہٗ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ:

علامہ الخطابیؒ کہتے ہیں:

"کسی عمل میں غلو کرنے والا شخص متنطع کہلاتا ہے۔ وہ بھی متنطع ہے جو کلامی موشگافیوں میں الجھتا ہے اور ایسے ایسے مسائل کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے جہاں ان کی عقلوں کی رسائی ممکن نہ ہو۔

تنطع کی قسم میں یہ بھی ہے کہ حلال اور مباح اشیاء کو اپنے اُوپر حرام قرار دے لے، جیسے روٹی اور گوشت کا نہ کھانا وغیرہ۔

سادے اور موٹے رُوئی کے کپڑے پہننا۔

بھیڑ بکریوں کے بالوں کے کپڑے استعمال کرنا۔

نکاح وغیرہ سے اجتناب کرنا۔

ان تمام چیزوں سے اس لیے رک جانا کہ یہ زُہد، مستحسن اور مستحب ہے"

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرلے درجہ کی جہالت اور ضلالت ہے کہ اس طرح کے تقشفات کو دین قرار دیا جائے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ امام غزالی رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ

"بحث و تمحیص میں انتہا کو پہنچ جانے والے کو متنطع کہا جاتا ہے"

ابوالسعاداتؒ کہتے ہیں

بوقتِ کلام (کلامی مسائل ہوں یا کوئی اور غیر مفید باتیں) غلو اور تکلف سے بال کی کھال اُتارنے کو متنطع کہا جاتا ہے کہ وہ حلق کی انتہائی حد سے بات کرتے ہیں، یہ نطع سے ماخوذ ہے، جس کے مفہوم میں تالو کا سب سے بلند حصہ ہے، پھر یہ لفظ ہر اس شخص کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جو کہ بہ تکلف انتہائی گہرائی میں پہنچ جائے خواہ وہ کلام سے متعلق ہو یا کسی کام سے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: خواہ مخواہ گفتگو میں تفصیلات پیدا کرنا اور بہ تکلف فصاحت و بلاغت کا اظہار کرنا، اجنبی اور غیر مانوس الفاظ بولنا اور عوام سے خطاب کرتے وقت دقیق عبارات و الفاظ استعمال کرنا یہ سب کراہت میں داخل ہے۔

قولہ قَالَهَا ثَلَاثًا:

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعتِ اسلامیہ کو اسی طرح خوب وضاحت سے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: أَنَّ مَنْ فَهِمَ هٰذَا الْبَابَ وَبَابَيْنِ بَعْدَهُ تَبَيَّنَ غُرْبَةَ الْإِسْلَامِ وَرَأَى مِنْ قُدْرَةِ اللهِ وَتَقْلِيْبِهِ لِلْقُلُوْبِ الْعَجَبَ

(۱) جو شخص اس زیرِ بحث باب اور آئندہ دو ابواب پر غور کرے گا اُس پر اسلام کی مظلومیت واضح اور آشکارا ہو جائے گی اور دلوں کے پھیرنے کے سلسلے میں اُس کو اللہ کے عجیب و غریب کرشمے اور اُس کی حکمتیں نظر آئیں گی۔

الثانیۃ: مَعْرِفَةُ أَوَّلِ شِرْكٍ حَدَثَ فِى الْأَرْضِ أَنَّهُ بِشُبْهَةِ الصَّالِحِيْنَ۔

(۲) کرۂ ارض پر سب سے پہلے جو شرک پایا گیا وہ صالحین کی محبت و عظمت میں غلو کی وجہ سے تھا۔

الثالث: أَوَّلُ شَيْءٍ غُيِّرَ بِهٖ دِيْنُ الْأَنْبِيَآءِ وَ مَا سَبَبُ ذٰلِكَ مَعَ مَعْرِفَةِ أَنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَهُمْ۔

③ دُنیا میں سب سے پہلے جس میں تغیّر و تبدّل واقع ہُوا وہ انبیائے کرام علیہم السلام کا دین تھا اور اُس کے اسباب کی وضاحت اور اس حقیقت کا اظہار کہ اہلِ دُنیا کو خوب علم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہی مبعوث فرمایا ہے۔ (لیکن اس پر بھی لوگوں نے اسکی پروا نہ کی)

الرابع: قَبُوْلُ الْبِدَعِ مَعَ كَوْنِ الشَّرَائِعِ وَ الْفِطَرِ تَرُدُّهَا۔

④ لوگوں نے بدعت کو بہت جلد قبول کرلیا حالانکہ شریعتِ اسلامی اور فطرتِ سلیم اس کی سخت تردید کرتی ہے۔

الخامس: أَنَّ سَبَبَ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مَزْجُ الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ فَالْأَوَّلُ مَحَبَّةُ الصَّالِحِيْنَ وَ الثَّانِيْ فِعْلُ أُنَاسٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ شَيْئًا أَرَادُوْا بِهٖ خَيْرًا فَظَنَّ مَنْ بَعْدَهُمْ أَنَّهُمْ أَرَادُوْا بِهٖ غَيْرَهٗ۔

⑤ شرک کے پیدا ہونے کی صرف ایک وجہ تھی، وہ یہ کہ حق اور باطل کو آپس میں خلط ملط کر دیا گیا تھا اور اِسکے دو سبب واضح طور سے نظر آتے ہیں۔

- صالحین کی محبّت میں غلوّ اور افراط و مُبالغہ۔
- اہلِ علم نے چند ایسے اُمور انجام دیے کہ بظاہر اُن کی نیّتیں دُرست تھیں، لیکن بعد میں آنے والے افراد نے ان کا مطلب اِس کے برعکس سمجھا جو سابق اہلِ علم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

السادسة: تَفْسِيرُ الْآيَةِ الَّتِي فِي سُورَةِ نُوحٍ۔

⑥ سُورۂ نوح کی آیت کی تفسیر۔

السابعة: جِبِلَّةُ الْآدَمِيِّ فِي كَوْنِ الْحَقِّ يَنْقُصُ فِي قَلْبِهِ وَ الْبَاطِلُ يَزِيدُ۔

⑦ اِنسان کی طبیعت کچھ اِس طرح واقع ہوئی ہے کہ اِس کے قلب و ضمیر میں حق کمزور سے کمزور تر واقع ہوتا چلا جاتا ہے اور باطل آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا جاتا ہے۔

الثامنة: فِيهِ شَاهِدٌ لِمَا نُقِلَ عَنِ السَّلَفِ أَنَّ الْبِدَعَ سَبَبُ الْكُفْرِ۔

⑧ اِس باب میں سلفِ اُمّت کے اقوال سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ کُفر و شرک میں ملوّث ہونے کی سب سے بڑی وجہ بدعت کا ارتکاب تھا۔

التاسعة: مَعرِفَةُ الشَّيطٰنِ بِمَا تَؤُولُ إِلَيهِ البِدعَةُ وَ لَو حَسُنَ قَصدُ الفَاعِلِ۔

⑨ اِنسان کو بدعت کِس گڑھے میں پھینک دیتی ہے؟ اِس سے شیطان اچھی طرح آگاہ ہے، اگرچہ بدعتی کی نیّت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

العاشرة: مَعرِفَةُ القَاعِدَةِ الكُلِّيَّةِ وَ هِيَ النَّهيُ عَنِ الغُلُوِّ وَ مَعرِفَةُ مَا يَؤُولُ إِلَيهِ۔

⑩ اِس باب کے مطالعہ سے ایک قاعدہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ کہ غلوّ سے قطعی طور پر اِجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اِس کا انجام اِنتہائی رُسواکُن اور بسا اوقات اِنسان کو مُشرک بنا دیتا ہے۔

الحادية عشرة: مَضَرَّةُ العُكُوفِ عَلَى القَبرِ لِاَجلِ عَمَلٍ صَالِحٍ۔

⑪ کسی عملِ صالح کی انجام دہی کے لیے قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا اِنتہائی نقصان دہ فعل ہے۔

الثانية عشرة: مَعرِفَةُ النَّهيِ عَنِ التَّمَاثِيلِ وَ الحِكمَةِ فِي إِزَالَتِهَا۔

⑫ (مٹی اور پتھر وغیرہ سے) کسی شخص کی شبیہ بنانے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ اِن کے مِٹا دینے اور توڑ دینے میں جو حکمتیں اور

مصلحتیں پوشیدہ ہیں، اُن کا علم۔

الثالثۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ شَأْنِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ وَ شِدَّةِ الْحَاجَةِ إِلَيْهَا مَعَ الْغَفْلَةِ عَنْهَا۔

⑬ وقوعِ شرک کے واقعہ کا علم اور اس کے اسباب کی معرفت کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے لیکن یہی وہ اہم پہلو ہے جس سے مسلمان غافل ہو گئے ہیں۔

الرابعۃ عشرۃ وَ هِيَ أَعْجَبُ وَ أَعْجَبُ قِرَاءَتُهُمْ إِيَّاهَا فِي كُتُبِ التَّفْسِيْرِ وَ الْحَدِيْثِ وَ مَعْرِفَتُهُمْ بِمَعْنَى الْكَلَامِ وَ كَوْنُ اللهِ حَالَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ حَتّٰى اعْتَقَدُوْا أَنَّ فِعْلَ قَوْمِ نُوْحٍ أَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ فَاعْتَقَدُوْا أَنَّ مَا نَهَى اللهُ وَرَسُوْلُهُ عَنْهُ فَهُوَ الْكُفْرُ الْمُبِيْحُ لِلدَّمِ وَ الْمَالِ۔

⑭ سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اہلِ علم اِس واقعہ کو

کُتبِ حدیث و تفسیر میں بچشمِ خود پڑھتے ہیں اور یہ خوب سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اِن کے اور اُن کے دِلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اِس کے باوجود یہ اِعتقاد رکھتے ہیں کہ قومِ نُوح نے جو غلط کردار ادا کیا تھا وہ بہتر تھا اور جس چیز سے اللہ اور اُس کے رسُول ؐ نے منع فرمایا ہے وُہ وُہی کُفر ہے جو کسی کے مال اور خُون کو مُباح کرتا ہے۔

الخامسة عشرة أَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّهُمْ لَمْ يُرِيدُوا إِلَّا الشَّفَاعَةَ۔

⑮ اِس واقعہ میں اِس بات کی وضاحت ہے کہ اُن کا ارادہ صرف یہ تھا کہ ہمارے بُزرگ ہمارے سفارشی ہیں۔

السادسة عشرة ظَنُّهُمْ أَنَّ الْعُلَمَاءَ الَّذِينَ صَوَّرُوا الصُّوَرَ أَرَادُوا ذٰلِكَ۔

⑯ ان مشرکین نے یہ سمجھا کہ جن علماء نے اُن اولیاء کی تصویریں بنائی تھیں ان کا اِرادہ بھی وہی تھا جس کا ہم عملاً اظہار کر رہے ہیں۔

السابعة عشرة أَلْبَيَانُ الْعَظِيمُ فِي قَوْلِهِ ﷺ لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَصَلَوَاتُ اللهِ وَ سَلَامُهُ عَلٰى مَنْ بَلَّغَ الْبَلَاغَ الْمُبِينَ۔

⑰ رسُول اللہ ﷺ کے اِس ارشاد میں کہ " لا تطرونی کما

أطرت النصاری ابن مریم" مسلمانوں کو بہت بڑی نصیحت کی گئی ہے۔ کاش یہ اس پر غور کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اُس رسُولِ عربی پر جس نے شریعتِ اسلامیہ کو کماحقہٗ دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ ﷺ

الثامنۃ عشرۃ نَصِيحَتُهُ إِيَّانَا بِهَلَاكِ الْمُتَنَطِّعِينَ۔

⑱ رسُولِ اکرم ﷺ نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ غلوّ میں مُبتلا ہونے اور بے معنیٰ موشگافیاں پیدا کرنے والے ہی ہمیشہ ہلاک ہوئے ہیں۔

التاسعۃ عشرۃ أَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّهَا لَمْ تُعْبَدْ حَتّٰى نُسِيَ الْعِلْمُ فَفِيهَا بَيَانُ مَعْرِفَةِ قَدْرِ وُجُودِهِ وَ مَضَرَّةِ فَقْدِهِ۔

⑲ اِس باب میں اِس امر کی تصریح ہے کہ جب عِلم ناپید ہوگیا تو پھر ان کی عبادت شروع ہوگئی تھی اِس سے علم کے وجُود کی قدر و قیمت اور اِس کے ختم ہوجانے کے نقصانات کا پتا چلتا ہے۔

العشرون أَنَّ سَبَبَ فَقْدِ الْعِلْمِ مَوْتُ الْعُلَمَآءِ

⑳ یہ بھی پتا چلا کہ فقدانِ علم کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ علماء اِس دُنیا سے رُخصت ہوگئے تھے۔

باب ما جاء

من التغليظ فيمن عبد الله عند قبر رجل صالح فكيف اذا عبده

اس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا کس درجہ فتنوں کو دعوت دیتا ہے چہ جائیکہ خود اس مردِ صالح کی عبادت کی جائے

فی الصحیح عن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ أُمَّ سَلَمَه ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَنِيسَةً رَأَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ وَمَا فِيهَا مِنَ الصُّوَرِ۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ملک حبشہ میں نصاریٰ کا ایک گرجا دیکھا جس میں تصاویر بھی تھیں۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ چشم دید منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

قولہ : اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ :

حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمرو بن المخزوم القرشیۃ المخزومیۃ رضی اللہ عنہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴ھ ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا بعض ۳ھ ہجری کہتے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے مرحوم شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶۲ ہجری میں فوت ہوئیں۔

قولہ : ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیحین کی ایک روایت کے مطابق حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا تھا۔

فَقَالَ اُولٰٓئِكَ اِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ اَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شَرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان میں اگر کوئی صالح اور دین دار شخص فوت ہو جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر کے پاس مسجد بنا لیتے اور پھر اس مسجد میں فوت شدہ شخص کی تصویر بنا کر لٹکا دیتے تھے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس قسم کے افراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں بدترین لوگ شمار ہوتے ہیں۔

قولہ : اِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ اَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ :

راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلرَّجُلُ الصَّالِحُ فرمایا تھا یا اَلْعَبْدُ الصَّالِحُ۔

اس سے معلوم ہوا کہ رُواتِ حدیث کتنی احتیاط اور کوشش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو ضبط اور نقل کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔

قولہ : وَصَوَّرُوْا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ :

اس کنیسہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ملک حبشہ میں دیکھا تھا لفظ کنیسہ بفتح الکاف وکسر النون ہے۔ کنیسہ عیسائیوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔

قولہ : اُولٰٓئِكَ شَرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ :

اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا حرام ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے افراد پر لعنت فرمائی ہے۔

اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

فَهٰؤُلَآءِ جَمَعُوْا بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ فِتْنَةَ الْقُبُوْرِ وَ فِتْنَةَ التَّمَاثِيْلِ ۔

اِن لوگوں میں بیک وقت دو فتنے جمع ہوگئے، ایک قبروں کا اور دوسرا تصاویر کا۔

" یہود و نصاریٰ انبیاؑ کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے وقت ان قبور کو قبلہ قرار دیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے ان کی قبور کو وثن بنا رکھا تھا، جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان پر لعنت کی ہے۔"

علّامہ قرطبی رحمہ اللہ یہود و نصاریٰ کی کیفیت بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔

" ان کے آباؤ اجداد نے ان تصاویر کو صرف اس لیے بنایا تھا تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کی زندگی کو بطور علامت کے سامنے رکھ کر زندگی بسر کریں جس طرح انہوں نے محنتیں اور کوششیں کی تھیں ہم بھی اسی طرح کریں نیز ان کے مرقدوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ ادا کریں۔

ان کے مرنے کے بعد ایسے افراد پیدا ہوئے، جو ان کے اس مقصد کو قطعاً بھول گئے۔ شیطان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو! تمہارے اسلاف اور بزرگ ان تصاویر کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے ہاں ان تصاویر کی بہت عظمت و وقعت تھی اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت کو قبروں پر مساجد تعمیر کرنے سے سختی سے منع فرمایا تاکہ شرک میں ملوّث ہونے کا دروازہ بند ہوجائے۔"

قولہ : فَهٰؤُلَآءِ جَمَعُوْا بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ فِتْنَةَ الْقُبُوْرِ وَ فِتْنَةَ التَّمَاثِيْلِ

یہ کلام شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے جو مصنف رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے قبروں اور اولیائے کرام کی تصاویر کا فتنہ چونکہ اپنے عروج پر تھا اور یہ فتنہ اصنام پرستی سے بدتر تھا اِس لئے مُصنّف رحمہ اللہ نے اس کی ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر اسے من و عن نقل فرما دیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"چونکہ قبروں پر مساجد کی تعمیر کی وجہ سے اکثر و بیشتر قومیں شرک میں ملوث ہو کر عذابِ الٰہی کا شکار ہوئی تھیں، اسی بنا پر رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی اُمّت کو اس سے سختی سے منع فرما دیا کیونکہ انسان جب کسی صالح اور بزرگ شخص کی تصویر کو دیکھتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں نجوم اور کواکب کی تاثیر کو بڑا دخل ہوگا۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ بنسبت لکڑی یا پتھر کے کسی صالح اور بزرگ کی تصویر سے زیادہ اور جلدی متاثر ہوتا اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم مشرکین کو کسی بزرگ کی قبر پر دیکھتے ہیں تو وہ وہاں آہ وزاری میں مبتلا ہوتے ہیں، انتہائی خوف وخشیت کی حالت میں دعائیں کرتے ہیں اور قلب وذہن کی تمام توجہات سے اس طرح قبر پر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں کہ مسجد میں ان کی یہ کیفیت ہرگز نہیں ہوپاتی۔ اکثر لوگوں کو سجدہ کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے اور وہ وہاں نماز پڑھنے اور دعاء والتجا کرنے کو مسجد سے زیادہ بابرکت سمجھتے ہیں اسی خرابی کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے قبروں کو بالکل صاف اور سطح زمین کے برابر کرنے کا حکم فرمایا۔ حتیٰ کہ قبرستان میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرما دیا گیا۔ اگرچہ نمازی کی نیت برکت حاصل کرنا نہ ہو، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے طلوعِ شمس کے وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا اس لیے کہ مشرکین اس وقت سورج کی پوجا اور پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت کو اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرما دیا بے شک نمازی سورج کی پوجا نہ کرتا ہو۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ شرک تک رسائی کے تمام دروازوں کو بند کر دیا جائے۔

جو شخص قبرستان میں نماز اس لیے پڑھتا ہے کہ اسے برکتِ کثیر حاصل ہوگی تو گویا وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کا مرتکب ہوا ہے، وہ شریعتِ اسلامیہ کی کھلم کھلا مخالفت پر اُتر آیا ہے اور دینِ اسلام میں ایسی رخنہ اندازی کر رہا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔

ولهما عنها قَالَتْ لَمَّا نُزِلَ بِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فَاِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا فَقَالَ وَ هُوَ كَذٰلِكَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَّسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپؐ شدتِ تکلیف سے اپنی چادر کبھی چہرۂ انور پر ڈال لیتے اور کبھی چہرے کو کھلا رکھتے جب کھلا رکھتے تو فرماتے کہ یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو انھوں نے انبیائے کرام کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ یہود ونصاریٰ کے اس کردار سے ڈرا رہے تھے۔

تمام مسلمانوں کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں قبروں میں نماز پڑھنا ممنوع بلکہ حرام ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

دین میں سب سے بڑی بدعت قبروں میں مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا ہے اور شرک میں مبتلا ہونے کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور نصوص حدِ تواتر تک پہنچ گئے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ تمام ائمہ کرام قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو خلافِ سنّت اور منافی شریعت قرار دیتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں کے علاوہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے شاگردوں

نے بھی قبرستان میں مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کو حرام قرار دیا ہے، ایک گروہ کا اطلاق کراہت کرنا اس چیز کا زیادہ لائق ہے کہ ان پر حسن ظنی کرتے ہوئے اسے کراہتِ تحریمی کے معنے میں لیا جائے اور ان کے بارے میں یہ خیال نہ کیا جائے کہ انھوں نے ایسی چیز کے ارتکاب کو جائز قرار دیا ہو جس کے فاعل پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لعنت کرنا متواتر کی حد تک ثابت ہو۔

قولہ : لَمَّا نُزِلَ یعنی جب ملک الموت اور دوسرے فرشتے آپ ﷺ کی روحِ اطہر کو قبض کرنے کیلئے آئے

قولہ : كَشَفَهَا :

یعنی چادر اپنے چہرہ سے ہٹا دیتے۔

قولہ : خَمِيصَةً :

آنحضرت ﷺ کی خاص دھاری دار چادر کا نام ہے۔

قولہ : لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ :

مطلب یہ کہ جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے یہود و نصاریٰ کا سا کردار ادا کرے گا وہ عند اللہ ملعون ہوگا۔

قولہ : يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا :

یہ الفاظ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی اُمت کو یہود و نصاریٰ کے اس غلط کردار سے جو انہوں نے انبیاءؑ کی قبروں پر روا رکھا، ڈرا اور سمجھا رہے ہیں اور وہ تھا ان کی شان میں غلوّ اور افراط کرنا۔ کیونکہ یہی وہ اہم سبب ہے جس کی وجہ سے ایک عام آدمی شرک کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

اسلام کی بے چارگی کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس عملِ بد سے آنحضرت ﷺ نے روکا اور اس کے کرنے والے کو ملعون قرار دیا، آج اسی عمل میں آپ کی اُمت کی اکثریت گرفتار ہو چکی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بدترین گناہ ہے لیکن بعض لوگ اسے اللہ تعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ اور اس کی رضا کا سبب سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ سے عداوت اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"یہ وہ اسباب اور ذرائع ہیں جو ایک عام انسان کو شرک میں مبتلا کرتے

وَلَوْ لَا ذٰلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهٗ غَيْرَ أَنَّهٗ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا۔ (اخرجاہ)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ بنائے جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر بھی عام صحابہ کی قبروں کی طرح ظاہر ہوتی۔

ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی ایک ایک کرکے نفی کردی حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ ذرائع واسباب تھے جن کی بنا پر لوگ اصنام پرستی کا شکار ہوئے۔"

اگر آپ اس پر ذرا غور فرمائیں گے تو یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ قبر کے پجاریوں اور اصنام پرستوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اندازہ کیجیے حضرت یوسف بن یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بات کو اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا کَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ (یوسف۔۳۸)

میں نے اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کے دین کو اپنا لیا ہے۔ ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔

قولہ : لَوْ لَا ذٰلِكَ اُبْرِزَ قَبْرُهٗ :

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ آپ کی قبر کو عبادت گاہ بنالیں گے تو آپ کی قبر کو کھلا اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جاتا۔

قولہ : غَيْرَ اَنَّهٗ خَشِيَ اَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا :

اگر خَشِيَ اَنْ يَتَّخِذَ مَسْجِدًا پڑھا جائے تو معنے یہ ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ لاحق تھا جس کی بنا پر آپ نے فرمایا کہ جہاں فوت ہوجاؤں مجھے وہیں دفن کرنا

اور اگر خُشِيَ اَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا پڑھا جائے تو معنے یہ ہوں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خدشہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں لوگ پہلی اُمتوں کی طرح آپ کی قبر کو بھی سجدہ گاہ نہ بنالیں، لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم

نے آپ کو محفوظ جگہ میں دفن کیا تاکہ لوگ آنحضرت ﷺ کی عظمت اور توقیر میں غلو نہ کرنے لگیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے واضح اور کھلے الفاظ میں منع فرمایا ہے اور اس کے مرتکب کو ملعون قرار دیا ہے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ

"یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ذرائع شرک کے سدِ باب کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ انہوں نے آپ کی قبر کی دیوار کو اتنا اونچا کر دیا کہ اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی، پھر اس کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کی، جس کی وجہ سے وہ ایک گھیرے میں آگئی۔ بعد ازاں ان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ آپ کی قبر کو قبلہ نہ بنا لیا جائے، کیوں کہ وہ نمازیوں کے سامنے پڑتی تھی اور ان کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ وہ عبادت کی صورت میں، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دیں گے چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر قبر کے جانبِ شمال میں دونوں طرف دو دیواریں اس انداز سے تعمیر کی گئیں کہ نمازیوں کے سامنے آنا ممکن نہ رہا"

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔۔۔ کسی نیک شخص کی قبر پر، مسجد تعمیر کر کے اس میں اللہ کی عبادت کرنا، اگرچہ نیت کتنی بھی صحیح ہو، خلافِ شریعت ہے۔

۲۔۔۔ تصاویر و تماثیل بنانے کی پوری سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

۳۔۔۔ قبر کے صحیح مقام کے علم کے بغیر، اس کو کسی شخص کی قبر نہ سمجھا جائے۔

۴۔۔۔ قبور کو مرکزِ عبادت ٹھہرانا یہود و نصاریٰ کا فعل تھا۔ وہ اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں پر عبادت کیا کرتے تھے۔

۵۔۔۔ اس فعل کی وجہ سے وہ ملعون قرار پائے۔

۶۔۔۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد، لوگوں کو اپنی قبر پر کسی غیر شرعی حرکت کے ارتکاب سے خوف زدہ کرنا تھا۔

۷۔۔۔ حضور ﷺ کی قبر کے ظاہر اور کھلے مقام پر نہ ہونے کی وجہ۔

ولمسلم عن جندب بن عبد الله رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلَ أَنْ يَّمُوتَ بِخَمْسٍ وَ هُوَ يَقُولُ: إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَّكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ۔

صحیح مُسلم میں حضرت جُندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وُہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پانچ روز قبل یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میں تم میں سے کسی کو اپنا خلیل نہیں بنا سکتا۔

قوله : عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ بعض اوقات ان کو اپنے جدِ امجد کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت جندب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے۔۶۰ ہجری کے بعد فوت ہوئے۔

قوله : اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَی اللهِ اَنْ یَّکُوْنَ لِیْ مِنْکُمْ خَلِیْلٌ :

خلیل، خلت (بفتح الخاء) سے مشتق ہے۔

أبْرَأُ إلَى اللهِ ۔ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام جائز نہیں ہے وہ میں نہیں کر سکتا۔ خلت کا مقام محبت سے اونچا ہے۔ خلیل اسے کہتے ہیں جو کسی کا انتہائی محبوب ہو۔ تخلل اس محبت کو کہا جاتا ہے جو دل کی گہرائیوں سے کی جائے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

قد تخللت مسلك الروح منی وبذا سمی الخلیل خلیلا

تیری محبّت میرے اندر رُوح کی طرح جاری و ساری ہے۔ اور اسی محبت کی بنا پر خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے

خلت کے یہی معنی زیادہ درست ہیں اور اسی مفہوم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ابن قیم اور حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

فَإِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِیْ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے اور اگر میں اپنی اُمت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو بناتا جیسا کہ اُس نے ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو خلیل بنایا تھا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت معرفت اور محبّت سے معمور تھا اس لیے کسی دوسرے کی خلّت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

قولہٗ: فَإِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ خلّت کا مقام محبّت سے کہیں بلند ہے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"بعض لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ محبت کا مقام اور درجہ خلّت سے بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب کے لقب سے نوازا ہے۔"

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے وجہ یہ ہے کہ محبت عام ہے اور خلّت خاص محبت کی انتہی کو خلت کہا جاتا ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خلیل ٹھہرالیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خلیل نہیں ہے۔ جہاں تک محبت کا تعلق ہے اس کی صف میں کئی لوگ آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے آپ کو محبّت تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں، پاک و صاف رہنے والوں اور صبر کرنے والوں سے محبّت رکھتا ہے۔ لیکن اس نے اپنی مخلوق میں سے صرف دو انبیاء کو خلیل ٹھہرایا ہے ایک حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ مِنْ قُبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔

غور سے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیا کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے، خبردار! اور میں تم کو قبروں کو مسجدیں (عبادت گاہیں) بنانے سے منع کرتا ہوں۔

قولہ: وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا:

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ اس میں رافضیوں اور جہمیوں کی تردید ہوگئی کیونکہ یہ دونوں فرقے اہل بدعت میں سے سب سے زیادہ شریر ہیں، بلکہ بعض سلف نے تو ان کو بہتر فرقوں میں سے بھی باہر نکال دیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان رافضیوں کی وجہ ہی سے شرک اور قبروں کی پوجا شروع ہوئی اور یہی وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں میں مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی محبت جس سے زیادہ ہوگی وہی آپ کی جانشینی کا زیادہ مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ تیسری یہ کہ جب آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا گیا کہ آپ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے فرمائیں تو آنحضرت ﷺ برہم اور ناراض ہوئے یہ واقعہ آپ کے مرض الموت کا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام اور مختصر نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فَقَدْ نَهٰى عَنْهُ فِيْ أٰخِرِ حَيَاتِهٖ ثُمَّ أَنَّهٗ لَعَنَ - وَ هُوَ فِي السِّيَاقِ - مَنْ فَعَلَهٗ وَ الصَّلٰوةُ عِنْدَهَا مِنْ ذٰلِكَ وَ إِنْ لَمْ يُبْنَ مَسْجِدٌ ، وَ هُوَ مَعْنٰى قَوْلِهَا : "خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا"۔

اِس سے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری زندگی میں روکا تھا، پھر آپ موت وحیات کی کش مکش میں تھے کہ یہود و نصاریٰ اور اُس شخص پر جو قبروں میں مسجد بنا کر یا بغیر مسجد بنائے نماز پڑھے' لعنت فرمائی ہے۔ مذکورہ مفہوم اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کہ "خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا" میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ ہم معنیٰ اور ہم مطلب عبارات ہیں۔

صِدّیقِ اکبرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اوّل تھے۔ اہلِ علم کا اس پر کامل اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تریسٹھ برس عمر پاکر ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری میں فوت ہوئے رضی اللہ عنہ

قولہٗ : اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ مِنْ قُبُوْرِ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مندرجہ بالا پر علامہ الخلخالی رحمہ اللہ نے تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ

"یہود و نصاریٰ کے اس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انکار فرمایا ہے' اس کے دو سبب تھے۔

۱۔۔۔۔ پہلا یہ کہ وہ انبیائے کرام کی قبروں کو تعظیمی سجدہ کیا کرتے تھے۔

۲۔۔۔۔ دوسرا یہ کہ وہ انبیاؑ کی قبروں پر نماز پڑھنا باعثِ برکت خیال کرتے تھے اور حالتِ نماز میں ان انبیاؑ کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انبیاؑ کی تعظیم و توقیر کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ایک خاص درجہ حاصل ہو جائے گا۔ پہلی صورت شرک جلی کہلاتی ہے اور دوسری شرک خفی۔ اسی بنا پر وہ لعنت کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

قولہ : فَقَدْ نَهَى عَنْهُ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ :

اَلا وان من كان قبلكم کی شرح میں علامہ خلخالی کے حوالے سے جو تفصیل گزر چکی ہے۔ فقد نهى عنه فى اخر حياته تک جو کہ حدیث جندب میں مذکور ہے اور اس کے بعد جو شرح ذکر ہو رہی ہے وہ تمام شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے منقول ہے۔

قولہ : (ثُمَّ اِنَّهُ لَعَنَ وَهُوَ فِي السِّيَاقِ مَنْ فَعَلَهُ)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی کیفیت میں اس پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں کو مسجدیں اور عبادت گاہ بنالے۔

یہ لفظ بھی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطابق ہی ہیں (جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت دم گھٹنے کے جب لوئی (چادر) اٹھاتے تو فرماتے تھے کہ یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبور کو مسجدیں بنا لیا)

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس درجہ سخت تہدید، شدید وعید اور ان کو ملعون قرار دینے کے بعد ایک مسلمان کا قبروں کی تعظیم کرنا اور ان پر قبے وغیرہ تعمیر کرنا، وہاں جا کر اور خصوصاً انکو مرکز توجہ ٹھہرا کر نماز پڑھنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، یہ لوگ اگر ذرا بھی غور و فکر کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ براہ راست اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

قولہ : (وَالصَّلَاةُ عِنْدَهَا مِنْ ذٰلِكَ وَاِنْ لَّمْ يُبْنَ مَسْجِدٌ)

اس کے پاس نماز پڑھنا بھی اسی میں شامل ہے، خواہ مسجد نہ بھی بنائی جائے۔ یعنی قبروں کے پاس نماز پڑھنا بھی قبروں کو مسجدیں بنانے کے زمرے میں شامل ہے، جن کا فاعل ملعون ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ (قبرستان اور غسلخانہ کے علاوہ ساری زمین مسجد کا حکم رکھتی ہے۔

(رواه احمد واهل السنن وصححه ابن حبان والحاكم)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کو شرک، اسباب شرک اور شرک تک پہنچنے کے ذرائع معلوم ہوں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھی سمجھتا ہوا اس کو اس

بات کا یقین ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے لعنت اور نہی پر جو زور دیا۔" لا تفعلوا " اور" إنی أنہاکم عن ذلک " تو یہ اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں فرمایا۔ بلکہ اس سے مراد ہے شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اللہ کے منع کردہ امور کو انجام دینا اپنی خواہشات کی تکمیل میں زندگی بسر کرنا اور اپنے مالکِ حقیقی کے عذاب سے بے خوف و خطر ہو کر شب و روز گزارنا۔ ایسے شخص کا لاالٰہ الا اللہ میں یا تو بہت معمولی حصہ ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے اس قسم کے تمام ارشادات کا تعلق توحیدِ الٰہی کی حمایت و نصرت سے ہوتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو شرک سے بالکل پاک رکھا جائے، لوگ اس کے غضب کا شکار نہ ہوں اور کسی کو اس کے ہم مثل اور برابر نہ سمجھا جائے تاکہ توحید پر شرک غالب نہ آجائے۔

افسوس کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی اور جن امور سے اس نے روکا تھا، ان کے مرتکب ہوئے۔ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا کہ یہ انبیاء اور صالحین کی تعظیم اور توقیر ہے۔ ان کی عظمت میں جس درجہ شدّت اور غلو اختیار کیا جائے گا اتنا ہی ان کا قرب حاصل ہو گا اور انبیاء و صالحین کے دشمنوں سے بُعد ہو گا۔

امام صاحب فرماتے ہیں۔

بخدا! یہی وہ دروازہ ہے جس سے یغوث، یعوق نسر اور اصنام پرستوں میں شیطان داخل ہوا اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ پس مشرکین میں دو جرم بیک وقت جمع ہو گئے۔

ایک صالحین کی شان میں غلوّ،

اور دوسرا صالحین کے طریقے کی مخالفت۔

اہلِ توحید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا۔ کیونکہ یہ اہل اللہ اور صالحین کے نقشِ قدم پر چلے۔ ان کو اس مقام سے بلند نہ سمجھا جس پر اللہ نے ان کو فائز کیا ہے اور وہ عبدیت کا عظیم مقام ہے جس میں الوہیت کی کوئی بھی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔"

فَإِنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يَكُونُوا لِيَبْنُوا حَوْلَ قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَ كُلُّ مَوْضِعٍ قُصِدَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَقَدِ اتُّخِذَ مَسْجِدًا ۔ بَلْ كُلُّ مَوْضِعٍ يُصَلّٰى فِيْهِ يُسَمّٰى مَسْجِدًا ۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے اردگرد مسجد بنالیں کیونکہ جس جگہ نماز پڑھنا مقصود ہو وہ مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے اُسے مسجد ہی کے نام سے موسُوم کیا جاتا ہے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرک سے روکنے والے صیغہ کو فتنۂ شرک پر محمول کیا ہے، اُن میں امام شافعی، ابوبکر الاثرم، ابومحمد المقدسی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے علاوہ بہت سے ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ شامل ہیں اور یہی تعبیر زیادہ صحیح اور مطابقِ کتاب وسنت ہے۔ اس کی صحت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قولہ : فَإِنَّ الصَّحَابَةَ :

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

قولہ : وَكُلُّ مَوْضِعٍ قُصِدَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ :

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو، اگرچہ وہاں مسجد نہ ہو اور نہ وہاں مسجد تعمیر کرنا مقصود ہو وہ مسجد ہی کہلائے گی ـــــــ جیسا کہ چلتے چلتے کہیں راستے میں نماز کا وقت ہوگیا اور کسی نے وہاں نماز پڑھ لی۔ تو اگرچہ وہاں مسجد نہ تھی اور نہ مسجد بنانے کا ارادہ تھا، لیکن اس مقام کو مسجد ہی کہا جائے گا۔

كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُورًا۔

ولأحمد بسند جيّد عن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعًا إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَ هُمْ أَحْيَاءٌ۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لیے رُوئے زمین کو پاک صاف اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے۔

مسند امام احمد میں بسند جید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بدترین اور شریر لوگ وہ ہوں گے کہ جن کی زندگی میں بڑے بڑے آثارِ قیامت نمودار ہوں گے۔

قولہ : جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُورًا :

آنحضرت ﷺ نے ساری زمین کو مسجد قرار دیا ہے۔ یعنی ہر جگہ نماز پڑھنا درست ہے، بجز ان مقامات کے جن سے آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا۔ جیسے قبرستان اور حمام وغیرہ۔

امام بغوی رحمہ اللہ اپنی تصنیف "شرح السنۃ" میں لکھتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب کو اپنے کنیسہ کے علاوہ اور کہیں بھی نماز و عبادت وغیرہ کی اجازت نہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ البتہ مقبرہ، حمام، اور نجاست والی جگہوں میں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔"

قولہ : مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ :

یعنی قیامت کی بڑی بڑی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہو جائیں گی، جیسے خروج الدابہ

ورواه ابو حاتم فی صحیحه وَ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ ۔

امام ابو حاتمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ (یہ وہ لوگ ہوں گے) جو قبرستانوں میں مسجدیں تعمیر کریں گے۔

مغرب سے طلوعِ شمس، ان علامتوں کے بعد نفخۂ اُولیٰ کی باری آئے گی، جس سے سب مخلوق گھبرا اُٹھے گی۔

قولہ : وَالَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ :

یعنی بدترین لوگوں میں سے دوسرا گروہ وہ ہے جو قبروں میں مسجدیں تعمیر کرتا ہے یعنی قبرستان میں نماز پڑھتا ہے اور خصوصاً قبروں کی طرف منہ کرکے عبادت کرتا ہے۔

اس پر تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے کہ یہ کردار یہود و نصاریٰ کا ہے۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ تاکہ آپ ﷺ کی اُمت بھی اپنے نبی ﷺ اور صلحا کی قبروں پر یہود و نصاریٰ جیسا عمل نہ شروع کردے لیکن افسوس ہے کہ اُمتِ محمدیہ کی اکثریت یہود و نصاریٰ کے کردار کو اپنانے سے ذرہ بھی پیچھے نہیں رہی بلکہ چند قدم آگے ہی نکلی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اس مکروہ اور حرام کام کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھ بیٹھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عمل کی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے دُور ہوگئے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اس کے باوجود اس عمل میں برابر آگے بڑھ رہے ہیں۔

اسلام کی غربت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان مشرکین کے نزدیک ہر اچھے کام کو بُرا اور ہر بُرے کام کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ سُنّت کو بدعت اور بدعت کو سُنّت کا مقام دے دیا گیا ہے اور اس سلسلے کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک اسی راہ گزر پر چلتے ہوئے زندگی بسر ہو رہی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"اس باب میں تمام ائمہ کرام کی صراحت موجود ہے کہ قبروں پر مسجدیں

تعمیر کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ احادیثِ صحیحہ اسی نقطہ نظر کی تائید کرتی ہیں۔"

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس پر شیخ الاسلام احادیث درج کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ انبیاء وصالحین اور بعض بادشاہوں کی قبروں پر جو مساجد نظر آرہی ہیں ان کا انہدام ضروری ہے اور ان کو منہدم کرنے میں کسی صاحبِ علم کو اختلاف نہیں ہے۔"

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

قبروں پر جو بڑے بڑے قبے نظر آرہے ہیں ان کو منہدم کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ ان کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر رکھی گئی ہے اور بعض علمائے شافعیہ رحمہ اللہ نے ان قبوں کے انہدام کا فتویٰ دیا ہے جو قرافہ میں ابن جمیزی اور ظہیر ترمینی وغیرہ کے تعمیر کیے گئے تھے۔

قاضی ابن کج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"قبروں کو چونے سے پختہ کرنا، ان پر قبے تعمیر کرنا، یا قبے تعمیر کرنے کی وصیت کرنا، سب باطل، ممنوع اور حرام ہے۔"

اذرعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"قبروں پر قبے تعمیر کرنا، اس کی وصیت کرنا اور قبروں کی زیبائش وزینت پر مال ودولت خرچ کرنا بالکل حرام ہے۔ اس کی حرمت میں کسی کو شک نہیں ہے۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث

"نَهٰى اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ اَوْ يُبْنٰى عَلَيْهِ" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اس حدیث کے پیشِ نظر امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قبروں کو چونا گچ کرنا یا ان پر کسی قسم کی تعمیر کرنا مکروہ ہے۔"

ان کے علاوہ بعض اس کی اجازت تو دیتے ہیں لیکن یہ حدیث ان کی تردید کرتی ہے۔

ابن رشد، امام مالک کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ

"قبروں پر عمارت تعمیر کرنا اور ان پر کتبے لکھ کر لٹکانا متکبرین کی بدعات میں سے ہے۔ فخر و مباہات اور ریا کی خاطر انہوں نے کتبے وغیرہ لکھ کر اپنے احباب کی قبروں پر لگا دیے تھے۔ اس کے ممنوع اور باطل ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔"

علامہ زیلعی رحمہ اللہ حنفی شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"قبروں پر تعمیرات کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قبروں کو چونے سے پختہ کرنا اور ان پر قبے وغیرہ بنانا ممنوع ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے کو منع فرمایا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ عمل مکروہِ تحریمی ہے۔ ابن نجیمؒ نے بھی کنز کی شرح میں مکروہ تحریمی ہی لکھا ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"مخلوق میں سے کسی کی ایسی تعظیم کرنا جس سے اس کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے میرے نزدیک مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح المہذب اور شرح صحیح مسلم میں قبروں پر ہر قسم کی عمارت بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔

شیخ الحنابلہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا نام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ ہے اور جو المغنی اور الکافی وغیرہ کئی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں۔ لکھتے ہیں:

"قبرستان میں مساجد تعمیر کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی تھی ——— علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصنام کی عبادت اور پوجا کی ابتدا ہی اس بات سے ہوئی

تھی کہ لوگوں نے صالحین کی وفات کے بعد ان کی تعظیم میں غلو سے کام لیا اور ان کی تصاویر بنا کر لٹکا لیں۔ ان کو چومتے چاٹتے رہے پھر وہ عبادت کے وقت ان کو اپنے سامنے رکھ لیا کرتے تھے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"مقبرہ نیا ہو یا پرانا، اس کی تربت بدل گئی ہو یا نہ بدلی ہو، اس کے اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا نہ ہو، چونکہ اس کے اسم اور علت میں عمومیت کار فرما ہے، اس لیے اس کی حرمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مطلق ہے کہ

لُعِنَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ	ان لوگوں کو موجب لعنت ٹھہرایا گیا ہے جو انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بناتے ہیں۔

اور یہ مسئلہ واضح اور معلوم ہے کہ انبیائے کرام کی قبور مبارکہ نجس نہیں ہوتیں۔ جن علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کو مقبرہ کے نجس اور پلید ہونے پر محمول کیا ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے بالکل خلاف اور بعید از قیاس ہے۔ اگر پہلے سے مسجد بنی ہوئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا منع ہے۔ قبر آگے ہو یا پیچھے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلا اختلاف کسی مذہب کے ایسا کرنا معصیت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ	تم سے پہلے لوگ انبیاء اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے۔
اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ	خبردار! میں تم کو قبرستان کو عبادت گاہ بنانے سے منع کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء و صلحاء کی قبروں کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ ان کی قبروں پر مجاور بن کے بیٹھنا اور ان پر مساجد تعمیر کرنا سنگین جرم ہے۔ اگر پہلے سے مسجد نہیں ہے تو بھی قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس لیے کہ نماز کی مخالفت تو قبر کی وجہ سے ہے۔ خواہ مسجد ہو یا نہ ہو، ہر وہ مقام جہاں نماز

ادا کی جائے اُسے مسجد کہا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ

جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا — میری اُمّت کے لیے ساری زمین کو پاک اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے۔

ایک قبر کی جگہ ہو یا زیادہ کی۔ بہرحال جہاں قبر ہو وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیے

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ایک آدھ قبر ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس کو مقبرہ نہیں کہا جاتا

شیخ الاسلامؒ کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب میں سے کسی کے کلام میں یہ فرق مذکور نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے عمومی فرمان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع اور حرام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "میں حمام اور قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع سمجھتا ہوں اور خود بھی نہیں پڑھتا۔"

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ قبر اور اس کے صحن میں نماز پڑھنا حرام ہے

اس طرح جو مسجد قبرستان میں تعمیر ہو چکی ہو، اس میں نماز پڑھنا حرام ہے، خواہ نمازی اور قبر کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو۔

الاثرم رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ اگر مسجد قبرستان کے درمیان واقع ہو تو اس میں فرض نماز جائز نہیں اور اگر مسجد اور قبر کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو تو اس مسجد میں صرف نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد الاثرم نے ابی مرثد کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ[1] — قبرستان کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھا کرو۔

وقال اسنادہ جید

اس سلسلے میں اگر ہم تمام علماء کے کلام کو نقل کریں تو کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی۔

---

[1] مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی۔

بہر حال علمائے اُمّت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو خوب واضح اور منقح کر دیا ہے اور اس غلو اور افراط و مبالغہ سے اُمّت کو آگاہ کر دیا ہے کہ یہی چیز غیر اللہ کی عبادت کا پیش خیمہ ہے۔ جیسا کہ تجربات اور مشاہدات بتاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

معتمد ائمہ کرام کے بعد کچھ اس قسم کے علمائے سُوء پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے اجنبیت برتنا شروع کر دی ہے اور اپنے مزعومہ عقائد کو مشعلِ راہ ٹھہرا لیا ہے۔ اُنھوں نے نصوصِ کتاب و سُنّت پر ایسی قیود لگا دی ہیں کہ جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہی بدل دیا گیا ہے۔

مثلاً ان کے نزدیک آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ عام قبرستان میں کسی قبر پر کوئی عمارت تعمیر کرنا منع ہے۔

اس میں نماز اس لیے ممنوع ہے کہ مُردوں کی پیپ وغیرہ کی وجہ سے یہ جگہ نجس اور پلید ہو جاتی ہے۔

یہ تمام تاویلات کئی ایک وجوہ کی بنا پر غلط اور باطل ہیں۔

۱ــــ نصِ قطعی سے ثابت ہے کہ بغیر علم کے اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنا حرام ہے۔

۲ــــ ان کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کن فرمان اور آپ کی لعنت کی زد میں خاص خاص قبروں پر تعمیرات کرنے والے نہیں آتے۔

یہ سب لغو اور باطل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کوئی چیز مانع نہ تھی، اگر وجہ ممانعت یہی ہوتی تو آپ یوں بھی ارشاد فرما سکتے تھے کہ

مَنْ صَلّٰى فِيْ بُقْعَةٍ نَجِسَةٍ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ

جو ناپاک جگہ پر نماز پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

اِن علمائے سُوء کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وجہ اور علّت بیان فرمائے بغیر اتنی شدّت اختیار کی ہے، جس سے قرون مفضلہ کے بعد آنے والے ائمہ اور اہلِ علم کو دھوکہ لگا اور وہ خواہ مخواہ بلا دلیل باتیں کرنے لگے۔

یہ بھی عقلاً اور شرعاً لغو اور بے اصل بات ہے کیونکہ اس سے تو العیاذ باللہ یہ مترشح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کی کما حقہٗ تبلیغ نہیں کر سکے یا کسی مسئلہ کو بیان کرنے سے عاجز و قاصر رہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: مَا ذَكَرَ الرَّسُوْلُ ﷺ فِيْمَنْ بَنٰى مَسْجِدًا يَّعْبُدُ اللهَ فِيْهِ عِنْدَ قَبْرِ رَجُلٍ صَالِحٍ وَ لَوْ صَحَّتْ نِيَّةُ الْفَاعِلِ۔

یہ انتہائی غلط بات اور آنحضرت ﷺ پر بہتان ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک مسئلہ کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ آپ کو ہر مسئلہ اور عقدۂ مشکل کو سلجھانے کی وہ قدرت اور ملکہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے عقل مند سُن کر حیران رہ جاتے تھے۔ جب لازم باطل قرار پایا تو ملزوم بھی باطل ٹھہرا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس شدّتِ الفاظ اور لعنت کے صرف وہ لوگ مستحق ہیں جو انبیاء کی قبروں پر مساجد تعمیر کرتے ہیں۔ انبیاء کے علاوہ کسی کی قبر پر عمارت تعمیر کرنا یا مسجد بنانا جائز ہے۔

یہ بھی غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ نصوص میں ایسے الفاظ مروی ہیں جو انبیاء اور غیر انبیاء سب کو شامل ہیں۔ اگر یہی وجہ مقصود ہوتی تو کم از کم انبیاء کی قبریں تو اس سے مستثنیٰ ہوتیں۔ انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مطہرہ تو نجاست کے ہر شائبہ سے پاک ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ مسجد تعمیر کرنے کی نہی انبیاءؑ اور دیگر سب لوگوں کی قبور کو شامل ہے۔ کیونکہ نہی کے اسباب وہی ہیں جو ہم علمائے اُمّت کے اقوال سے نقل کر آئے ہیں۔ ہم اس اظہارِ حق اور تبیینِ حُجّت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

① جو بھی کسی صالح اور بزرگ کی قبر کے پاس عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے، اگرچہ اُس کی نیّت صحیح ہو وُہ آنحضرت ﷺ کے تہدیدی فرمان کی زد میں آتا ہے۔

الثانیۃ: أَلنَّهْيُ عَنِ التَّمَاثِيْلِ وَ غِلَظِ الْأَمْرِ فِيْ ذٰلِكَ۔

② کسی صالح شخص کی تصویر بنانے کی حُرمت میں آنحضرت ﷺ کی سخت ترین وعید ہے۔

الثالثۃ: أَلْعِبْرَةُ فِيْ مُبَالَغَتِهٖ ﷺ فِيْ ذٰلِكَ كَيْفَ بَيَّنَ لَهُمْ هٰذَا أَوَّلًا۔ ثُمَّ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِخَمْسٍ قَالَ مَا قَالَ۔ ثُمَّ لَمَّا كَانَ فِي السِّيَاقِ لَمْ يَكْتَفِ بِمَا تَقَدَّمَ۔

③ رسولِ اکرم ﷺ کے شدید تہدیدی کلمات میں عبرت و نصیحت کا یہ پہلو پنہاں ہے کہ ابتداء میں آپ ﷺ نے اِس مسئلہ کی نرم الفاظ میں وضاحت فرمائی اور پھر وفات سے پانچ روز پہلے اس کی سختی سے تردید فرمائی۔ آپ ﷺ نے اسی پر بس نہیں کی (بلکہ وفات کے وقت ایسے لوگوں کو جو قبروں میں مساجد تعمیر کرتے ہیں، ملعون قرار دیا)

الرابعۃ: نَهْيُهٗ عَنْ فِعْلِهٖ عِنْدَ قَبْرِهٖ قَبْلَ أَنْ يُّوْجَدَ الْقَبْرُ۔

④ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی قبر پر تعمیرِ مسجد سے منع فرمایا حالانکہ آپ کی قبر اُس وقت موجود نہ تھی۔

الخامسۃ أَنَّهُ مِنْ سُنَنِ الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى فِي قُبُوْرِ أَنْبِيَآئِهِمْ۔

⑤ قبروں پر مسجد بنانا اور اُن میں عبادت کرنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا۔

السادسۃ لَعْنُهُ إِيَّاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ۔

⑥ اِسی پر رسولِ کریم ﷺ کا یہود و نصاریٰ کو ملعون قرار دینا۔

السابعۃ أَنَّ مُرَادَهُ تَحْذِيْرُهُ إِيَّانَا عَنْ قَبْرِهٖ۔

⑦ رسول اللہ ﷺ کا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرنے کا اصل مطلب یہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر پر اِسی قسم کے افعال کا ارتکاب نہ کریں۔

الثامنۃ اَلْعِلَّةُ فِي عَدَمِ إِبْرَازِ قَبْرِهٖ

⑧ رسول اللہ ﷺ کی قبر کو ظاہر اور کھلا نہ رکھنے کا سبب اور مصلحت۔

التاسعۃ فِي مَعْنٰى إِتِّخَاذِهَا مَسْجِدًا

⑨ قبر کو عبادت گاہ بنانے کے نقصانات کا تفصیل سے جائزہ لینا۔

العاشرۃ أَنَّهُ قَرَنَ بَيْنَ مَنِ اتَّخَذَهَا وَ بَيْنَ مَنْ تَقُوْمُ عَلَيْهِ السَّاعَةُ فَذَكَرَ الذَّرِيْعَةَ إِلَى الشِّرْكِ قَبْلَ وُقُوْعِهٖ مَعَ خَاتِمَتِهٖ۔

⑩ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور اُن بدترین لوگوں کو جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی، ایک ہی مقام دیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے شرک کے وقوع سے پہلے ہی اُسکے اسباب پہ روشنی ڈال دی۔

الحادیۃ عشرۃ ذِكْرُهُ فِي خُطْبَتِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِخَمْسٍ- اَلرَّدُّ عَلَى الطَّآئِفَتَيْنِ اللَّتَيْنِ هُمَا أَشَرُّ أَهْلِ الْبِدَعِ بَلْ أَخْرَجَهُمْ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الثِّنْتَيْنِ وَ السَّبْعِيْنَ فِرْقَةً وَ هُمُ الرَّافِضَةُ وَ الْجَهْمِيَّةُ وَ بِسَبَبِ الرَّافِضَةِ حَدَثَ الشِّرْكُ وَ عِبَادَةُ الْقُبُوْرِ وَ هُمْ أَوَّلُ مَنْ بَنَى عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ۔

⑪ رحمتِ عالم ﷺ نے وفات سے صرف پانچ روز قبل اس فتنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرمایا۔ اہلِ بدعت کے سب سے زیادہ شریر دو فرقوں کی تردید اور بعض اہلِ علم نے تو اِن کو بہتر فرقوں سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ اِن دو فرقوں میں ایک رافضی اور دوسرا جہمیہ ہے۔ خصوصاً رافضیوں کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبروں کی عبادت کے فتنے نے جنم لیا اور یہی وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

الثانیۃ عشرۃ مَا بُلِيَ بِهِ ﷺ مِنْ شِدَّةِ النَّزْعِ

⑫ اِس باب میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ رحمتِ دو عالم ﷺ کو وفات کے وقت بہت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔

الثالثۃ عشرۃ مَا أُكْرِمَ بِهِ مِنَ الْخُلَّةِ۔

⑬ رسولِ اکرم ﷺ کو خُلّت کی عظمت و بزرگی سے نوازا گیا ہے۔

الرابعۃ عشرۃ أَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّهَا أَعْلَى مِنَ الْمَحَبَّةِ

⑭ اِس بات کی وضاحت کہ خُلّت کا مقام محبّت سے اونچا ہے۔

الخامسۃ عشرۃ أَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّ الصِّدِّيقَ أَفْضَلُ الصَّحَابَةِ۔

⑮ اِس بات کی بھی تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

السادسۃ عشرۃ أَلْإِشَارَةُ إِلَى خِلَافَتِهِ۔

⑯ رسولِ اکرم ﷺ کا اپنی زندگی میں ہی صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمانا۔

باب ماجاء

ان الغلو فی قبور الصالحین یصیرها اوثانا تعبد من دون اللہ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کو بتوں کی حیثیت دے دی جاتی ہے اور پھر اُن کی بھی پرستش ہونے لگتی ہے

روی مالك فی الموطا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ
قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ اپنی کتاب مؤطا میں روایت کرتے ہیں کہ رسُولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنانا جسے لوگ پُوجنا شروع کردیں۔

قولهٗ : رَوٰی مَالِكٌ فِی الْمُوَطَّا :

○ — امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن اسلم عن عطاء بن یسار یہ حدیث مرسلاً نقل کی ہے۔

○ — مصنّف ابن ابی شیبہ میں ابن عجلان عن زید بن اسلم مروی ہے۔ اس میں عطاء بن یسار کا ذکر نہیں ہے۔

○ — اور البزار نے عن زید عن عطاء عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت نقل کی ہے۔

○ — مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع یوں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ	اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنانا۔
وَثَنًا لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا	اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کو ملعون قرار دیا
قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ	ہے جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مختصر نسب نامہ یہ ہے۔

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الاصبحی۔

آپ کی کنیت ابوعبداللہ المدنی تھی۔ چار مشہور ائمہ میں سے ایک ہیں۔ حدیثِ نبوی سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”اعلیٰ پایہ کی صحیح سند وہ ہے جو مالک عن نافع عن ابن عمر مروی ہو“

امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے یا ایک قول کے مطابق ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور بقول واقدی نوے سال کی عمر پاکر ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے کیسے قبول فرمایا؟ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ

فاجاب رب العالمین دعاءہ　　واحاطہ بثلاثۃ الجدران
حتی غدت ارجاءہ بدعائہ　　فی عزۃ وحمایۃ وصیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ ﷺ کی قبر کو تین دیواروں میں چھپا دیا ہے اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کے اطراف کو آپ کی دعا کی وجہ سے اللہ رب العزت نے اپنی خاص رحمت اور حفاظت وصیانت میں لے لیا ہے۔

زیر بحث حدیث کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کو پوجا جاتا تو وہ بہت بڑا وثن بن جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قبر انور کو اس طرح محفوظ فرمایا ہے کہ وہاں تک پہنچنا کسی بادشاہ کے اختیار میں بھی نہیں رہا۔

حدیث مذکورہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وہی قبر، وثن کہلاتی ہے جسے قبروں کے پجاری اپنے ہاتھوں سے چومنا چاٹنا شروع کر دیں یا ان کے تابوتوں سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کریں۔ افسوس کہ آج کل قبروں کی تعظیم اور ان کی عبادت کا فتنہ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ الامان والحفیظ۔

اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَةٌ	اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب
يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ وَيَنْشَأُ	تمہیں ایسا فتنہ آدبوچے گا جس میں جوان
فِيهَا الصَّغِيرُ تَجْرِي عَلَى	بوڑھا ہو جائے گا اور چھوٹا بڑا ہو جائے گا
النَّاسِ يَتَّخِذُونَهَا سُنَّةً	فتنہ لوگوں میں راہ پالے گا اور لوگ اُسے
اِذَا غُيِّرَتْ قِيلَ غُيِّرَتِ	سُنّت سمجھ لیں گے کہ جب وہ بدل جائے
السُّنَّةُ	گا تو لوگ کہیں گے سُنّت بدل گئی ہے

اِسی فتنے کے خطرے کے پیشِ نظر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے آثار کے تتبع سے لوگوں کو روکا تھا۔

ابن وضاح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عیسیٰ بن یونس کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُس درخت کو جڑ سے کاٹ پھینکنے کا حکم صادر کیا جس کے نیچے بیٹھ کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر لوگوں سے بیعت لی تھی۔ اس درخت کو اس لیے کاٹ ڈالا گیا کہ لوگوں نے وہاں جا کر اُس کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرک کا فتنہ پھیلنے کے خدشے کی وجہ سے اس کو کٹوا دیا۔"

معرور بن سوید رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دفعہ مکۃ المکرمہ کے راستہ میں صبح کی نماز ادا کی۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ گروہ در گروہ کہیں جا رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔؟ جواب دیا گیا کہ اے امیر المؤمنین! یہاں کسی مقام پر کوئی مسجد ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔ یہ لوگ وہاں جا کر نماز پڑھنا باعثِ برکت سمجھتے ہیں اس لیے وہاں جا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ہم سے پہلے بہت سی قومیں اسی لیے تباہ ہو گئی تھیں کہ وہ اپنے انبیاء کے آثار کی تلاش میں رہتی تھیں اور پھر اس جگہ کو کنیسہ بنا لیتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اچانک ایسی جگہ پر نماز کا وقت آ جائے تو وہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ورنہ وہاں سے گزر جانا چاہیے۔ لیکن عمداً اور جان بوجھ کر وہاں جانے کا ارادہ نہ کرنا چاہیے۔"

مغازی ابن اسحٰق میں یونس بن بکیر کے اضافوں کے سلسلے میں ابو خلدہ خالد بن دینار سے مروی ہے کہ ابو العالیہ نے ہمیں مندرجہ ذیل عجیب و غریب واقعہ سنایا، فرماتے ہیں:

"جب ہم نے تُستَر فتح کیا تو ہرمزان کے مال میں جہاں اور بہت سی اشیاء دستیاب ہوئیں وہاں ایک چارپائی بھی ملی جس پر ایک شخص کی لاش تھی اور اُس کے سرہانے ایک مصحف رکھا ہوا تھا۔ ہم اسے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ کہنے لگے میں نے اس کو اس طرح پڑھ کر سنایا جیسا کہ ہم قرآن پڑھا کرتے ہیں۔

خالد بن دینار: اُس مصحف میں کیا لکھا ہوا تھا۔؟

ابوالعالیہ بولے ، تمہاری سیرت ، تم ہی جیسے امور و احکام اور تمہارے ہی جیسی خوش الحانی اور اس کے علاوہ بہت سی آئندہ پیش آنے والی باتیں۔

خالد بن دینار نے سوال کیا، تم نے اُس شخص کی لاش کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

ابوالعالیہ : ہم نے دن کی روشنی میں مختلف تیرہ قبریں کھودیں اور پھر رات کی تاریکی میں ہم نے اس میت کو ایک قبر میں دفن کر کے تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ وُہ کس قبر میں مدفون ہے مبادا اس کو اکھاڑ پھینکیں۔

خالد بن دینار : لوگ اس سے کیا توقع رکھتے تھے

ابوالعالیہ : جب بارش رُک جاتی تو اس کی چارپائی کو باہر نکال لاتے تو بارش ہوجاتی۔

خالد بن دینار : اس لاش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ وُہ کون تھا ؟

ابوالعالیہ : ایک شخص کی لاش تھی جنھیں دانیال کہا جاتا ہے۔ (علیہ السلام)

خالد بن دینار : تمہاری رائے میں اُن کو فوت ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہوگا ؟

ابوالعالیہ : تین[1] سو سال کے قریب۔

خالد بن دینار : جسم میں کسی قسم کی تبدیلی تو نہیں ہوئی تھی۔ ؟

ابوالعالیہ : ہرگز نہیں۔ صرف گدّی کے قریب چند بال متغیر ہوگئے تھے۔ کیونکہ انبیاء کے جسموں کو زمین خراب نہیں کرسکتی۔

اس واقعہ کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

" مہاجرین اور انصار مجاہدین صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کو اس لیے برابر اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ شرک و بدعت کے فتنے میں گرفتار نہ ہوجائیں اور اس لیے بھی قبر کو ظاہر نہیں کیا تاکہ لوگ یہاں آکر دعا اور تبرک حاصل نہ کرسکیں۔ کیونکہ اگر قبر کو نمایاں اور ظاہر کر دیا جاتا تو بعد میں آنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی پوجا شروع کر دیتے اور اگر متاخرین

---

[1] ثلثمائۃ (تین سو سال) کہنا درست نہیں، یہ ثمانمائۃ (یعنی آٹھ سو برس) ہوسکتا ہے اور غلطی سے ثلاثمائۃ لکھا گیا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ۵۷۰ برس ہیں اور ان کے درمیان زمانہ فترۃ ہے جس میں کوئی پیغمبر نہیں آیا، اگر دانیال پیغمبر تھے تو آٹھ سو برس کہنا درست معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ کوئی اور بزرگ تھے تو وُہ نبی نہیں بن سکتے، جو العالیہ کی تصریح نبوت کے برعکس ہے، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ یہاں ثمانمائۃ ہے، واللہ اعلم۔ ۱۲ (لجنۃ المراجعۃ)

إِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔

اُن اقوام پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوا جنھوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا۔

قبر کو ظاہر کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اس پر تلواروں سے جنگ شروع ہو جاتی اور پھر اللہ تعالیٰ کے سوا قبر کی پوجا شروع ہو جاتی "

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ نظر دعائیہ جملہ میں لوگوں کو روکا گیا ہے کہ وہ آپؐ کی قبر پر حاضری دے کر طرح طرح کی بدعات اور شرکیہ اعمال میں نہ پھنس جائیں۔ کیونکہ جو شخص کسی ایسی جگہ پر جاتا ہے جہاں شارع علیہ السلام نے جانے کا ارشاد نہیں فرمایا کہ وہاں جا کر اللہ تعالےٰ سے خیر و برکت کا طالب ہو، یا نماز پڑھے، یا دعا کرے۔ یا قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، یا کسی قسم کا ذکرِ الٰہی کرے، یا کوئی اور عمل صالح کرنے کا ارادہ کرے، تو شریعت مطہرہ اسے باطل اور معصیت قرار دیتی ہے، البتہ اگر اتفاقیہ وہاں سے گزر ہو تو اپنے لیے اور اُن کے لیے خیر و عافیت کی دُعا کرے، ان کی سلامتی کی دُعا کرے، جیسا کہ طریقہ سُنّت ہے۔

اس نیت سے جانا کہ بہ نسبت دُوسری جگہوں کے وہاں دُعا جلد قبول ہوگی تو یہ ممنوع ہے

قولہ : اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ قبروں پر قبہ تعمیر کرنا ۔ یا وہاں جا کر نماز پڑھنا حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

علامہ طبری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرہ آفاق تصنیف " القری لقاصد ام القری " میں رقمطراز ہیں کہ :

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد امام سے ذکر کرتے ہیں کہ یہ کہنا مکروہ ہے کہ :

زُرْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔

اور اس کی علت یہ بتائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ" یعنی کسی لفظ کو قبر کی طرف منسوب کرنا مکروہ ہے تاکہ یہود و نصاریٰ کے کردار سے مشابہت نہ ہو جائے یہ رائے شرک و بدعت کا راستہ بند کرنے کی خاطر اختیار کی گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"امام مالک رحمہ اللہ نے تابعین کا دور دیکھا ہے اور وہ لوگ اس مسئلہ کی حقیقت کو بعد میں آنے والے علماء سے زیادہ صحیح سمجھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ تابعین کے دور میں یہ لفظ معروف نہ تھا کہ کوئی شخص یہ کہے زُرْتُ قَبْرَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم" بلکہ لوگ اس اندازِ بیان کو مکروہ گردانتے تھے۔ لفظِ زیارت سے زیارتِ بدعیہ مراد لیتے تھے، زیارت بدعیہ یہ ہے کہ کوئی شخص نیت سے کسی کی قبر کے پاس جائے کہ وہ صاحبِ قبر سے کچھ طلب کرے گا۔ یا اس سے دعا کی خواہش کرے یا اس سے کسی تکلیف کو رفع کرنے یا رفع حاجات کی درخواست کرے، جیسا کہ آج کل اکثر لوگ کرتے ہیں۔

یہ نیت اور عقیدہ رکھنا تمام ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع ہے اور شریعت اسلامیہ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ایسے مجمل لفظ کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے جس سے غلط مفہوم مراد لیا جا سکے۔

البتہ اہلِ قبور کے لیے دعائے مغفرت کی نیت سے جانا ممنوع نہیں۔

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّھَا تُذَکِّرُ الْاٰخِرَۃَ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے تھے۔

فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ میں کفار اور مشرکین کی قبریں بھی آجاتی ہیں۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہاں جا کر اہلِ قبر سے دعا کی خواہش کی جائے یا اس سے کچھ مانگا جائے

و لابن جرير بسنده عن سفيان عن منصور عن مجاهد :

"أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى" قَالَ: "كَانَ يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيقَ فَمَاتَ فَعَكَفُوا عَلَى قَبْرِهِ"۔

علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ آیتِ کریمہ "أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى" میں مذکور اللّات کے بارے میں مجاہد رحمہ اللہ کا قول اپنی سند سے عن سفیان عن منصور نقل کرتے ہیں کہ

"لات حجاجِ کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ فوت ہو گیا تو لوگ اسکی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے۔"

یا استغاثہ کیا جائے جیسا کہ اہلِ بدعت اور مشرک کرتے ہیں بخصوصاً انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کی قبروں پر جاتے وقت خاص خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر لوگ ان کی قبروں کی زیارت سے زیارت بدعیہ شرکیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر امام مالک رحمہ اللہ نے مجمل لفظ کے استعمال کو مکروہ جانا ہے۔ لیکن جہاں شرک کا یہ خطرہ نہ پایا جائے وہاں ایسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہیں۔"

مصنف رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات سے پناہ مانگی ہے جس سے خطرہ محسوس فرمایا۔"

قولہ : وَلِابْنِ جَرِيْرٍ :

حافظ محمد بن جریر بن یزید الطبری مراد ہیں۔ جن کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

——— تفسیر ابن جریر الطبری

——— کتاب التاریخ

——— کتاب الاحکام

ابن جریر رحمہ اللہ کے متعلق ابن خزیمہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں

لَا أَعْلَمُ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ محمد بن جریر سے زیادہ عالم روئے زمین

أَعْلَمَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَرِيْرٍ پر میرے علم میں کوئی شخص نہیں۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ خود مجتہد تھے کسی کی تقلید نہ کرتے تھے ان کے ملنے والے بہت سے فقہاء تفریع مسائل میں ان کے اجتہاد کا تتبع کرتے اور ان کے اقوال سے حجت پکڑتے تھے۔

ابن جریر ۲۲۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ماہ شوال کے دو روز باقی تھے کہ ۳۱۰ ہجری میں اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔

قولہ : عَنْ سُفْيَانَ :

ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

سفیان بن سعید بن مسروق الثوری مراد ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی کوفہ سے تعلق رکھتے تھے، بہت بڑے ثقہ، امام، فقیہ، حافظ، عابد اور مجتہد تھے۔ ان کے بے شمار شاگرد ان کی فقہ پر اعتماد کرتے تھے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ اپنی عمر کی چوسٹھ بہاریں دیکھ کر ۱۶۱ ہجری میں فوت ہوئے۔

قولہ : عَنْ مَنْصُوْرٍ :

منصور بن المعتمر بن عبد اللہ السلمی مراد ہیں۔ ثقہ اور اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ ۱۳۲ ہجری میں وفات پائی۔

قولہ : عَنْ مُجَاهِدٍ :

مجاہد بن جبر ابوالحجاج المخزومی مراد ہیں۔ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ تفسیر کے موضوع میں امام شمار ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔

بقول یحییٰ قطان ۱۰۴ ہجری میں فوت ہوئے۔

ابن حبان کی روایت کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سنہ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۲ ہجری یا ۱۰۳ ہجری میں بحالت سجدہ وفات پائی۔

قولہ : كَانَ يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيْقَ :

سعید بن منصور کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ

وكذا قال ابو الجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
"كَانَ يَلُتُّ السَّوِيقَ لِلْحَاجِّ"۔

ابن الجوزاء رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا ہے کہ لات حجاجِ کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔

فَيُطْعِمُ مَنْ يَمُرُّ مِنَ النَّاسِ فَلَمَّا مَاتَ عَبَدُوهُ وَقَالُوا، هُوَ اللَّاتُ

جو شخص اس کے پاس سے گزرتا اسے کھانا کھلاتا اور ستو پلاتا جب یہ فوت ہوگیا تو لوگوں نے اس کی پوجا شروع کردی اور اللات کے نام سے مشہور کردیا۔

زیرِ بحث روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ لوگ اس شخص کی سخاوت دیکھ کر، اس کی محبت میں غلو کا شکار ہوگئے اور نوبت بایں جا رسید کہ اس کی عبادت شروع ہوگئی اور پھر اس کی قبر مشرکینِ عرب کا بہت بڑا وثن اور بُت بن گئی۔

قولہٗ : وكذا قال ابو الجوزاء

ان کا پورا نام یہ ہے۔

ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ الربعی رحمہ اللہ

ابوالجوزاء ۸۳ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام بخاری فرماتے ہیں۔ حدثنا مسلم وھو ابن ابراہیم حدثنا ابوالاشہب حدثنا ابوالجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال۔

كَانَ اللَّاتُ رَجُلاً يَلُتُّ سَوِيقَ الْحُجَّاجِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لات وہ شخص تھا جو حجاج کرام کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔

ابن خزیمۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ العزّیٰ کی بھی اسی طرح پوجا ہوتی تھی۔ العزّیٰ ایک درخت

وعن ابن عبّاس رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔
رَوَاہُ أَھْلُ السُّنَنِ۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ اور اُن لوگوں کو بھی ملعون قرار دیا جو قبروں میں مسجدیں بناتے اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔ اِس حدیث کو اہلِ سُنن نے روایت کیا ہے۔

کا نام تھا جس کے اوپر عمارت تعمیر کر دی گئی تھی اور اسے پردوں سے مزیّن کر دیا گیا تھا۔ یہ درخت وادی نخلہ[1] میں تھا جو طائف اور مکہ مکرمہ کے درمیان واقع ہے۔ قریش اس درخت کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ احد کے موقع پر ابوسفیان نے مسلمانوں کو للکارتے ہوئے کہا تھا کہ

"لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ" ہمارا تو عزّیٰ معبود ہے اور تمہارا کوئی عزّیٰ نہیں۔

قولہ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس باب میں دو حدیثیں منقول ہیں۔

۱ —— ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

۲ —— اور دوسری حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث مسند امام احمد اور ترمذی میں موجود ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور حسّان بن ثابت والی حدیث ابن ماجہ میں بایں الفاظ منقول ہے کہ

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ — رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو ملعون قرار دیا جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔

---

[1] وادی نخلہ کو آج کل السیل الکبیر کہتے ہیں۔ (مترجم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث کی سند میں حضرت امّ ہانی کے غلام ابو صالح ہیں، جنہیں بعض محدثین نے ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابو صالح کے متعلق علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ

"اپنے اصحاب میں سے میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا، جس نے کہ ام ہانی کے غلام ابو صالح کو ترک کر دیا ہو اور میں نے کسی کو ان پر تنقید کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ شعبہ، زائدہ اور عبداللہ بن عثمان جیسے محدثین نے اسے ترک نہیں کیا۔"

ابو صالح کے بارے میں ابن معین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ

ان وجوہ کی بنا پر ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ابو صالح کی روایات کو نقل کیا ہے۔

ماخوذ از الذھب الابریز۔ للحافظ المزی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"یہ حدیث دو واسطوں سے منقول ہے۔

۱ــــ ایک حضرت ابو ہریرہ سے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان کی زیارت کرنے والی مستورات پر لعنت کی ہے۔

۲ــــ دوسرا واسطہ یہی زیر نظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں کے راوی مختلف ہیں اور دونوں روایتوں میں کوئی ایک راوی بھی متھم بالکذب نہیں پایا گیا اور اس قسم کی روایات باتفاقِ محدثین حجت ہیں اور یہ روایات ان حسن روایات میں سے ہیں جو امام ترمذی کی شروطِ صحت کے مطابق ہیں، کیونکہ امام ترمذی حسن کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ

"جو حدیث کئی واسطوں سے منقول ہو اور کسی بھی روایت میں کوئی ایک شخص بھی متھم بالکذب نہ ہو اور نہ وہ شاذ ہو، یعنی اس روایت کے صریح مخالف ہو جو ثقہ راویوں سے منقول ہے۔ اُسے حسن کہتے ہیں۔"

پس زیر بحث حدیث کئی واسطوں سے مروی ہے۔ اس میں کوئی ایک بھی راوی متہم بالکذب نہیں پایا گیا اور نہ یہ حدیث کسی دوسری صحیح حدیث کے مخالف ہی ہے۔ البتہ اگر یہ روایت ایک ہی راوی سے مروی ہوتی تو اس میں غور وفکر کیا جاتا لیکن یہ تو کئی راویوں سے منقول ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث رواۃ کے حلقوں میں مشہور ومعروف تھی۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا سہارا لے کر عورتوں کو قبرستان جانے کی رخصت دے دی ہے، تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لے گئیں اور قبر پر کھڑی ہو کر کہنے لگیں کہ

لَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ	(اے بھائی!) اگر میں تمہاری وفات کے وقت تمہارے پاس ہوتی تو تمہاری قبر کی زیارت نہ کرتی۔

اس روایت سے بھی عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت مستحب ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ مردوں کے لیے مستحب ہے۔ کیونکہ اگر عورتوں کے لیے بھی قبروں کی زیارت مستحب ہوتی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی قبر کی زیارت پر اس معذرت کا اظہار نہ کرتیں۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی رخصت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔

زیر بحث حدیث کا مذکورۃ الصدر سیاق، عبداللہ بن ابی ملیکہ کے سیاق کے بھی مخالف ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے واپس تشریف لا رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا ہے۔؟"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بولیں۔ ہاں۔ معلوم ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اجازت دے دی تھی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مندرجہ بالا حدیثِ عائشہ صدیقہ کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"عورتوں کے لیے رخصت کا جواز حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نہیں ملتا۔ کیونکہ عدم رخصت پر جو دلیل پیش کی گئی ہے، وہ نہی کی عمومیت ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مندرجہ ذیل قول سے منسوخ خیال کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول یہ ہے کہ

"قد امر بزیارتھا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں عورتوں کو بھی زیارت کی اجازت دے دی تھی۔ اس میں نہی خاص کا ذکر نہیں کیا گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو جو قبر کی زیارت کے لیے جاتی ہیں، ملعون قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث میں جو زیارت کا حکم ہے وہ استحباب پر دلالت کناں ہے۔ جو صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔ کیونکہ اگر اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہوتیں تو مردوں کی طرح عورتیں بھی زیارت کے لیے جایا کرتیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی کہ "لَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو ملعون قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا قبر کی زیارت کی نیت سے جانا حرام ہے۔

"فزوروھا" میں جو خطاب ہے۔ وہ صرف مردوں سے ہے۔ عورتوں سے نہیں ہے۔ یعنی عورتیں اس زیارت قبور کی اجازت میں شامل نہیں ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ وہ عام حکم جو خاص کے بعد آئے خاص کو منسوخ نہیں کرتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ اصحاب احمد رحمہ اللہ کے ہاں یہی مشہور اور معروف ہے اور یہ بات بھی واضح رہے کہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عام حکم، خاص حکم کے بعد دیا گیا تھا بلکہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو قبروں کی زیارت کی اجازت دینے کے بعد فرمایا ہو کہ

لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ

اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو قبرستان کی زیارت کے لیے جاتی ہیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زوارات القبور کو ان لوگوں کے ساتھ شمار کیا ہے جو قبروں پر مساجد تعمیر کرتے ہیں اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ قبروں پر مساجد بنانا اور چراغاں کرنا محکم و واضح ارشادات نبویہ سے ممنوع ہے جس پر صحیح احادیث گواہ ہیں۔ صحیح موقف یہ ہے کہ زیارت قبور کی اجازت میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔

۱ —— ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں کہ "فَزُوْرُوْهَا" اگرچہ مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے لیکن اس میں بر سبیل تغلب عورتیں بھی شامل ہیں۔ لیکن اس میں دو قول ہیں۔

—— ایک یہ کہ تغلیب کی صورت میں عورتوں کو اس حکم میں شامل کرنے کے لیے علیحدہ دلیل بھی ہونی چاہیے تاکہ تغلیب کی تائید فراہم ہو سکے۔

—— دوسرا قول یہ کہ عورتیں اس حکم کے عموم میں داخل ہیں۔ اس صورت میں عورتیں بھی زیارت قبور کی اجازت میں شامل سمجھی جائیں گی لیکن عموم و اطلاق سے استدلال کمزور ہوتا ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ حکم خاص سے متعارض ہو ظاہر ہے کہ حکم عام حکم خاص کو منسوخ قرار نہیں دے سکتا۔

اگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہوتیں تو ان کے لیے بھی زیارت قبور مستحب ہوتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ تو آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں اور نہ خلفائے راشدین کے مقدس دور میں عورتیں زیارت قبور کے لیے جایا کرتی تھیں۔

۲ —— دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مردوں کو اجازت دینے کی علت اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ —— قبروں کی زیارت

يُذَكِّرُ الْمَوْتَ وَيُرِقُّ الْقَلْبَ وَتُدْمِعُ الْعَيْنَ — موت یاد دلاتی ہے۔ دل کو نرم کرتی ہے اور آنکھوں کو پُرنم کرتی ہے۔

(مسند احمد)

اور تجربہ سے بات ثابت ہے کہ اگر عورت کے لیے یہ اجازت دیدی جائے تو وہ اپنی فطری کمزوری کے باعث جزع فزع اور بین کرنے سے باز نہیں رہ سکتی جس کا حرام ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

اس طرح عورتوں کا قبروں کی زیارت کے لیے جانا گویا حرام کاموں میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتا تھا اور ظاہر ہے کہ کوئی ایسی حد نہیں مقرر کی جاسکتی جس کی بنا پر عورتیں جزع فزع ایسے حرام کاموں سے بچ سکیں۔ اسی لیے ان کو بالکل روک دیا گیا۔ شریعت کا اصول بھی یہی ہے کہ کسی فعل کی حکمت پوشیدہ ہو یا ظاہر حکم کا اطلاق مظنہ کی بنا پر آتا ہے۔ تاکہ نہ صرف اس برائی کو روکا جاسکے بلکہ وہ ذرائع و وسائل جو عام طور پر اس برائی کی طرف لے جاتے ہیں ان سے بھی روک دیا جائے۔

بطور مثال اس کو یوں سمجھئے کہ کسی اجنبی عورت کی زیب و زینت دیکھنا یا اس سے خلوت میں باتیں کرنا حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے زنا میں مبتلا ہونے کا مظنہ یا خطرہ ہوتا ہے

یوں بھی عورتوں کی زیارتِ قبور کے سلسلہ میں کوئی ایسی مصلحت نہیں ہے جو اس عقیدہ یا خطرہ کے منافی ہو کیونکہ زیارت قبور کا مقصد وحید یہی تو ہے کہ میّت کے لیے دعا اور استغفار کیا جائے اور یہ گھر میں بھی ممکن ہے۔

بعض علما نے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے کو بھی زیارتِ قبور کی طرح ناجائز ٹھہرایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے کہ

اِرْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ فَإِنَّكُنَّ تَفْتِنَّ — تم گھروں کو لوٹ جاؤ، تم لوگوں کی نظروں کا ہدف بنتی ہو اس لیے تمہیں جنازے کے

اَلْحَیَّ وَ تُؤْذِیْنَ الْمَیِّتَ — ساتھ چلنے پر کوئی اجر نہیں ملے گا تم زندہ افراد کے لیے فتنہ اور فوت شدہ افراد کے لیے اذیت اور تکلیف کا ذریعہ بنتی ہو۔

ایک موقع پر آپؐ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ

اَمَا اِنَّكِ لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدٰى لَمْ تَدْخُلِي الْجَنَّةَ — اگر تم ان کے ساتھ قبرستان تک چلی جاتیں تو جنت میں نہ جا سکتیں۔

مندرجہ ذیل صحیحین کی روایات مذکورۃ الصدر احادیث کی تائید کرتی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ

اَنَّهٗ نَهَى النِّسَاءَ عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ — آپؐ نے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا۔

اور ایک روایت میں یوں ارشاد نبویؐ ہے۔

مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَلَهٗ قِيْرَاطٌ وَمَنْ تَبِعَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ — جو شخص صرف نمازِ جنازہ پڑھتا ہے اسے ایک قیراط اور جو تدفین تک ساتھ رہتا ہے اسے دو قیراط اجر ملتا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ مندرجہ بالا ارشاد نبویؐ میں لفظ "مَنْ" مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ لیکن صحیح احادیث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس عموم میں مستورات داخل نہیں ہیں کیونکہ آنحضرتؐ نے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع فرما دیا ہے۔

پس جب اس عموم میں عورتیں داخل ہی نہیں تو زیارت قبور میں بطریق اولیٰ داخل نہ ہوں گی۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ زیارت قبور کی اجازت صرف مردوں کے لیے خاص ہے کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ

لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ — اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔

نہی عام تھی، اس سے مردوں کو خاص کر دیا گیا۔
جو لوگ نسخ سے استدلال کرتے ہیں کہ عورتوں کو بھی اجازت ہے۔ ان کو کئی جواب دیے جا سکتے ہیں۔
پہلا جواب تو یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو فعل نقل کیا گیا ہے وہ اُن کی اپنی روایات کے خلاف ہے لہٰذا نسخ کیسے ثابت ہوا۔ ؟
دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی صحابی کا قول یا اس کا اپنا فعل حدیث نبوی کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف رونما نہیں۔
رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہنا کہ جب تم قبر کی زیارت کے لیے جاؤ تو کیا کلمات استعمال کرنا چاہیے ؟
تو یہ قول مندرجہ بالا تین صحیح احادیث کا ناسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاکید اور سخت وعید سے پہلے یہ تعلیم دی ہو۔
محمد بن اسماعیل الصنعانی رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف "تطهیر الاعتقاد" میں فرماتے ہیں کہ

"یہ بڑے بڑے قبے اور میلے جو الحاد اور شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں ہیں۔ ان کو تعمیر کرنے والے بڑے بڑے بادشاہ، سلاطین، رؤسا اور والیانِ ریاست ہی تو تھے۔
انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے قبے بنائے۔ یا ان لوگوں کی قبروں پر قبے تعمیر کیے جن کے متعلق یہ ملوک اور سلاطین حُسنِ ظن رکھتے تھے جیسے کوئی فاضل، یا عالم، یا صوفی، یا فقیر، یا کوئی بہت بڑا بزرگ۔
جو لوگ ان کو جانتے تھے وہ تو ان کی قبروں کی زیارت اس نیت سے کرتے تھے کہ ان کے لیے دعا اور استغفار کریں یہ لوگ ان کے نام کی قطعاً دہائی نہ دیتے تھے اور نہ ان کو وسیلہ ہی خیال کرتے تھے۔ بلکہ ان کے لیے دعا کرتے اور بخشش مانگتے۔ لیکن ان اصحابِ قبور کو جاننے والے جب خود فوت ہو گئے تو بعد میں آنے والوں نے دیکھا کہ قبر پر ایک شاندار قبہ تعمیر ہے جس پر چراغاں بھی ہوتا ہے اور نہایت قیمتی فرش بچھایا گیا ہے اور قبر پر اعلیٰ قسم کے کپڑے کے پردے لٹک رہے ہیں اور قبر کو

ہاروں اور پھولوں سے خوب لادا اور سجایا گیا ہے۔ اس پر انھوں نے سوچا کہ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ان سے کوئی نفع حاصل کیا جائے یا کسی مصیبت سے نجات حاصل کی جائے اور یہ ان قبوں کے مجاور ان قبروں کے متعلق طرح طرح کے افسانے تراشتے ہیں یعنی فلاں وقت یہ ہوا اور فلاں زمانے میں وہ ہوا۔ فلاں شخص کی تکلیف دُور ہوگئی اور فلاں شخص کو اتنا نفع ہوا حتیٰ کہ سادہ لوح عوام کے دلوں میں جھوٹا، من گھڑت اور شرکیہ عقیدہ گھر کر جاتا ہے۔

حالانکہ صحیح اور درست مسئلہ وہی ہے جو احادیثِ نبویہ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو شخص قبروں پر چراغاں کرتا ہے۔ یا ان پر کوئی تحریر لکھ کر لٹکاتا ہے۔ یا قبر پر کسی قسم کی تعمیر کرتا ہے وہ عند اللہ ملعون قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور معروف ہیں، جن کی روشنی میں مندرجہ بالا اعمال قبر پر ممنوع اور حرام ٹھہرائے گئے ہیں اور عظیم خطرہ کا ذریعہ اور سبب بھی ہیں۔"

مندرجہ بالا عبارت پر غور کرنے سے اس حدیث کا باب کے ساتھ تعلق از خود سمجھ میں آجاتا ہے۔

قولہ : وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ :

حدیث کے اس جملہ کی شرح بابِ سابق میں گزر چکی ہے۔

قولہ : اَلسُّرُجُ :

ابو محمد المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اگر قبروں پر چراغاں کرنا جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چراغاں کرنے والے پر لعنت کیوں فرماتے۔؟ اس میں دو خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

۱ــــ بغیر کسی فائدہ کے مال ضائع ہوتا ہے۔

۲ــــ قبر کی تعظیم میں افراط اور غلو پایا جاتا ہے۔ جو بت پرستوں کی تعظیم کے مشابہ ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ تَفْسِيرُ الْأَوْثَانِ۔

① اوثان کی تشریح و توضیح۔

الثانیۃ تَفْسِيرُ الْعِبَادَةِ۔

② عبادت کا تفصیلی بیان۔

الثالثۃ أَنَّهُ ﷺ لَمْ يَسْتَعِذْ إِلَّا مِمَّا يُخَافُ وُقُوعُهُ۔

③ رسولِ اکرم ﷺ نے اُسی شے سے پناہ مانگی ہے جس سے کہ خطرے کا اندیشہ ہو۔

الرابعۃ قَرْنُهُ بِهٰذَا اِتِّخَاذَ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ مَسَاجِدَ۔

④ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے اور اُن میں مساجد تعمیر کرنے کو ایک جیسا گناہ قرار دیا ہے۔

"قبروں پر مساجد تعمیر کرنا اور ان پر چراغاں کرنا کبیرہ گناہ ہے۔"

قولہ : رَوَاهُ اَهْلُ السُّنَنِ :

اس حدیث کو صرف ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ امام نسائی نے اسے نقل نہیں کیا۔

الخامسۃ ذِكْرُ شِدَّةِ الْغَضَبِ مِنَ اللهِ۔

⑤ ایسے افراد پر اللہ تعالیٰ کے شدید غضب اور غصے کا ذکر جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

السادسۃ وَهِيَ مِنْ أَهَمِّهَا صِفَةُ مَعْرِفَةِ عِبَادَةِ اللَّاتِ هِيَ أَكْبَرُ الْأَوْثَانِ۔

⑥ چھٹا مسئلہ بہت ہی اہم ہے جو یہ ہے کہ لات کی عبادت کیسے کی گئی؟ لات عرب کا بہت بڑا بُت تھا۔

السابعۃ مَعْرِفَةُ أَنَّهُ قَبْرُ رَجُلٍ صَالِحٍ۔

⑦ اِس کی پہچان کہ لات ایک صالح اور بزرگ شخص کی قبر تھی۔

الثامنۃ أَنَّهُ إِسْمُ صَاحِبِ الْقَبْرِ وَ ذِكْرُ مَعْنَى التَّسْمِيَةِ۔

⑧ لاتؔ، صاحبِ قبر کا نام تھا، اِس کی وجہِ تسمیہ بھی تفصیلاً بیان کی گئی ہے۔

التاسعۃ لَعْنُهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ

⑨ رسول اللہ ﷺ نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔

العاشرۃ لَعْنُهُ مَنْ أَسْرَجَهَا۔

⑩ رسول اللہ ﷺ کا اُن لوگوں کو بھی ملعون قرار دینا جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

باب ما جاء

حماية المصطفى ﷺ

جناب التوحيد

وسده كل طريق يوصل إلى الشرك

اس باب میں

اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان اقوال و اعمال کی جو عقیدۂ توحید میں نقص و اضمحلال کا باعث بنتے ہیں کس طرح بیخ کنی کی اور شجرِ توحید کی آبیاری کے لیے کیا کیا کوشش فرمائیں

قال اللہ تعالیٰ: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔

جناب کے معنی جانب اور طرف کے ہیں، مراد یہ ہے کہ اس باب میں ان احتیاطی امور کا تذکرہ ہوگا جنھیں رسول اکرم ﷺ نے جانب توحید کو محفوظ کرنے اور شرک کے ہر رستے کے سدباب کے لیے اپنایا ہے

قولہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا احسانِ عظیم جتاتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے تمھارے پاس اپنے رسول بھیجے ہیں جن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تمھاری ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور تمھارے ہی جیسی بولی بولتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (البقرہ - ۱۲۹)
اے اللہ! ان لوگوں میں خود ان ہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو!

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور فرمایا

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (آل عمران - ۱۶۴)
خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا۔

سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ (التوبۃ - ۱۲۸)
(لوگو!) تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا ہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہِ نجاشی سے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قاصد سے کہا تھا

"اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایسا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرمایا ہے

تمہارا نقصان میں پڑنا اُس پر شاق ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے،

جس کے حسب و نسب کو ہم جانتے ہیں، جس کے اوصافِ حمیدہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، جس کا آنا جانا، سفر و حضر، بیٹھنا اُٹھنا اور چلنا پھرنا ہمارے علم میں ہے اور جس کی صداقت و امانت ہمارے ہاں مسلّم ہے۔"

زیرِ بحث آیتِ کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ کے بارے میں سفیان بن عیینہ، جعفر بن محمد عن ابیہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

لَمْ يُصِبْهُ شَيْءٌ مِّنْ وِّلَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ — آپؐ کی ولادت میں کسی جاہلیت کی رسم کا دخل نہیں ہے۔

قولہ: عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

یعنی وہ امور جو اُمّت کے لیے تکلیف دہ ہیں اور جن کا انجام دینا انتہائی مشقّت کا باعث ہوتا ہے، وہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی پر شاق گزرتے ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ — مجھے وہ دینِ حنیف دے کر بھیجا گیا ہے جو بالکل آسان اور سہل ہے۔

صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں:

اِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ يُسْرٌ — دینِ اسلام آسان اور سہل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ محمّدیہ کا ایک ایک امر اور حکم صاف ستھرا اور نکھرا ہوا ہے، اور اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے، خصوصاً اس شخص پر تو بہت ہی آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آسان کرے۔

قولہ: حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

یعنی لوگوں کا ہدایت قبول کرنا اور دینی و دنیوی امور میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونا آنحضرت ﷺ کا دلی منشا تھا اور آپؐ کی یہی اصل تمنّا اور خواہش تھی۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللهُ

لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

اب اگر یہ لوگ تم سے مُنہ پھیرتے ہیں تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ بس کافی ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وُہ، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وُہ مالک ہے عرشِ عظیم کا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ:

تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَمَا طَائِرٌ يُقَلِّبُ جَنَاحَيْهِ فِي الْهَوَاءِ إِلَّا وَهُوَ يَذْكُرُ لَنَا مِنْهُ عِلْمًا (اخرجہ الطبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اِس حال میں چھوڑا کہ دین کی ایک ایک تفصیل ہمیں بتائی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بَيَّنْتُهُ لَكُمْ[1]

مَیں نے اِس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی جو جنت کے قریب لے جاتی ہو اور جہنّم سے دُور رکھتی ہو اور مَیں نے وہ بیان نہ کی ہو۔

قولہٗ: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤف و رحیم ہونے کا قرآنِ کریم میں متعدد جگہ پر ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] رواہ الطبرانی

عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ

جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝

اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمھاری پیروی اختیار کریں اُن کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ لیکن اگر وہ تمھاری نافرمانی کریں تو اُن سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے مَیں بری الذمہ ہوں اور زبردست اور رحیم پر توکل کرو۔

(الشعراء - ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷)

زیر بحث آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اور محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہی حکم فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپؐ کی شریعتِ عظمیٰ و مطہرہ اور دینِ کامل کو تسلیم نہ کریں تو ان سے صاف صاف اور دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیجئے کہ:

حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

مجھے صرف اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مَیں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا اوصاف ہی تو تھے جن کی بنا پر آپؐ نے اپنی اُمت کو شرک ایسی معصیتِ کبریٰ سے ڈرایا اور اُن اسباب و ذرائع سے آگاہ فرمایا جن کی وجہ سے ایک عام آدمی مرتکبِ شرک ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک میں مبتلا ہونے کے اسباب بیان کرنے اور اُن کی وضاحت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اُن اسباب و ذرائع میں سب سے اہم یہ ہیں:

وَ لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا

اور میری قبر کو عُرس کی جگہ نہ ٹھہراؤ۔

- قبروں کی تعظیم کرنا۔
- اُن کی تعظیم میں غلوّ سے کام لینا۔
- قبرستان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا۔
- قبرستان میں نماز پڑھنا اور

اِس قسم کے بے شمار اسباب ہیں جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے اور آئندہ بھی آ رہا ہے۔

قولہ : لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ حدیثِ بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اپنے گھروں کو نماز و دعا، اور تلاوتِ قرآن ترک کرکے قبرستان نہ بنا دینا"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں نماز پڑھنے اور قبرستان میں نماز نہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ زیرِ بحث حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اِس سے از خود ہی ان لوگوں کی بھی مخالفت ہو گئی ہے جو اُمتِ خیرالوریٰ میں شمار ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور درحقیقت یہود و نصاریٰ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔"

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

اِجْعَلُوْا مِنْ صَلٰوتِكُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا	اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کیا کرو۔ نماز اور عبادت سے محروم کرکے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ (رواہ ابوداؤد باسناد حسن، رواتہ ثقات)

اور مجھ پر درود و سلام بھیجو کیونکہ تم جہاں بھی رہو یہ درود و سلام مجھ تک بہر حال پہنچتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَفِرُّ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي يَسْمَعُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ تُقْرَأُ فِيهِ	اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان جس گھر میں سورۃ بقرہ کی تلاوت سنتا ہے اُس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

قولہ: وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"ہر اُس عام اجتماع کو جو باقاعدہ ہفتے، مہینے یا سال کے بعد منعقد کیا جائے، عید کہتے ہیں۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"اس زمان یا مکان کو، جس کا عادتاً انتظار کیا جائے، عید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی جگہ مقصود ہو تو اس میں عبادت اور اجتماعِ عام کا اہتمام کیا جاتا ہے جیسے مسجد الحرام، منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور مشاعر جن کو اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کے لیے عید قرار دیا۔

مشرکین کی جتنی عیدیں مشہور ہیں اُن میں بعض زمان سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض مکان سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شریعتِ اسلامیہ کو نازل فرمایا تو ان مشرکین کی زمانی عیدوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایامِ منیٰ جیسی تقریبوں سے نوازا۔ جن عیدوں کا تعلق مکان سے تھا اُن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے المشعر الحرام، مزدلفہ، عرفہ اور دُوسرے مشاعر عطا کیے۔"

قولہ: صَلُّوا عَلَيَّ

وعن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَجِيءُ إِلَى فُرْجَةٍ كَانَتْ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اُنھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُجرۂ مُبارک میں ایک کھڑکی کے پاس آتا جو آپؐ کی قبر کے پاس تھی

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمھارا درود وسلام مجھے پہنچ جایا کرے گا، خواہ تم میری قبر سے قریب رہو یا دُور۔ لہٰذا میری قبر کو زیارتگاہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

قولہٗ: عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ رضی اللہ عنہ

علی بن حسین سے امام زین العابدین رحمہ اللہ مراد ہیں۔ خانوادہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں زین العابدین رحمہ اللہ سے کوئی شخص زیادہ عالم نہ تھا۔ امام زین العابدین رحمہ اللہ تابعین میں سے افضل مرتبہ کے مالک تھے۔

امام زہری رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ قُرَشِيًّا أَفْضَلَ مِنْهُ — مَیں نے کسی قریشی کو ان سے زیادہ بہتر نہیں دیکھا۔

صحیح روایت کے مطابق امام زین العابدین رحمہ اللہ ۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

ان کے والد ماجد حضرت حسین رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپؐ کیلئے راحتِ جان تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، آغوشِ نبوت میں پلے پھُولے اور اُنھوں نے چھپن سال کی عُمر پاکر دس محرم ۶۱ھ کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

زیرِ نظر حدیث اور اس سے پہلی حدیث دونوں کی سندیں حسن ہیں۔ سابقہ روایت ابوداؤد میں مندرجہ ذیل سند سے منقول ہے:

عن عبداللہ بن نافع الصائغ قال اخبرنی ابن ابی ذئب عن سعید المقبری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں البتہ عبداللہ بن نافع کے متعلق ابوحاتم کہتے ہیں، وہ حافظ نہیں تھے بعض ان کی روایات مقبول اور بعض منکر ہیں۔

ابنِ معین ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی ہیں۔

ابوزرعہ کی رائے یہ ہے کہ "لا بأس بہ"

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس قسم کی روایت کے اگر شواہد مل جائیں تو اس کو محفوظ روایت سمجھا جاتا ہے اور اس روایت کے متعدد شواہد موجود ہیں۔"

علامہ حافظ محمد بن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند جید ہے۔ اس حدیث کے ایسے شواہد موجود ہیں جن کی وجہ سے یہ صحت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔"

دوسری یعنی زیرِ بحث حدیث کو ابو یعلیٰ، قاضی اسمٰعیل اور محمد بن عبدالواحد المقدسی نے مختارہ میں نقل فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"غور کیجئے، یہ حدیث اہلِ مدینہ اور اہل بیت سے مروی ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جو نسب و مکان کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے وہ دوسروں کی نسبت زیادہ محتاط، اضبط اور قابلِ حجت ہیں اس بنا پر اس حدیث کے لائق استدلال ہونے کے بارے میں کون شک و شبہ کا اظہار کر سکتا ہے؟"

سعید بن منصور اپنی سُنن میں مندرجہ ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں۔

حدثنا عبدالعزیز بن محمد اخبرنی سہیل بن ابی سہیل قال:

رَآنِی الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ عِنْدَ الْقَبْرِ

مجھے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دیکھ کر بلایا اور وہ خود

فَـأَتَانِي وَهُوَ فِي بَيْتِ	فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ کے گھر بیٹھے رات
فَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا يَتَعَشّٰى	کا کھانا کھا رہے تھے ۔ مَیں حاضر ہُوا تو
فَقَالَ : هَلُمَّ إِلَى الْعَشَاءِ	فرمانے لگے آؤ کھانا کھاؤ۔ مَیں نے
فَقُلْتُ لَا أُرِيْدُهُ فَقَالَ :	عرض کیا، مُجھے کھانے کی خواہش نہیں ہے
مَا لِي رَأَيْتُكَ عِنْدَ الْقَبْرِ ؟	پھر فرمایا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کیا کر رہے تھے ؟
فَقُلْتُ ، سَلَّمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِذَا دَخَلْتَ	مَیں نے عرض کیا کہ مَیں آپؐ پر سلام پیش کر رہا تھا۔ فرمایا دیکھو، جب مسجد
الْمَسْجِدَ فَسَلِّمْ ثُمَّ قَالَ	میں داخل ہو تو سلام کہہ لیا کرو۔ پھر کہا
إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے
لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيْدًا	کہ مُیری قبر کو عید نہ قرار دے لینا اور اپنے
وَلَا تَتَّخِذُوا بُيُوْتَكُمْ	گھروں کو قبرستان نہ بنا لینا۔
مَقَابِرَ وَصَلُّوْا عَلَيَّ	مجھ پر درود پڑھا کرو، تم جہاں بھی ہوگے
فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِي	تمھارا دُرود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔
حَيْثُمَا كُنْتُمْ لَعَنَ اللهُ	اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے
الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوا	کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں
قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ	کو عبادت گاہیں بنا لیا۔
مَا أَنْتُمْ وَمَنْ بِالْأَنْدَلُسِ	تم خواہ اندلس میں ہو یا مدینہ میں،
إِلَّا سَوَاءٌ	سب برابر ہو۔

سعید بن منصور ایک دُوسری سند سے یہی حدیث بیان کرتے ہیں :

حدثنا حبان بن علی، حدثنا محمد بن عجلان عن أبی سعید مولی المہری قال، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيْدًا	میری قبر کو میلہ اور اپنے گھروں کو قبرستان
وَلَا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَ	نہ بناؤ۔ تم مجھ پر دُرود پڑھا کرو بلاشبہ
صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي	تمھارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

فَيَدْخُلُ فِيهَا فَيَدْعُو ـ

اور اِس کھڑکی سے اندر داخل ہو کر دُعا کرتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

یہ دو مرسل روایات جو کہ مختلف طرق سے مروی ہیں، ثبوتِ حدیث کے لیے کافی ہیں بالخصوص جب کہ اسے مرسل بیان کرنے والا خود اس سے حجت اور دلیل پکڑ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس کے نزدیک پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی تھی، ایک ایسی حدیث کی تقویت اور ثبوت کے لیے اگر مسند روایات نہ بھی ملتیں تو بھی یہ سب کچھ حدیث کے لیے کافی تھا، چہ جائیکہ یہ حدیث قبل ازیں مسند بھی ذکر ہو چکی ہے۔

قولہٗ: فَيَدْخُلُ فِيهَا فَيَدْعُو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبرستان یا مشہد وغیرہ میں قصداً اس نیت سے جانا کہ وہاں جا کر نماز یا دعا، یا کوئی ذکر اذکار کریں گے، ممنوع ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"مجھے نہیں معلوم کہ کسی امام یا کسی جیّد عالم نے اس کی اجازت دی ہو کیونکہ یہ قبر کو میلہ بنانے کے مترادف ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ مسجد نبوی میں نماز کی نیت سے جانا اور پھر قصداً اور ارادۃً قبرِ نبوی پر سلام کے لیے جانا ممنوع ہے شریعت نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا امام مالک رحمہ اللہ نے اہلِ مدینہ کے لیے اس بات کو مکروہ قرار دیا ہے کہ وہ جب بھی نماز کے لیے مسجد میں آئیں، قبرِ نبوی کے پاس جا کر سلام کہیں کیونکہ یہ سلفِ اُمت کا طریقہ نہ تھا۔ پھر فرماتے ہیں:

وَلَنْ يُصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا	اس اُمت کی اصلاح صرف اُن ہی باتوں سے ممکن ہے جن سے قرونِ اولیٰ کی اصلاح ہوئی تھی

فَنَهَاهُ وَ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا سَمِعْتُهُ مِنْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَّ لَا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اُسے روکا اور فرمایا آؤ میں آپ کو ایک ایسی حدیث سُناتا ہوں جسے میرے والد نے میرے دادا سے اور اُنھوں نے آنحضرت ﷺ سے سُنا۔ آپؐ نے فرمایا: میری قبر کو میلا اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنا لینا۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کا یہ دستور تھا کہ وہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کے بعد اپنے کاروبار کے لیے نکل جاتے یا بیٹھ جاتے، قبرِ نبوی کے پاس سلام کے لیے نہ آتے۔ صحابہ کرام کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ صلوٰۃ و سلام جو ہم نے نماز میں پڑھا ہے وہ کامل اور افضل ترین ہے۔ اِس کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ قبرِ نبویؐ کے پاس آکر صلوٰۃ و سلام کہنے یا وہاں نماز پڑھنے یا دُعاء وغیرہ کرنے کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی بلکہ اِس سے روکا گیا ہے ــــ جیسا کہ رسُول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ

میری قبر کو میلا نہ بنا لینا اور تم مجھ پر درود بھیجتے رہنا وہ مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ و سلام دُور سے ہو یا نزدیک سے بہرحال رسُول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ آپؐ نے اُن لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجد اور عبادت گاہ بنا لیتے ہیں۔

وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَإِنَّ تَسْلِيْمَكُمْ يَبْلُغُنِيْ أَيْنَ كُنْتُمْ رَوَاهُ فِي الْمُخْتَارَةِ -

تم مجھ پر درود وسلام بھیجا کرو۔ تم جہاں بھی ہوگے تمہارا درود وسلام مجھ کو پہنچ جایا کرے گا۔ روایت کیا اِس کو مختارہ میں۔

صحابہ کرام کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں ایک دروازہ تھا جس سے انسان اندر جاسکتا تھا اور اس کے بعد ایک دوسری دیوار کا اضافہ کر دیا گیا جس سے ہر شخص اندر داخل ہوسکتا تھا لیکن صحابہ کرام حجرہ مبارک میں قطعاً داخل نہ ہوتے، نہ نماز کے لیے، نہ صلوٰۃ وسلام کے لیے، نہ اپنے یا کسی دوسرے کے لیے دعا کی غرض سے اور نہ کسی حدیث کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کے لیے۔ نہ شیطان کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ صحابہ کرام کے دل میں اس قسم کا وسوسہ ڈال سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صلوٰۃ وسلام کو سُن رہے ہیں تاکہ سُننے والے کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے یا ہم سے گفتگو فرمائی ہے یا آپؐ نے کوئی حدیث بیان کی ہے یا سلام کا جواب دیا ہے۔

صحابہؓ تو اس نوع کی بدعات سے محفوظ رہے لیکن اِس قسم کے وساوس کو دوسرے افراد کے دِلوں میں ڈالنے میں شیطان کامیاب ہوگیا جس کی وجہ سے وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ صاحبِ قبر ہمیں بعض امُور کے انجام دینے کا حکم صادر کرتا اور بعض سے روکتا ہے، وہ ہمارے سوالات کا جواب دیتا ہے اور ہم سے ہم کلام ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات وہ اپنی قبر سے باہر نکل کر بھی ہم سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی ہوگیا کہ میت کی رُوح جسم کی شکل اختیار کر کے ہم سے ہم کلام ہوتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی

رات مختلف ارواح کو دیکھا تھا اور ان سے باتیں بھی کی تھیں۔"

ہماری اِس ساری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام، آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کے لیے بلاناغہ اور متواتر نہیں جایا کرتے تھے جیسا کہ بعد میں آنے والوں نے اِسکو اپنا وظیفۂ زندگی بنا لیا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص سفر سے مدینہ منورہ واپس آتا تو قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کر لیا کرتا تھا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

چنانچہ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ إِذَا	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی سفر سے
قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أَتَى قَبْرَ	واپس تشریف لاتے تو آنحضرت ﷺ
النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ:	کی قبر پر حاضر ہو کر یوں سلام عرض کرتے
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ	یا رسول اللہ! آپ پر سلام ہو!
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ	اے ابوبکرؓ! آپ پر سلام ہو!
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ	اے ابا جان! آپ پر سلام ہو!
ثُمَّ يَنْصَرِفُ	یہ کہہ کر واپس لوٹ جاتے۔

حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ:

مَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْ	ہم نے سوا عبداللہ بن عمرؓ کے
أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَعَلَ	کسی صحابی رسولؐ کو ایسا کرتے ہوئے
ذٰلِكَ إِلَّا ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ	نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل واضح کرتا ہے کہ سلام کے وقت دعا کرنے کے لیے قبر کے پاس نہیں رکنا چاہیے جیسا کہ آج کل اکثر لوگ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"چونکہ یہ فعل کسی بھی صحابیؓ سے منقول نہیں لہٰذا یہ بدعت اور گمراہی ہے۔"

المبسوط میں امام مالک رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل قول مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام کہہ کے واپس چلا جائے، قبر کے پاس نہ ٹھہرے۔"

البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ

"قبر کے پاس دعا کرتے وقت اپنا چہرہ قبلے کی طرف کرے اور حجرۂ نبوی کو اپنے بائیں جانب کرے تاکہ اُس کی طرف پیٹھ نہ ہونے پائے۔"

تمام ائمہ کرام کا اِس پہ اتفاق ہے کہ دعا کرتے وقت قبلہ رُو کھڑا ہو۔ البتہ سلام کہتے وقت قبلہ رُو ہو یا قبر کی طرف منہ کرے؟ اِس میں اِختلاف ہے۔ اِس سلسلے میں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی طرف یا کسی دُوسری قبر یا مشھد کی طرف قصداً جانا منع ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اِس قبر کو زیارت گاہ بنالیا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے۔ دُوسری بات یہ کہ شرک میں مبتلا ہونے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ اور سبب ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی انبیاء و صالحین کی قبروں کی طرف قصداً جانے کے بارے میں یہی فتوے دیا ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی زیارتِ قبور کیلئے جانے کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔۔۔ امام غزالی اور ابو محمد المقدسی رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لیے ایک شہر سے دُوسرے شہر کا سفر کیا جا سکتا ہے۔

۲۔۔۔ ابن بطہ، ابن عقیل، ابو محمد الجوینی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ کے نزدیک منع ہے۔ جمہور علماء اور ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اِسی کی تصریح کی ہے اور کسی بھی امام نے اِس کی مخالفت نہیں کی اور یہی صحیح مسلک ہے۔

اِس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے۔ آپؐ نے فرمایا

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی	تین مسجدوں کے علاوہ کسی دُوسری جگہ
ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ	کے لیے باقاعدہ کوچ کر کے سفر نہ کیا جائے۔
اَلْحَرَامِ وَ مَسْجِدِیْ هٰذَا	مسجد الحرام، مسجدِ نبوی اور
وَ مَسْجِدِ الْاَقْصٰی	مسجد اقصیٰ۔

مذکورۃ الصدر حدیث میں جس نہی کا حکم ہے اِس میں قبور اور مشاہد کی طرف قصداً جانا بھی شامل ہے یہ حکم نہی یا نفی دونوں میں سے کسی ایک کے ذیل میں ضرور داخل ہے۔

ایک روایت میں نہی کے صیغے سے بھی مروی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ نہی کے حکم میں ہے اور صحابۂ کرامؓ نے اِس ممانعت کو نہی ہی سمجھا جیسا کہ مؤطا امام مالک، مسند امام احمد اور سنن کی تمام کتب میں

بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کوہِ طور سے واپس آئے تو بصرہ بن ابی بصرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

لَوْ اَدْرَكْتُكَ قَبْلَ اَنْ	اگر تمھارے جانے سے قبل مجھے علم ہو جاتا
تَخْرُجَ اِلَيْهِ لَمَا خَرَجْتَ	تو تم نہ جا سکتے، کیونکہ مَیں نے رسُول اللہ
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا ہے
يَقُوْلُ : لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ	کہ تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سواری
اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ	کو استعمال نہیں کرنا چاہیے، اور وہ ہیں:
اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ	مسجد الحرام، مسجدِ نبوی اور
هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى	مسجد اقصیٰ۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور عمر بن شبّہ نے اخبار مدینہ میں بسندِ جید قزعہ سے مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے۔ قزعہ کہتے ہیں کہ:

"مَیں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ مَیں جبلِ طور پر جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بولے "مسجدِ نبوی، مسجد الحرام اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کہیں بھی قصداً جانا منع ہے، اِس لیے آپ جبلِ طور پر جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔"

جبلِ طور پر قصداً جانے کو ممنوع گردانا کیونکہ اس لفظِ حدیث کے مطابق جو ان دونوں نے ذکر کی ہے، تین مساجد کے علاوہ ہر جگہ کیطرف تقرب الی اللہ کی غرض سے سفر کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ عام ہے چاہے مساجد ہوں یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، اس میں صرف مساجد کو خاص کرنا درست نہیں یہی وجہ ہے کہ دونوں نے اس حدیث سے استدلال لیتے ہوئے جبلِ طور کی طرف قصداً جانے سے منع فرمایا کیونکہ جو شخص جبلِ طور پر جانے کی خواہش کرے گا، وُہ فقط اسی لیے جائے گا کہ وُہ متقدس مقام ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کی تھیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ مقدس وادی اور مبارک جگہ ہے ائمۂ اربعہ اور جمہور علماء کا یہی عقیدہ ہے۔ جو شخص مزید تفصیل دیکھنا چاہے اُسے ابن اخنائی کی تردید میں، جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

تین مساجد کے علاوہ دوسری مساجد کی زیارت کے لیے جانے میں کوئی مصلحت اور فائدہ

نظر نہیں آتا۔ اِس موضوع پر "الصارم المنکی فی الرد علی السبکی" بہترین تصنیف ہے جس میں حافظ محمد بن عبدالہادی نے زیارتِ قبور کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بہت سی احادیث کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے جس میں اُنھوں نے ان احادیث کی علتیں بیان کر دی ہیں جو کہ زیارتِ قبرِ نبوی کے بارے میں وارد ہیں

حافظ محمد بن عبدالہادی اور شیخ الاسلام دونوں نے لکھا ہے کہ زیارتِ قبرِ نبوی کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح مروی ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے، باوجودیکہ وہ احادیث جن کو ذکر کیا جاتا ہے، محلِ نزاع پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ ان میں مطلق زیارت کا ذکر ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے کیونکہ مطلق اور بلا شدِ رحال، قبر کی زیارت کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ جن احادیث میں جواز کا پہلو ملتا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ بغیر شدِ رحال کے اگر ممکن ہو تو زیارتِ قبرِ نبوی کے لیے جانا جائز ہے اور اِس زیارت سے زیارتِ شرعی مراد ہے نہ کہ زیارتِ شرکیہ اور بدعیہ۔

قولہٗ: رواہ فی المختارۃ:

"المختارۃ" ایسی کتاب ہے جس میں ان احادیثِ جیدہ کو جمع کیا گیا ہے جو کہ بخاری اور مسلم میں نہیں پائی جاتیں۔

المختارہ کے مؤلف ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی الحافظ ضیاء الدین حنبلی رحمہ اللہ ہیں جو مشہور علماء میں سے تھے۔ ان کے متعلق علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> "دینِ حنیف کی خدمت میں اُنھوں نے اپنی ساری زندگی صرف کر دی۔ بہت پرہیزگار اور متقی شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور اُن کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین!"

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کتاب "المختارہ" کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "اِس میں شک نہیں کہ المختارہ کی صحیح احادیث حاکم کی صحیح روایات سے کہیں زیادہ بہتر اور درست ہیں۔"

صاحب المختارہ ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيْرُ أٰيَةِ بَرَاءَةِ۔

① سورہ برأت کی آیت کی تفسیر۔

الثانیۃ: إِبْعَادُهُ أُمَّتَهُ عَنْ هٰذَا الْحِمٰى غَايَةَ الْبُعْدِ۔

② رسولِ اکرم ﷺ کا اپنی اُمت کو شرک کی چاردیواری سے بے حد دُور رہنے کی ہدایت کرنا۔

الثالثۃ: ذِكْرُ حِرْصِهِ عَلَيْنَا وَ رَأْفَتِهِ وَ رَحْمَتِهِ۔

③ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے ساتھ جو اُلفت و محبت تھی اور ہماری نجات کے لیے آپؐ کو جو شغف تھا اُس کا مختصر خاکہ پیش کرنا۔

الرابعۃ: نَهْيُهُ عَنْ زِيَارَةِ قَبْرِهِ عَلٰى وَجْهٍ مَخْصُوْصٍ مَعَ أَنَّ زِيَارَتَهُ مِنْ أَفْضَلِ الْأَعْمَالِ

④ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قبر کی زیارت کی مخصوص صورت سے منع فرمایا، حالانکہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت شرعی حدود و قیود کا خیال رکھتے افضل اعمال میں سے ہے۔

الخامسة: نَهْيُهُ عَنِ الْإِكْثَارِ مِنَ الزِّيَارَةِ۔

⑤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیارتِ قبر کیلئے بار بار جانے سے منع فرمانا۔

السادسة: حَثُّهُ عَلَى النَّافِلَةِ فِي الْبَيْتِ۔

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفلی نماز گھر پڑھنے کی ترغیب دینا۔

السابعة: أَنَّهُ مُتَقَرَّرٌ عِنْدَهُمْ أَنَّهُ لَا يُصَلَّى فِي الْمَقْبَرَةِ۔

⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات مسلّم اور معروف تھی کہ قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے۔

الثامنة: تَعْلِيلُهُ ذٰلِكَ بِأَنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ وَ سَلَامَهُ عَلَيْهِ يَبْلُغُهُ وَ إِنْ بَعُدَ فَلَا حَاجَةَ إِلٰى مَا يَتَوَهَّمُهُ مَنْ أَرَادَ الْقُرْبَ۔

⑧ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ جو شخص مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے خواہ وہ دور ہو یا نزدیک وہ صلوٰۃ و سلام میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے لہٰذا قریب آنے کی ضرورت نہیں۔

التاسعة: كَوْنُهُ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْبَرْزَخِ تُعْرَضُ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ فِي الصَّلٰوةِ وَ السَّلَامُ عَلَيْهِ۔

⑨ اِس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ برزخ میں ہیں اور اُمّت کے اعمال میں سے صرف درود و سلام ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ترتیب نو و اہتمام طباعت :